

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شۇرۇتھاد

سال چهارم شماره (۱۲) رجب، شعبان، رمضان ۱۴۳۲ھ جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۱ء

پیشکش: مجع جهانی تقریب مذاہب اسلامی
نگران اعلیٰ: آیت اللہ محمد علی تفسیری
مدیر مسؤول: علی اصغر اوحدی
علمی گروہ کی زیر نگرانی



چیف ایڈیٹر : سپرداختشام عباس زیدی

سے ماہی ”شعور اتحاد“ مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو مستحکم بنانے نیز عالم اسلام کو فقی، حقوقی، کلامی، فلسفی، تاریخی و... میدانوں میں درپیش مشکلات اور دشواریوں کے حل کے لئے نئی راہیں کھوتا ہے۔
یہ مجلہ مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کے متعلق لکھے جانے والے علمی مقاولوں کا استقبال کرتا ہے۔
یہ مجلہ مقالات کی ایڈیشنگ اور تاخیص میں آزاد ہو گا۔
مجلہ کے مطالب نقل کئے جاسکتے ہیں لیکن حوالہ ضروری ہے۔

ایثاریں: تهران، خیابان آیه اللہ طالقانی، شماره ۳۵- مجتمع جهانی تقریب مذاہب اسلامی، معاونت فرهنگی و پژوهشی
شکوفون: ۰۹۸۲۱۳۲۳۲۸۸۲۴۵۳۲-۰۹۸۳۲۱۶۲-۰۹۸۳۲۱۳۰۲-۰۹۸۲۱۳۲۳۲-۰۹۸۲۱۳۰۲-۰۹۸۲۱۳۲۳۲

قم: خیابان ساحلی بخش اوسانی ۱، پلاک ۱۶۱ کوڈ پوسٹ ۷۳۷۲۴۲۳۶۵۷-۰۵۵۲۳۵-۰۷۷۵۵۳۶۸-۰۹۸-۲۵۱

andisheh@taghrib.org ایمیل

سالانہ	قیمت فی مجلہ
ہندوستان ۳۰۰ روپے	بھارت ۱۰۰ روپے
پاکستان ۲۰۰ روپے	پاکستان ۱۵۰ روپے
یورپی ممالک ۲۰ ڈالر	یورپی ممالک ۵، ڈالر

فہرست

۵	یوم قدس اور اسلامی بیداری اداریہ	یوم قدس اور اسلامی بیداری اداریہ
نکروشیور		
۱۱	روزہ اور اس کی حکمت آیت اللہ جوادی آملی	روزہ اور اس کی حکمت آیت اللہ جوادی آملی
۲۷	ظہور حضرت مہدی ہمارے اختیار میں ہے ڈاکٹر سید محمد مرتضوی	ظہور حضرت مہدی ہمارے اختیار میں ہے ڈاکٹر سید محمد مرتضوی
۳۱	صلح اور باہمی زندگی کی تہذیب شیخ بسام الصبا غ	صلح اور باہمی زندگی کی تہذیب شیخ بسام الصبا غ
۵۳	قرآن کریم میں غیر آلوہ ماحولیات سے استفادہ کی نیاد مہدی فیروزی	قرآن کریم میں غیر آلوہ ماحولیات سے استفادہ کی نیاد مہدی فیروزی
۷۱	مسلمانوں کی زندگی پر توحید کے اثرات بشیر احمد بٹ	مسلمانوں کی زندگی پر توحید کے اثرات بشیر احمد بٹ
۹۵	اسلامی فرقوں کے مشترکہ اصول اور اتحاد میں محمد یعقوب بشوی	اسلامی فرقوں کے مشترکہ اصول اور اتحاد میں محمد یعقوب بشوی
۱۱۱	کلام علیٰ میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل سید مجتبی الحسن زیدی	کلام علیٰ میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل سید مجتبی الحسن زیدی
اتحاد کے علمبردار		
۱۲۹	سید محمد تقیٰ حکیم تقریب کے ایک محقق عز الدین رضا نژاد	سید محمد تقیٰ حکیم تقریب کے ایک محقق عز الدین رضا نژاد
۱۳۵	مجاہد شہید ماموستاخ الاسلام کا کردار رحمان غربی	مجاہد شہید ماموستاخ الاسلام کا کردار رحمان غربی
عالم اسلام کا تعارف		
۱۵۱	بھرین عہد قدیم سے اب تک سید مجتبی الحسن زیدی	بھرین عہد قدیم سے اب تک سید مجتبی الحسن زیدی
ایک کتاب : خلاصہ و تبصرہ		
۱۷۹	فلسطین خونبار تعارف اور جائزہ ابو جواد زیدی	فلسطین خونبار تعارف اور جائزہ ابو جواد زیدی

یوم قدس اور اسلامی بیداری

عالمی استعمار نے مشرق و سطی میں عثمانی سلطنت کو اپنی مکروہ سازشوں سے تباہ کرنے کے بعد ملت اسلامیہ کو ایک طرف چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تبدیل کر دیا وسری طرف فلسطین کے مسلمانوں کو دھوکا دے کر ایک ایسی اسرائیلی حکومت قائم کی جو اپنی تاسیس کے دن سے آج تک نہ صرف مشرق و سطی اکے لئے ناسور بنی ہوئی ہے بلکہ اپنی گھناؤنی حرکتوں سے یہ صحیونی پوری دنیا کے لئے عذاب بن گئے۔ ساٹھ سال سے زیادہ کاعرصہ امت مسلمہ کی تباہی، بر بادی اور ذلت و رسولی کا انہائی شرم ناک دور گزر ااستعمار نے ملت اسلامیہ کو چھوٹے چھوٹے ملکوں تقسیم کر کے کبھی انھیں نیشنلزم کے نام پر آپس میں اڑایا۔ کبھی عربی و عجمی کا تعصّب ایجاد کیا اور کبھی مذہبوں کے نہیاد پر مسلمانوں کو ایک دوسرے کا خون بہانے پر اکسایا۔

فلسطین کی سر زمین پر اسرائیلی حکومت کو روز افروں مضبوط کرنے کے لئے عرب ممالک کے حکام کو زر خریدنا کر ان کی جماعتیں حاصل کی گئیں اسرائیل کے خلاف دو ایک ڈرامائی جنگوں کا باز اگرم کیا گیا اور ان میں عربوں کی شکست فاش دکھا کر پورے مشرق و سطی پر اسرائیل کی دھشت یوں بھائی گئی کہ علاقے میں کسی کو اس کے خلاف چوں کرنے کی بھی جرأت تھی اس دوران فلسطین میں بچارے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پھاڑ یوں توڑے گئے جن کی داستانیں ان کر آج بھی رو ٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں صبری و شتیلا اور دیریا سین میں ہزاروں کی شکل میں بے

گناہ مسلمانوں کا بے دردی سے قتل عام ہوا اور فلسطینی مسلمانوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور انھیں فلسطین سے باہر رون، مصر، لبنان، شام اور جنوبی مالک میں کیپوں کی شکل میں رہنے پر مجبور کیا گیا۔

اس کام کے لئے ایک طرف عالم استکبار اور استعمار پوری توانائی سے لگا ہوا تھا دوسری طرف اس نے اپنے زخیری عرب اور غیر عرب حکام سے بھی اس قضیہ میں یادگاری اور ان حکام نے پوری بے حیائی کے ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں اور امت مسلمہ کے ساتھ خیانت کرتے ہوئے غاصب صہیونیوں اور یہود و نصاریٰ کا ساتھ دیا اور قرآن کا فرمان سراسر بھول گئے اس میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أُولَئِكَ بَعْضٌ ...﴾ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ اس لئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں (تحمارے دوست نہیں ہیں) (ماندہ ۱/۵۱) اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبَعَ مِلَّتَهُمْ ...﴾ یہود و نصاریٰ ہر گز ہرگز تم سے راضی اور خوش نہ ہوں گے (جاءہ تم ان کی جتنی بھی جی حضوری کرلو یہ اسی وقت تم سے راضی ہو سکتے ہیں کہ) تم ان کا دین اختیار کرلو، (بقرہ ۱۲۰)

صہیونیوں کے روز بروز بڑھتے ہوئے قدم اور ان کی ناپاک سازشیں نہ صرف فلسطین کی حدود میں ہی سمٹی ہوئی تھیں بلکہ وہ ایک بڑے اسرائیل کا خواب دیکھ چکے تھے اور اس کا نقشہ بنا چکے تھے جس میں پورے مشرق و سلطی پر سلطانی نشانہ ہی کی گئی تھی کسی بھی قوم یا امت کے درمیان اس قوم کی ترقی اور عظمت کے لئے دو محکم ستون ہوا کرتے حدیث نبوی ہے: ”قوم کی فلاح و بہبود کے لئے علماء اور حکام ذمہ دار ہوتے ہیں اگر یہ دونوں نیک ہوں تو قوم بھی ترقی کرے گی اور یہ دونوں فاسد ہوں تو قوم بھی فاسد اور بر باد ہو جائے گی“، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث شریف آج امت مسلمہ کی صحیح حالت بیان کر رہی ہے۔ امت مسلمہ نے اپنے حکام کی خیانت آمیز اور دوغی چالوں کا تو اندازہ لگا ہی لیا اب رہے علماء تو انھوں نے بھی اپنے درباروں سے وائیگی کی بنا پر اسلام و قرآن اور مسلمانوں کے حقوق کا پاس و لحاظ کئے بغیر اپنے امراء اور حکام کا بھر پور ساتھ دیا اور ان کے ذریعہ استعمار کی نوکری کا بھرپور حق ادا کیا امت مسلمہ میں اختلاف ایجاد کرنے انھیں آپس میں اڑانے اور اسلام کا شیرازہ بکھیرنے میں علماء کا جتنا ہاتھ رہا ہے اتنی بڑی خیانت شائد مشرق و سلطی کے مسلمان حکام نے بھی نہ کی ہوگی۔ اور یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے کہ بوجھے استعمار کے ہاتھوں وجود میں آنے والے وہابی نہدہب کے علماء نے امت مسلمہ کو جتنا لفظان پہنچایا ہے اتنا پچھلی صدیوں میں کبھی نہیں ہوا تھا۔

یہی صورت حال اسلامی امت کی برسوں تک رہی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ دین مبین اسلام خود

مسلمانوں کے درمیان مصلحت کے بننے لگا قرآن کی رسالتی اور مسجد اور اہل مسجد کی تفہیک ایک عام سی بات ہو گئی کہ ان ہی حالات میں ایران کے سر زمین پر ایک مرد فقیہ نے اللہ کی عظمت و بزرگی کا انعامہ بلند کیا اور ایک ایسا انقلاب برپا کیا کہ عالمی استکبار و استعمار کے مخلوقوں میں زور لے آنے لگے۔ حضرت آیت اللہ العظیم امام خمینیؑ نے باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر الہی قوت پر بھروسہ کرتے ہوئے ایران کی قوم کو بیدار کر دیا اور تینتیس سال سے اسلامی بیداری کا یہ سلسلہ نہ صرف آج تک جاری ہے بلکہ یہ بیداری ایرانی حدود سے نکل کر پورے مشرق و سطی میں اپنی عظمت کا لوہا منوار ہی ہے۔

امام خمینیؑ نے ایران میں اسلام کی کامیابی کے بعد عالمی سطح پر جس اہم ترین مسئلے کو اٹھایا وہ فلسطین کا مسئلہ تھا، اور یہ وہ مسئلہ تھا جسے عرب علماء اور حکام ایک تمام شدہ مسئلہ سمجھ کر پس پشت ڈال پکھے تھے اور دنیا اسلام میں یہکس و مظلوم فلسطینیوں کی چیخ پکار کو سننے والا کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ ایسے میں آپ نے بیت المقدس کی آزادی کے لئے ماہ مبارک رمضان کے آخری جمع کو پوری امت مسلمہ کے لئے عالمی سطح پر ”یوم قدس“، قرار دیا اور مسلمانوں سے قدس کی آزادی کے لئے آواز بلند کرنے کی اپیل کی۔

ابتداء میں یہ ایک شخص کی آواز تھی لیکن یہ اس الہی شخصیت کے اخلاص کا اثر تھا کہ سال بسال اس آواز میں نہ صرف مضبوطی آتی گئی بلکہ اس احتجاج نے ایک طرف امت مسلمہ کو بیدار کیا اور انھیں مسئلہ فلسطین پر غور کرنے کے لئے آمادہ کیا جسے مغربی اور عربی سیاستوں نے مسلمانوں ذہنوں سے دور کر دیا تھا۔ دوسری طرف خود فلسطین کے مظلوم مسلمانوں میں ہمت و حوصلہ کی ایک نئی روح پھونک دی اور وہ اپنی جانیں ہتھیلوں پر لے کر شہینوں اور ٹینکوں کے مقابلے پر نکل آئے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ گزشتہ دہائیوں میں صہیونیوں نے جتنی آسانی سے فلسطینی سر زمینیوں پر نئی کالوںیاں بنانے اور بیت المقدس کو اپنی راجدھانی قرار دینے کا خواب دیکھا تھا اس آواز نے ان کے بڑھتے ہوئے جسورانہ قدم روک دیئے اگرچہ اس کشکش کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور فلسطینی اپنی زمینیوں سے برابر بے دخل کئے جا رہے ہیں لیکن کل تک کسی کو معلوم نہیں تھا آج یہ مظالم دنیا کی نگاہوں میں آگئے ہیں۔ کل یوم قدس کا مسلمان ہی مذاق اڑاتے تھا اج یوم قدس صہیونیت اور استعمار بھی دھشت زدہ ہیں۔

یوم قدس کی طاقتور الہی احتجاجی آواز نے علاقے کی مسلمان قوموں کو اس قدر بیدار کر دیا کہ انھوں نے ایک ایک کر کے اپنے خائن استبدادی حکام کو ان کے تختوں سے اترادیا اور ان کے سروں سے ریاست کے تاج نوج کر پھینک دیئے۔ اس عظیم اسلامی بیداری کا تیونس سے شروع ہوا اور زین العابدین بن علی جیسے استبدادی سربراہ کو

ملک سے بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا دیکھتے دیکھتے اس طوفان نے وقت کے فرعون یعنی نامبارک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور آج اس ظالم تاجر کی ذلت آمیز تصویریں عدالت کے کئھروں میں نظر آ رہی ہیں۔ یمن کے علی عبد اللہ صالح اور یمنی کے قذافی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ ایک دن مسلمان امت اس قدر بیدار ہو جائے گی کہ جن کے سروہ پکلا کرتے تھے آج ان کے سروں پر ان کے قدم نظر آ رہے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ عقریب اس بیداری کا سب سے نمایاں نتیجہ فلسطین کی آزادی اور بیت المقدس کی سرفرازی کی شکل ہی میں برآمد ہو گا اور مسجدِ قصیٰ کو اس کا کھویا ہوا وقارا پسمل کر رہے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ اس بلا خیز الہی طوفان میں اپنی صحیح سمت کا تعین کرے اور باقی ملکوں پر حکومت کرنے والے خائن اور استبدادی حکام اور بادشاہوں سے ان کے تخت و تاج چھین لے کر اصل میں صہیونیت اور غاصب اسرائیل کی سب سے بڑی سپریہیں ہیں کلمہ تو حیدر تو حیدر کے ساتھ ہاتھوں سے ہاتھ ملائیں اور اپنے جزوی اختلافات کو بھول کر قرآنی دستور پر عمل کریں کہ قرآن کریم آج بھی ہم سب کو آواز دے رہا ہے: ﴿ وَاغْتَصِمُوا بِحِلْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَنْفَرُّ قُوًا . . . ﴾ (آل عمران/۱۰۳) اور اللہ کے رسی کو مخبر طی سے کپڑا اور آپس میں تنفر نہ ڈالو،



رہت کے گھوں میں زار لے گا

۹

فکر و شعور



روزہ اور اس کی حکمت

از آیت اللہ جوادی آملی

ترجمہ: سید احتشام عباس زیدی

پیٹ بھرنے کی نہ ملت:

ماہ مبارک رمضان اسرار عالم کو سمجھنے کا ایک مناسب موقع ہے۔ کھانا اتنی ہی مقدار میں کھانا چاہئے جتنا وہ انسان کو طاقت فراہم کر سکے۔ کوئی شخص بہت زیادہ کھا کر کچھ نہیں کر سکتا۔ اسلام کی اخلاقی تعبیرات میں آیا ہے کہ ﴿مَا مَلِأَ أَدْمِيٌ وَعَاءً شَرَأْ مِنَ الْبَطْنِ﴾ (۱) انسان نے کوئی بھی ظرف پیٹ سے بدتر پہنچنیں کیا ہے۔ پیٹ اگر بھر جائے تو سوچنے اور سمجھنے کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔ بہت کھانے والا انسان کچھ سمجھتا نہیں اور وہ عالم کے اسرار اور باطن کو ہرگز سمجھنیں سکتا۔

شکم پری انسان کو بے ارادہ اور کاہل بناتی ہے۔ کھانے میں اعتدال کی رعایت انسان کو سلامتی، طول عمر اور دل کو نر انیت عطا کرتی ہے۔ حد سے زیادہ کھانا روح کو بھی مشغول کرتا ہے اور بدن کو بھی اذیت دیتا ہے اور آخر کار انسان وقت سے پہلے بے کار ہو جاتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ پرخور انسان لمبی عمر کے نہیں ہوتے ہیں۔

زیادہ کھانا سستی اور نیند طاری کرتا ہے۔ اصحاب رسول خدا صل اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی پیغمبرؐ کی خدمت میں آتے تھے تو حضرت ان سے پوچھتے تھے ((هَلْ مِنْ مُبَشِّرَاتٍ)) (۲) کیا تم نے کوئی اچھا خواب دیکھا؟ انسان سوتا ہے تاکہ کچھ سمجھنہ کہ کھائے اور زیادہ سوئے۔

ایک شخص نے پیغمبر اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈکاری، حضرت نے فرمایا: کم کھاؤ۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ انسان اس قدر کھائے کہ جب لوگوں کے درمیان بینجا ہو تو ڈکار لینے لگے۔ ((اقصر من جسانک فان اطول الناس جوعاً يوم القيمة اكثراهم شبعاً في الدنيا)) (۳) قیامت میں سب سے زیادہ بھوکے افراد وہ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ شکم سیرتھے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے حالات میں ہے کہ حضرت نے ایک روز اپنے باغبان سے پوچھا: تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ اس نے عرض کی بہت سادہ کھانا ہے، آپ کے لائن نہیں ہے۔ میں نے بغیر رونگ کا کدو پکایا ہے۔ فرمایا: لے آؤ۔ حضرت نے ہاتھ دھلے اور وہ کھانا کھایا پھر اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”جو پیٹ اتنی سادہ غذا سے بھر سکتا ہے تو براہو اس کا جسے اس کا پیٹ جہنم میں لے جائے“ (۴) اسلام میں آزادی کی قیمت:

بزرگوں نے کہا ہے کہ اگرچہ روزہ رکھنا سخت اور دشوار ہے لیکن خداوند عالم کی اس آواز کو سننا جس میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا إِيَّاهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (۵)

انسان سے روزہ کی تجھنی کو دور کر دیتا ہے:

”لذة ما في النداء ازال تعب العباده والعناء“ (۶)

اس نداءِ الہی کو سننے کے بعد عبادت ہمارے لئے آسان ہو جاتی ہے۔

حضرت رسول خدا صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ شعبان کے آخری جمعہ میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

”يَا إِيَّاهَا النَّاسُ! إِنَّ أَنفُسَكُمْ مَرْهُونَ بِأَعْمَالِكُمْ فَفَكُوهَا بِاسْتغْفَارِكُمْ“ (۷)

لوگو! تم آزاد نہیں ہو، قفس میں ہو لیکن جانتے نہیں کہ قفس میں ہو۔ تمہارے گناہوں نے تمھیں قفس میں

قید کر رکھا ہے لہنڈا رمضان المبارک کے مہینے میں خود کو استغفار کے ذریعہ آزاد کرو۔

گناہ کا رسان مقرر ہے اور مقرر ہے کوچھ گروی رکھنا ہوتا ہے۔ یہاں گھر اور زمین کو گروی کے طور پر قبول نہیں کرتے بلکہ جان کی گروی لیتے ہیں۔ جو یہ کہتا ہے، میں جو چاہوں گا کروں گا، جہاں چاہوں جاؤں گا، جو



چاہوں گا بولوں گا، وہ اسیر ہے آزاد نہیں ہے، کیونکہ ہوس و آز میں بُتلا انسان، غلام ہے آزاد نہیں ہے۔

اسلام میں کوئی بھی قیمت آزادی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "من ترک الشهوات کان حراً" (۸) آزاد ہوہ ہے جو خواہشات کو ترک کرے۔ موصویٰ میں علیہم السلام نے اپنے بہت سے اقوال میں ہمیں تعلیم دی ہے کہ آزاد ہو جاؤ۔ باہر ہی دشمن سے آزاد ہونا کوئی بڑا کام نہیں ہے۔ اندر کے دشمن سے آزاد ہونا اہم ہے۔ ہم غلام ہیں یا آزاد اسے سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر حسبِ دخواہ عمل کرتے ہیں تو سمجھ لیں کہ خواہشات اور طمع و لالج کے قید میں ہیں اور اگر خدا نے منان کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں تو آزاد ہیں۔ آزاد انسان خدا کے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں نہیں سوچتا۔

رمضان کے مبارک مہینے میں سب سے بڑا فریضہ انسان کا آزاد ہونا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ ان ہیلیوں اور ہمیں سلاخوں کو جو خود اس نے بنائی ہیں تو ٹڑا لے۔ آزادی کا راستہ بھی یہ ہے کہ استغفار کرے اور لغایوں کی بخشش کے لئے دعا کرے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ دن رات میں متعدد بار کہو؟ *أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّيْ وَ أَتُوبُ إِلَيْهِ* (۹) نماز میں اور اس کے علاوہ بھی اپنے اور دوسروں کے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔ صرف جہنم کی آگ سے نجات کے لئے یاجنت میں جانے کے لئے نہیں بلکہ ان سے بھی بالاتر مسائل کے لئے۔

اسلامی انقلاب بھی آزادی کے لئے تھا، لیکن خدا کی بندگی سے آزادی کے لئے نہیں، انقلاب اس لئے تھا کہ ہم صرف اللہ کے بندے رہیں اور اس کے علاوہ کسی اور کے بندے نہ رہیں۔ دین کو دوسروں کی حکومت سے نجات دیں تاکہ وہ خدا کے اختیار میں رہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام مالک اشتر کو لکھے ہوئے اپنے خط میں ارشاد فرماتے ہیں:

"أَنَّ هَذَا الدِّينَ كَانَ اسِيرًا فِي إِيْدِيِ الْاَشْرَارِ ، يُعْمَلُ فِيهِ بِالْهَوَى

وَيُطْلَبُ بِهِ الدُّنْيَا" (۱۰)

"یہ دین دشمنوں کا اسیر تھا وہ اس میں اپنی خواہش سے عمل کرتے تھے اور اس کے

ذریعہ دنیا حاصل کرتے تھے"

جو لوگ دنیا میں نکست کھاتے ہیں اپنے نفس کی قید میں ہوتے ہیں۔ دنیا میں رہنے کے خواہشمند بھی



ہوتے ہیں اور آزاد ہونے سے بھی ڈرتے ہیں۔ اسلام ان دونوں اصولوں کی مذمت کرتا ہے اور ان کی جگہ دوسرا صلوب کی تاکید کرتا ہے۔ ایک یہ کہ عالم طبیعت سے دل ندگاں کیں، دوسرے یہ کہ مابعد طبیعت سے نہ ڈریں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿الا حُرُّ يَدَعْ هَذِهِ الْمُمَاظَةِ لَا هُلْهَلَهَا﴾ (۱۱) کیا کوئی ایسا انسان ہے جو گذشتہ نسل کی دانتوں میں پھنسی ہوئی غذا کو ترک کر دے؟ جو کچھ اس وقت دنیا کے نام پر ہے مثلاً گھر، زمین، جاندار، اور عہدہ و منصب وغیرہ پہلے کی نسلوں نے ان سے فائدہ اٹھایا اور وہ سب آج دانتوں میں پھنسی ہوئی غذا کے مانند ہم تک پہنچی ہیں۔ جو کچھ اس وقت روئے زمین پر ہے یہ سب منصب و دولت اور وہم و خیال دانتوں میں پھنسی ہوئی غذا ہے۔ آزاد انسان کو انھیں چھوڑ دینا چاہئے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿كُلُّ امْرَئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ (۱۲) یا ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتُ رَهِينَةً﴾ یعنی سب کے سب اپنے اعمال کے اسیر ہیں صرف کچھ لوگ آزاد ہیں: ﴿الَا اصحابُ اليمين﴾ (۱۳) اصحاب یمین وہ لوگ ہیں جو میمنت و برکت کے ہمراہ ہیں، ان سے برکت کے علاوہ کسی اور چیز کی توقع نہیں ہوتی اور وہ برکت کے علاوہ کچھ اور نہیں رکھتے۔ یہ وہ بہترین نعمت ہے جسے حاصل کرنے کا خدا ہمیں حکم دیتا ہے۔

ماہ رمضان آزاد ہونے کا مہینہ ہے۔ جو روز بھی گزرتا ہے ہر روز ایک گھر کھلنی چاہئے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر لگا رکھی ہیں۔ یہ گھر ہیں کھلنی چاہیں تاکہ ہم آزاد ہوں۔ آزاد ہونے کی بہترین راہ یہ ہے کہ ہم عبادتوں کی حکمت سے آگاہ ہوں۔

روزہ اور روزہ دار کی جزا:

بعض روایات میں آیا ہے کہ روزہ رکھوتا کہ ماہ مبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں کی طراوت و شادابی کو ختم کرو، کیونکہ وہ نشاط و شادابی جھوٹی اور جلد زائل ہو جانے والی ہے۔ جب انسان نے روزہ رکھا اور اس سے دلستگی پیدا کی تو رفتہ رفتہ روزہ کے باطن سے آگاہ ہونے لگے گا۔ روزہ کا باطن انسان کو حق کی طرف کھینچتا ہے، خداوند عالم حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿الصُّومُ لِي وَ انا اجزِي بِهِ﴾ (۱۴) روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی ہزار دوں گا۔ یہ تغیر صرف روزہ کے لئے وارد ہوئی ہے۔



عالم امکان کی تمام چیزیں خدا کی ہیں۔ عالم خلقت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خدا کی نہ ہو کیونکہ سب پچھے خدا کی ملوق و مملوک ہے۔ ہماری آنکھیں اور کان بھی خدا کے ہیں ﴿اَمَنْ يَمْلُكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ﴾

(۱۵)

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

”... اعضاُكُم شہودہ و جوار حکم جنوذہ و ضمائِرُكُم عيونہ و

خلواتکم عیانہ“ (۱۶)

ہوشیار ہوا رجان لو کہ خلوت و جلوت، ظاہر و باطن سب خدا کے سامنے ہے، تمہاری

خلوتیں اور تمہاریاں بھی اس پر روشن و عیاں ہیں۔

دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خدا کی یاد میں مشغول نہ ہو۔ یہ انسان ہے جو بھی غافل ہے اور بھی ہوشیار ہے۔ فرشتے سائیں گنتے ہیں کہ آخر یہ انسان کس لئے سانس لے رہا ہے۔ جب قرآن کے ارشاد کے مطابق یہ کائنات خدا کی ملک و ملک ہے تو ہمارے تمام اعضاء و جوار بھی اس کے سپاہی ہیں ”وَلَهُ جنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ“ (۱۷)

یہ جو خدا نے فرمایا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے یہ ایک خصوصیت کی طرف اشارہ ہے جس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ بھی انسان سحر سے افطار تک بھوکا پیاسا رہتا ہے۔ یہ روزہ داری کا ایک درجہ ہے اور یہ اس بات کی کوشش ہے کہم سے کم قیامت میں نہ جعلی یا جنت میں داخل ہو، وہ جنت جس کے لئے کہا گیا ہے: ﴿جَنَّاثٌ تَّجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ (۱۸) لیکن وہ جنت جس کے لئے ﴿فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ (۱۹) کہا گیا ہے، وہاں اسے راہ نہیں دیں گے۔ یعنی روزہ ایک خاص حکم اور خاص ادب رکھنے کے ساتھ ایک ایسی حکمت بھی رکھتا ہے جسے لقاء و محبت خدا کہتے ہیں۔

یہ حدیث انسان میں شوق پیدا کرتی ہے کہ وہ عاشق ہو۔ انسان جب تک مشتاق نہ ہو کوشش نہیں کرتا اور جب تک کوشش نہیں کرتا منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔ جب روزہ خدا کے لئے ہوا تو خداوند عالم نے بھی خود روزہ دار کی جزا اپنے ذمہ لے لی۔

مرحوم محمد تقی مجلسیؒ جو ایک بڑے فقیہ ہونے کے ساتھ بہت سے اسلامی معارف اور علوم عقلی میں بھی صاحب نظر تھے فرماتے ہیں کہ خدا نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی کہ ”الصوم لی“ فرمایا بلکہ ”انا آجری بہ“ بھی فرمایا۔ واحد متكلم کی ضمیر فعل سے پہلے ذکر کی اور لفظ ”انا“ کے ذریعہ خود کو نمایاں بھی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ روزہ میرے لئے اور میں ہوں جو روزہ دار کی جزا دینے والا ہوں (۲۰)۔

جزا وہ بھی کیسی؟

اولیائے الہی جوستھی روزہ رکھتے ہیں اور اپنا افطار مسکین و بیتم واسیر کو کھلا دیتے ہیں، نہ صرف ﴿جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ﴾ (۲۱) ان کے اختیار میں ہے بلکہ ان سے یہ بھی کہا جاتا ہے ﴿فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ کیونکہ اعلیٰ مقصد کے لئے روزہ رکھتے ہیں، لیکن جو لوگ جنت میں داخل ہونے اور اس کے لذیذ میوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے روزہ رکھتے ہیں وہ صرف سوداگری کرتے ہیں۔

روزہ اور باقی تمام عبادتوں میں فرق یہی ہے کہ دوسرے اعمال کے عوض ملائکہ الہی موت کے وقت مومنین کے استقبال کوآتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿سَلَامُ عَلَيْكُمْ طَبُّمْ فَادْخُلُوا هَا خَالِدِينَ﴾ (۲۲) سلام ہوتم پر جنت کے دروازے کھلے ہیں جس در سے چاہو دخل ہو جاؤ، لیکن روزہ دار کے لئے خداوند عالم فرماتا ہے: میں خود اس کی جزا دوں گا۔ یہ روزہ کے احکام و آداب میں سے نہیں ہے لہذا نہ واجب و مستحب کی بحث سے اس کا تعلق ہے جس کا فصلہ فرق کرے اور نہ روزہ کے آداب سے متعلق ہے بلکہ اس کا تعلق روزہ کی حکمتوں سے ہے کہ انسان کس طرح اس عظیم منزل پر پہنچتا ہے کہ خدا نے تعالیٰ خود بر اہ راست اس کی جزا اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔

ابن اشیر کہتے ہیں کہ یہ جو خداوند عالم حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے ”الصوم لی و انا اجزی بہ“، اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ کوئی بھی مشرک اور بت پرست قوم بتوں کے لئے روزہ نہیں رکھتی تھی۔ اگرچہ بتوں کے لئے نماز پڑھتی اور قربانی کرتی تھی اور دوسرے مراسم انجام دیتی تھی، لہذا معلوم ہوا کہ روزہ صرف خدا کے لئے ہے اور کوئی بھی مشرک و بت پرست بت سے قربت کے لئے روزہ نہیں رکھتا، کیونکہ روزہ ایک خالص والہی فرمان ہے۔ تمام عبادتوں میں تو شرک ہو سکتا ہے اور وہ غیر خدا کے لئے انجام پاتی ہیں لیکن خدا نے روزہ کو اپنی طرف نسبت دی اور خود ہی اس کی جزا دینے کا ذمہ لیا ہے (۲۳)



تقوٰ اور لقاءِ الہی کے درجات:

روزہ اس لئے ہے کہ انسان با تقوٰ ہو جائے ﴿لَعْلَكُمْ تَتَّقَوْنَ﴾ (۲۳) اور با تقوٰ انسان کو دو درجے ملتے ہیں۔ ایک تو وہی جنت جن میں بے شمار نعمتوں ہیں ﴿أَنَّ الْمُمْقِنِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ﴾ (۲۵) یہ درجہ ظاہری لذتوں کے لئے ہے اور ایک درجہ عند اللہ ہے ﴿فِي مَقْعِدٍ صَدِيقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُقْبِدِرٍ﴾ (۲۶) اس مرحلہ میں کھانے پینے کی نعمتوں، نہر اور باغات کا تذکرہ نہیں کیونکہ ان کا تعلق جسم سے ہے لیکن لقاءِ حق انسان کی روح کے لئے ہے۔ یہ روزہ کا سر اور باطن ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”لِلصَّائِمِ فَرَحْتَانٌ ، فَرَحْةٌ عِنْدَ افطَارِهِ وَ فَرَحْةٌ عِنْدَ لِقَاءِ اللَّهِ“ (۲۷) روزہ دار کو دو وقت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ایک افطار کے وقت اور دوسراے اس وقت جب وہ اپنے خدا سے ملاقات کرے اور ایک دوسری جگہ فرمایا ”لِلصَّائِمِ فَرَحْتَانٌ حِينَ يَفْطُرُ وَ حِينَ يَلْقَى رَبَّهِ عَزَّوَ جَلَّ“ (۲۸)

روزہ دار اپنی بعض دعاؤں میں خداوند عالم سے جمالِ تام کی درخواست کرتا ہے ”اللَّهُمَّ أَنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ جَمَالِكَ بِأَجْمَلِهِ وَ كُلُّ جَمَالِكَ جَمِيلٌ“ (۲۹)

نظامی گنجوی عشقِ مجازی و عشقِ حقیقی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ آخر کار جب لیلی یا رہ ہوتی ہے تو اپنی ماں سے وصیت کرتی ہے کہ مادر گرامی میرا پیغامِ مجنوں کو پہنچاویا کہ اگر کسی سے دل لگانا چاہتے ہو تو ایسے وجود سے دل نہ لگانا جو ایک بخار کی تاب بھی نہ لاسکے۔

افسوں ہے کہ انسان اپنے آپ سے، خدا کے علاوہ دوسروں سے اور ہر اس چیز سے دل لگاتا ہے جو تنیر ہوتی رہتی ہے، کیونکہ اللہ کے علاوہ ہر چیز تغیر اور زوال کا شکار ہے اور انسان کی جزا نہیں ہو سکتی۔ روزہ دار کی جزا حق سے ملاقات ہے۔

ہم سے کہا گیا ہے کہ ماہ رمضان کی سحر میں خدا سے جمالِ مطلق کا تقاضا کرو، صرف سننے پر اکتفانہ کرو کیونکہ سننا، چاہنے سے جدا ہے۔ انسان کے لئے کتنا بلند درجہِ ممکن تھا جو ہم سے کہا گیا کہ کہو: ”اللَّهُمَّ أَنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ نُورٍ كَبَانُورٍ وَ كُلُّ نُورٍ كَنَيْرٍ“ (۳۰) یہ دعا میں ہیں جو ماہ مبارک میں ہمیں تعلیم دی گئی ہیں اس

لئے کہ روزہ دار انسان خدا سے ایسے تقاضے کرنے کے لائق ہے اور یہی وہ دہن ہے جو کہہ سکتا ہے ”اللَّهُمَّ أَنِي
اسْلَكْ مِنْ جَلَلِكَ بِأَجْلِهِ وَ كُلُّ جَلَلِكَ جَلِيلٌ“ (۳۱)

یہاں حور و غماں اور جنت کے میوں اور نہروں کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہاں معنوی کمالات کی بات ہے
اور یہ انسان کا واقعی مرتبہ و مقام ہے۔ اگر یہ درجے ہمارے لئے نہ ہوتے ہمیں یہ دعا میں پڑھنے کا حکم نہ ہوتا، پس
ان درجوں تک پہنچا ممکن ہے، کیونکہ مسٹحی روزہ رکھ کر اپنی افظار مسکین و بیتیم و اسیر کو دی جا سکتی ہے۔

اسلامی فقہ کا ایک حصہ احکام ”وقف“ سے متعلق ہے۔ فقہا کہتے ہیں انسان اپنی ملک، باغ یا دکان کسی
کافر کی گزر بسر کے لئے وقف کر سکتا ہے! اور یہ خدا ایک عبادت ہے مگر یہ کہ وہ کافر حربی نہ ہو اور اس کا خون مبارح نہ
ہو۔ پیغمبر اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا: ((لَكُلَّ كَبْدٍ حَرَّاجٌ)) (فقہی
کتابوں میں اس حدیث کے اطلاق سے تمسک کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر انسان کسی بھوکے جانور کو بھی سیر یا
کسی درندہ کی پیاس بھی بجھائے تو اس کی جزا جنت ہے۔

اگر انسان مسٹحی روزہ رکھے اور اپنی بچی سے پس ہوئے آٹے کی روٹی بنائے اور اپنی اس افظار کو بیتیم و
اسیر کے حوالہ کر دے اور یہ کہہ کر: ﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوِجْهِ اللَّهِ﴾ (۳۲) کیونکہ ﴿فَإِنَّمَا تُولَوَ فَضْمَ وَجْهَ
اللَّهِ﴾ (۳۲) تو ممکن ہے۔ اگر خاندان عصمت کی خادمہ یعنی فضہ بیتیم و اسیر کو روٹیاں دینے میں شامل ہے تو اس
بلند درجہ تک پہنچا ہمارے لئے بھی ممکن ہے، اور اگر ہم نے اپنے آپ کو ستا بیچا تو گویا نقصان انھیا ہے۔

انسان کی قیمت:

شیخ کلینی مرحوم نے امام کاظم علیہ السلام سے ایک لطیف حدیث نقل کی ہے اور محقق داماد نے اس کی
شرح میں بڑی خوبصورت بات کی ہے، حدیث یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا: ((إِنَّ ابْدَانَكُمْ لِيسَ لَهَا ثَمَنُ الْأَلْجَنَةَ فَلَا تَبَيَّنُوا هَا بَغَيْرِهَا)) (۳۵) یعنی تمہارے بدن جنت کے برابر قیمت رکھتے ہیں لہذا انھیں جنت کے
علاوہ کسی اور چیز کے عوض نہ پہنچو رونہ نقصان انھاؤ گے۔

مرحوم محقق داماد کہتے ہیں: یہ روایت اس طرف متوجہ کرتی ہے کہ تمہاری روح جنت سے بھی بالاتر ہے۔ روح کو ”
جنت اللقاء“ کے حوالے کرو۔ تمہاری روح کو ”عند ملیک مقتدر“ تک پہنچا چاہئے، اور عنداللہی ہونے کی



بہترین راہ روزہ رکھنا ہے۔ (۳۶)

روزہ کا باطن لقاء اللہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور ایک انسان کے لئے لقاء اللہ سے بالاتر کوئی بلندی تصور نہیں کی جاسکتی، کیونکہ انسان ایک ابدی وجود ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا بلکہ آخر کار ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہوتا رہتا ہے، اگر روزہ کا باطن اسے نصیب ہو تو وہ ہمیشہ حق کے سامنے حاضر ہے۔ بغیر اس کے کہ یہ دائیٰ حضور اسے رنج پہنچائے کیونکہ جنت کی یکسانیت رنج و ملال نبی لاتی۔ اصولاً جنت میں رنج ہی نہیں چاہے ظاہری جنت ہو ﴿جَنَّاثٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ یا معنوی و باطنی جنت۔ انسان بغیر اس کے کہ رنج مٹھکن اور بھوک پیاس برداشت کرے سیری کی لذت محسوس کرتا رہتا ہے۔ جنت، دنیا کے مانند نہیں ہے۔

مشکلات کے حل میں روزہ کا کردار:

چونکہ زندگی میں دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں لہذا حکم دیا گیا ہے کہ شکتوں اور مشکلوں میں روزہ رکھو، یعنی اگر ہم نماز میں چند مرتبہ خداۓ تعالیٰ سے مدد کی درخواست یا استعانت کرتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿ایاک نَعْبُدُ وَ ایَاكَ نَسْتَعِين﴾ تو مدد پہنچانے کی راہ بھی خدا بیان فرماتا ہے۔ لیکن ایسے نہیں ہے کہ آپ کہتے، خدا یا میری مدد کراور وہ یوں ہی مدد کر دے۔ اگر بات ﴿ایاک نَسْتَعِين﴾ کی ہے تو اس کی راہ قرآن نے یوں بتائی ہے ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلَاةِ﴾ (۳۷) اور اس صبر کی تفسیر روزہ سے کی گئی ہے۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ ﴿إِذَا نَزَّلْتَ بِالرَّجْلِ النَّازِلِ لَهُ الشَّدِيدَةُ فَلِيَصُمُّ﴾ (۳۸) جب بھی کسی کو کوئی مشکل پیش آئے تو اسے رفع کرنے کے لئے روزہ رکھو۔ نہ فقط جنگ بلکہ اگر دوسری مشکلیں بھی انسان کو پیش آئیں تو انھیں دور کرنے کے لئے روزہ رکھنا چاہئے۔

یہ روزہ کیا کرتا ہے کہ انسان کی مشکل حل ہو جاتی ہے؟ یہ روزہ انسان کو کہاں پہنچاتا ہے کہ اس کی مشکل دور ہو جاتی ہے؟ جبکہ یہ ظاہری امساک و روزہ ہے، روزہ کی حکمتیں یہ بھی ہیں کہ وہ روح کو بلند کرتا ہے اور روح بلند عالم طبیعت پر فتح و کامیاب ہو جاتی ہیں۔

اگر کسی نے خدا کے لئے روزہ رکھا تو چونکہ سارے کام اس کے ہاتھ میں ہیں لہذا وہ مشکل کو حل کر دیتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:



﴿وَ امَّا مَنْ أَعْطَى وَ أَنْتَقَى وَ صَدَقَ بِالْحُسْنَى، فَسَيِّسِرُهُ لِيُسْرَى﴾ (۳۹)

”جو لوگ راہ راست پر ہیں ہم ان کے کاموں کو آسان کر دیتے ہیں، پھر نمونہ کے طور پر انبیاءؐ کی مثالوں کو ہمارے لئے بیان فرماتا ہے“

جب موسیٰ کلیم اللہ نے خداوند عالم سے درخواست کی ﴿وَ يَسِّرْ لِي امْرِي﴾ (۴۰) تو جواب میں ارشاد ہوا ﴿قَالَ قَدْ أَوْتَيْتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَى﴾ (۴۱) تم نے فرعون جیسے طاغوت کا تختہ پلنے کے لئے ہم سے مشکلوں کے آسان ہونے کی درخواست کی تو ہم نے بھی تمہیں دے دیا۔ جو کچھ تم نے ہم سے چاہا تھا ہم نے عطا کر دیا۔ کشادہ قلبی، زبان کی روانی، رسالت میں شرکت اور بھائی کی وزارت، اور تم نے یہ بھی تقاضا کیا کہ اسے وحی خاص عطا کر ہم نے سب کچھ عطا کر دیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی فرمایا ہے:

﴿أَلَمْ نَشْرِحْ لَكَ صَدَرَكَ . وَأَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ . الَّذِي أَنْقَضَ

ظَهَرَكَ . وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (۴۲)

”کیا ہم نے تمہیں کشادہ قلبی عطا نہیں کی اور وہ بارگراں جو تمہاری پشت پر سنگین تھا

ہم نے اسے اٹھانہیں لیا اور تمہارے نام کو بلند نہیں کیا؟“

محضہ یہ کہ یہ اپنی قرآن نے ہمارے سامنے رکھی ہیں کیونکہ روزہ کا باطن اس قدر قوی اور طاقتور ہے کہ انسان کو خدا کے اذن سے عالم طبیعت پر کامیاب کر دیتا ہے۔

فرشته اور روزہ داروں کے لئے دعا:

فرشته موکل ہیں کہ روزہ داروں کے لئے دعا کریں:

”قال رسول الله صلی الله علیہ وآلہ وسلم ان الله تبارک تعالیٰ کل

ملائكة بالدعا للصائمين و قال اخبرنى جبرئيل عليه السلام عن ربه

تعالى ذكره انه قال : ما امرث ملائكتى بالدعا لاحدين من خلقى الا

اسْتِجْبَتْ لَهُمْ فِيهِ“ (۴۳)



خداوند عالم نے کچھ فرشتوں کو مامور کیا ہے کہ وہ روزہ داروں کے لئے دعا کریں۔
 جریل نے مجھے خبر دی ہے کہ پورا گار عالم فرماتا ہے: میں نے فرشتوں کو ہرگز دعا کے
 لئے حکم نہیں دیا مگر یہ کہ ان کی دعا قبول کی ہے۔ انسان کے لئے فرشتوں کی دعا اس کی
 خیر و خوبی کے لئے ہے۔

توفرشتہ شوی ارجمند کنی از پی آنک

برگ توت است بد مرتع کندش اطلس (۲۳)

شعر کا اردو ترجمہ:

توفرشتہ بن چمکے گا اگر محنت کرے
 توت کا پتا بھی بن جاتا ہے ریشم ایک دن

حکم

اس دنیا میں اگر توت کے پتے کو ریشم میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور ریشم کا کیڑا شہتوں کے پتے سے
 ریشم بناتا ہے تو انسان کو بھی فرشتہ کیا جا سکتا ہے۔ ترقی اس قدر میسر ہے کہ ریشم کا کیڑا اشہتوں کے پتے سے ریشم
 بنادیتا ہے!

قرآن کریم فرماتا ہے کہ جنت میں ایسے فرش ہیں جن کا استر ریشم کا ہے اب خدا جانتا ہے کہ خود وہ فرش
 کس چیز کا ہوگا جو کنکہ فرش کا استرز میں کی طرف ہوتا ہے اور اس کا اوپری حصہ وہ ہے جس پر انسان بیٹھتا ہے۔ جنت
 کے فرش میں استر بھی ہے اور بالائی حصہ بھی: ﴿مَتَّكِينَ عَلَىٰ فُرْشٍ بَطَاطِنُهَا مِنْ أَسْتَرَقٍ﴾ (۲۵) اس کا استر
 استبرق، حریر اور قیمتی ریشم ہے لیکن اس فرش کا بالائی حصہ کس چیز کا ہے وہیں جا کر دیکھنا ہوگا۔

وہ فرش جس کا باطن ریشم ہے، وہ ریشم جیسے ریشم کے کپڑے نے نہیں بناتے بلکہ نماز اور روزہ نے اسے
 بنایا ہے ریشم کا کپڑا جس ریشم کو بنتا ہے دوسرا کپڑا اسے نقصان پہنچا دیتا ہے لیکن جس فرش کو نماز و روزہ بنے وہ خراب
 نہیں ہوتا۔ البتہ یہ فرش جنتی جسمانی لذتوں میں سے ہے لیکن وہ جنت "لقاء اللہ" جس کا کوئی حساب نہیں لگایا جا
 سکتا روزہ کا باطن ہے کہ فرمایا "الصَّوْمُ لَىٰ وَ اَنَا اَجْزَىٰ بِهِ" (۲۶) اور جو کچھ کفر شتے روزہ دار کے لئے دعا

کرتے ہیں وہ روزہ کا باطن ہے۔

قرآن کریم فرشتوں کے سلسلہ میں فرماتا ہے ﴿وَمَا مَنَّا إِلَّا وَلِهِ مَقْامٌ مَعْلُومٌ﴾ (۲۷) ہر فرشتہ کا اگ درجہ ہے۔ وہ فرشتہ جو مغلص روزہ دار بندوں کے لئے دعا کرنے پر مأمور ہے، اس فرشتہ سے الگ ہے جو روزہ نہ رکھنے والوں پر بدعا کے لئے مأمور ہے۔ فرشتوں کے درجات اور ان کی دعا نئیں بھی فرق کرتی ہیں۔

ہم کس حد تک روزہ کے باطن پر توجہ کرتے ہیں کہ صرف ہمارا ظاہر روزہ رکھے اور ہم کچھ نہ کھائیں پہیں بلکہ ہمارا باطن بھی روزہ دار ہو۔ ہمارے دل میں کوئی ایسا خیال نہ آئے جسے خدا پسند نہ کرتا ہو۔ اپنے دل میں کسی کی برائی نہ چاہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی خیال دل میں آئے تو خدا اس سے آگاہ نہ ہوگا یا انسان کا دل تاریک نہ ہو گا۔

عوام کا روزہ، خواص اور اخصل کا روزہ ہا ہم فرق رکھتے ہیں۔ اگر ہم نے روزہ رکھا اور اس فکر میں رہے کہ خدا نخواستہ کسی کو تکلیف پہنچائیں گے یا کسی مرتبہ و منصب تک پہنچ جائیں گے، یا اگر کسی منصب کے ذمہ دار ہوئے تو کوئی فرشتوں پڑتا ایسی صورت میں ہمارا باطن روزہ دار نہیں ہے، اور چونکہ باطن روزہ دار نہیں ہے لہذا ہم روزہ کے باطن تک نہیں پہنچے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یہاں نے مجھے خبر دی کہ خدا و نعمت عالم فرماتا ہے: میں نے فرشتوں کوئی کے لئے دعا کرنے پر موکل نہیں کیا مگر یہ کہ اس کی دعا قبول کی ہے۔ اسی لئے اس نے فرشتوں کو موکل کیا کہ روزہ داروں کے لئے دعا کریں۔

روزہ دار کے دہن کی خوبیوں:

امام صادق علیہ السلام سے نقل ہے کہ فرمایا:

”أَوْحَى اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ : مَا يَمْنَعُكَ مِنْ

مُنَاجَاتِي؟ قَالَ يَارَبِّ اجْلُكَ عَنِ الْمُنَاجَاتِ لِخَلْوَفِ فَمِ الصَّائِمِ فَأَوْحَى

اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ يَا مُوسَىٰ لِخَلْوَفِ فَمِ الصَّائِمِ أَطِيبُ عِنْدِي مِنْ رِيحِ

الْمِسْكِ“ (۲۸)



خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ مجھ سے مناجات کیوں نہیں کرتے؟

عرض کیا خدا یا میں روزہ ہوں اور روزہ کی حالت میں دہن کی مہک اچھی نہیں ہے۔

خداوند عالم نے فرمایا: اے موسیٰ روزہ دار کے دہن کی بومیرے نزدیک مشک سے بھی

زیادہ خوبصوردار ہے۔

کیا انسان اس دنیا میں معطر ہونا نہیں چاہتا لیکن وہاں تو آہ ہوا ورنامہ مشک نہیں ہے کہ انسان عطر مہیا کرے۔ وہاں روزہ ہے جو انسان کو معطر کرے گا۔ روزہ کا باطن عطر کی صورت میں ظاہر ہو گا، وہ بھی جسمانی سطح پر۔ اس سے بالاتر تو خدا ہی جانتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے نقل ہے: اگر کوئی گری کے دنوں میں روزہ رکھے اور پیاسا ہو تو خداوند عالم ہزار فرشتوں کو اس پر مولک کرتا ہے جو اس کے چہرہ کو مسح کرتے رہیں اور افطار کے وقت تک اسے بشارت دیں اور افطار کے وقت خدائے عروج فرماتا ہے: ”ما أطیبْ ریحکَ و روحکَ! یا مَلائِکتی اشہدو انی غَفرُثْ لَه“ (۲۹) تمہارا بدن اور تمہاری روح کتنی معطر ہے۔ میرے فرشتوں گواہ رہنا کہ میں نے اسے بخش دیا۔ روزہ کا باطن انسان کو وہاں تک پہنچاتا ہے کہ خدا خود اس سے خطاب کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ اب تک ”یا اللہ“ کہہ رہا تھا تو اب خداوند عالم فرمائے گا ”یا عبدی“ اے میرے بنڈے۔ اگر خداوند عالم کسی چیز کی عظمت بیان کرتا ہے تو پھر اسے مشک سے تثنیہ نہیں دی جا سکتی ”فَإِنَّ الْمُسْكَ بَعْضَ دَمِ الْغَزَالِ“ مشک تو ہر نکا جما ہوا کچھ خون ہے۔ اور وہ عطر جس کی تعریف خداوند عالم فرماتا اس کا مقابلہ کسی بھی چیز سے نہیں کیا جاسکتا۔

۱) بخار، ج ۲۳، ص ۳۳۰

۲) کافی، ج ۸، ص ۹۰

۳) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۱۰

۴) اکنی والالقب، ج ۳، ص ۱۳۸

۵) سورہ بقرہ، ۱۸۳۔ یعنی: اے ایمان و الوروزہ تم پر واجب کیا گیا ہے۔



۲) مجع البیان، ج ۲، ص ۲۹۰

۷) الامالی والجاس صدوق، ج ۲۰، مجلس ۸۵، عيون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۹۵

۸) بخار، ج ۷، ص ۲۳۹

۹) پیغمبر اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میں ہر شب وروز ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں“ (بخار، ج ۷، ص

(۲۲)

۱۰) فتح البلاغ، نامہ ۵۳

۱۱) فتح البلاغ، حکمت ۲۵۶

۱۲) سورہ طور، ص ۲۱

۱۳) سورہ مدثر، ص ۳۸-۳۹

۱۴) روضۃ المتقین، ج ۳، ص ۲۲۵۔ بعض لوگوں نے لفظ ”اجزی“ کو مجھوں پڑھا ہے یعنی ”الصومُ لِی وَ انَا أُجزِی بِهِ“ یعنی روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا ہوں۔ دیکھئے: نہایۃ ابن اثیر، ج ۱، ص ۲۷۰۔ ”جزا“

۱۵) سورہ یونس، ص ۳۱

۱۶) فتح البلاغ، خطبہ ۱۹۹

۱۷) آل عمران، ص ۱۸۹

۱۸) فتح، ص ۲

۱۹) فتح/نجد، ص ۲۹-۳۰

۲۰) روضۃ المتقین، ج ۳، ص ۲۲۵

۲۱) سورہ بقرہ، ص ۲۵۵

۲۲) سورہ زمر، ص ۲۷، روایت بزرخ کے سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں: تفسیر نور اشراقین، ج ۲، ص ۵۰۶-۵۰۷۔ بخار، ج

۲۱، ص ۱۳۹۔ علم الیقین، ج ۲، ص ۱۰۲۰



- (٢٣) نہایت، ابن اثیر، ج ١، ص ٢٧٠ ((جز))
- (٢٤) سورہ بقرہ ١٨٣/٥
- (٢٥) سورہ قمر ٥٣/٦
- (٢٦) سورہ قمر ٥٥/٥
- (٢٧) وسائل، ج ١٠، ص ٣٠٣
- (٢٨) روضۃ المتقین، ج ٣، ص ٢٢٢۔ وسائل، ج ١٠، ص ٣٠٠
- (٢٩) مفاتیح الجنان، دعائے سحر
- (٣٠) مفاتیح الجنان، دعائے سحر
- (٣١) مفاتیح الجنان، دعائے سحر
- (٣٢) بحار الانوار، ج ١٧، ص ٣٧٠۔ مرحوم محقق کہتے ہیں ”یجوز الصدقة علی الّذی و ان کان اجنبیاً لقوله صلی اللہ علیہ وآلہ ، علیٰ کلّ کیدِ حراً اجر“ (شرائع الاسلام، کتاب الصدقہ)۔ یہ مسئلہ انسان دوستی کی بنا پر ہے نہ کہ ان کو تقویت پہنچانے کے لئے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خود مرحوم محقق کنیہ اور اہل کتاب کی عبادت گاہوں پر وقف کو جائز نہیں جانتے تھے۔ وضاحت کے لئے رجوع کریں: جواہر الكلام۔ ج ٢٨، ص ٣٠۔
- بحار، ج ١٧، ص ٣٧٠، ص ٣٧١
- (٣٣) سورہ دہر ٩/٦
- (٣٤) بقرہ ١١٥/٣
- (٣٥) کافی، ج ١، ص ١٩، ح ١٢
- (٣٦) تعلیقہ میر داماد بر اصول کافی، ص ٣٨/٢: ”جَعَلَهُ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) الْجَنَّةَ ثَمَنُ الْبَدْنِ إِشَارَةً إِلَى أَنَّ ثَمَنَ جَوْهَرُ النَّفْسِ الْمُجَرَّدَةِ هُوَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ فَكَانَهُ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) قَالَ: إِنَّ ابْدَانَكُمْ ثَمَنُهَا الْجَنَّةُ فَلَا تَبِعُوهَا وَإِنَّ نُفُوسَكُمُ الْمُجَرَّدَةُ وَأَرْواحَكُمُ الْقَدِيسَةُ فَإِنَّمَا ثَمَنُهَا هُوَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَالْفَنَاءُ الْمُطْلَقُ فِيهِ وَفِي مشاهدة نور وجهه الکریم فلا تبیعواها بغیرہ“

۳۷) بقرہ / ۲۵

۳۸) کافی، ج ۲/ ص ۱۳۰

۳۹) دایل / ۷-۵

۴۰) ط / ۲۶

۴۱) ط / ۳۶

۴۲) اشرح / ۷-۱

۴۳) روضۃ المتقین، ج ۳، ص / ۲۲۸

۴۴) دیوان سنائی

۴۵) رحمان ۵/ ۲۷، اہل جنت ایسے بستروں پر جن کا استر رشیم ہے بیٹھے ہوں گے۔

۴۶) روضۃ المتقین، ج ۳، ص / ۲۲۵

۴۷) صفات / ۱۶۳

۴۸) روضۃ الاعظین، ج ۳، ص / ۲۲۹

۴۹) روضۃ الاعظین، ج ۳، ص / ۲۲۹

جاری ہے.....



ظہور حضرت مہدی ہمارے اختیار میں ہے

ڈاکٹر سید محمد انصوی

ترجمہ: سید محمد جواد عکبری

خلاصہ:

دنیا کا مستقبل اور اس کا انجام ایک ایسا سوال ہے جس نے بشریت کے ذہن کو مشغول کر رکھا ہے۔ یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آئیگا اور بشریت کا اس واقعہ میں کیا کردار ہو گا؟ جبرا اور اختیار کی جانب رجحان، دو اہم مسئلے ہیں جو بشریت کے کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ قرآن اور اسلامی روایات اور شیعہ مکتب فکر کے روشنی میں انسان مختار اور اپنے اعمال کا جواب گو ہے۔ اس لئے انسان کو اپنے اعمال اور سماج میں ہونے والے واقعات کی جانب سے جواب دہونا چاہئے۔ انسان کی زندگی اور سماج میں کوئی بھی بدلاو انسانی مرضی کے بنا پر احتیاط کرنے والے واقعات کی جانب سے ایک ایسا واقعہ ہے جو پیش آئے گا اور وہ بھی اس قائدہ سے مشتمل نہیں ہے۔ جب تک بشریت اس بدلاو کے لئے خود کو تیار نہیں کرتی ہے اور فدا کار لوگ اس واقعہ کے لئے زمین ہموار نہیں کرتے، اس وقت تک کوئی بدلاو نہیں آ سکتا ہے۔

اہم الفاظ: آخر ازماں، ظہور کا اختیاری ہونا، مجی، انسان کی کوشش، غیبت

مقدمہ:

دنیا کا مستقبل اور اس کا انجام ایک ایسا سوال ہے جس نے بشریت کو مشغول کر رکھا ہے۔ مختلف مکاتب

فکر کے نظریہ پر داڑوں اور دانشوروں نے مختلف انداز میں اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ دنیا کا مستقبل روشن، صلح و سکون اور سماجی عدالت سے بھر پور دیکھتے ہیں جسے وہ مدینہ فاضلہ، آرزوؤں کا شہر شہر سالم اور شلیم، اتوپیا و... کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اس عمل کی تکمیل کی راہ میں متعدد نظریہ رکھتے ہیں، کچھ لوگوں کے مطابق یہ واقعہ انسانی اختیار سے باہر ہے اور تاریخی جر کے تحت یہ واقعہ پیش آیا اور کچھ لوگوں کے بقول یہ ایک اختیاری عمل ہے اور اس کا لازم تہذیب کے درمیان جنگ ہے۔

دنیا کے بڑے مذاہب جیسے یہود، میسیحیت اور اسلام بھی بشریت کا مستقبل، روشن اور اس کا تحقیق منجی کے طہور کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان ادیان کے درمیان آخر الزمان کے نظریہ کے بارے میں کچھ مشترکات دیکھے جاسکتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ عمل اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حضرت مہدی (ع) کے ذریعہ انجام پائے گا۔ مہدویت کا عقیدہ اگرچہ تمام مسلمانوں کے درمیان پایا جاتا ہے مگر شیعہ فرقہ میں اس امر پر زیادہ توجہ دی گئی ہے، اس اعتبار سے انتظار طہور حضرت مہدی، شیعہ عقیدہ کی اساس اور اس کی پیچان کے طور پر جانا جاتا ہے۔ مہدویت کے اہم مسائل میں سے ایک طہور منجی میں انسان کا کردار ہے۔ اس سلسلہ میں دونظریے پیش کئے جاتے ہیں:

۱) طہور کا جبری ہونا: منجی کا طہور ایک مشخص وقت اور انسانی مداخلت کے بغیر واقع پذیر ہوگا اور اس عمل میں انسان کا کوئی روپ نہیں ہوگا۔ اس نظریہ کے رو سے، منجی کے طہور کا انتظار کرنے والے صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس دن کا انتظار کریں تاکہ یہ واقعہ پیش آئے۔

۲) طہور کا اختیاری ہونا: انسان، طہور منجی میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اس نظریہ کے تحت جتنی کوشش کی جائے طہور منجی اور نزدیک تر ہوگا۔ یہ مضمون اس نظریہ کو قرآن، احادیث اور کلامی گفتگو کے ذریعہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس موضوع کے ذیل میں پیش کئے گئے وسائلہ دو، کلامی بنیادوں اور قرآن و حدیث سے مانوذ ہیں اور ان میں سے ہر ایک نظریہ سے، انسانوں سے مختلف طرح کے اعمال سرزد ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں دو بالکل متضاد نتیجے سامنے آتے ہیں۔ طہور کے اختیاری ہونے کے صورت میں اہم متعدد آثار سامنے آتے ہیں جن میں بشریت کی دیرینہ خواہش، صلح اور امن، سماج میں عدالت، بھائی چارگی اور سکون کی زندگی ہے۔ طہور منجی میں عملی را ہیں تلاش کرنے کی ضرورت ہے جو تحقیق کی ضرورت کا شکار کرتی ہے۔

کوئی مستقل کتاب اس ضمن میں نہیں لکھئی ہے صرف دو معمولی مضمون ہیں اور کسی نے اس طرف دھیان نہیں دیا ہے۔



اس موضوع سے متعلق تحقیق کے ضمن میں کچھ موارد تحلیلی اور کچھ تو صافی ہیں۔
تحقیق طبیورنگی میں انسانی اثرات کے بارے میں ہے۔ اسلئے کچھ مطالب پیش فرض کے طور پر ذکر کئے جاتے ہیں:

۱) جہاں اور اس میں موجود تمام مخلوق، کا ایک خالق ہے جو "اللہ" ہے۔ قرآن میں بہت ساری آیتوں نے اس طرف اشارہ کیا ہے:

"الله خالق کل شیء و هو علی کل شیء و کیل" ۵

"خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا ناگہبان ہے۔"

۲) خلقت کا ایک مقصد ہے اور نظامِ حستی کی خلقت خصوصاً انسان کی خلقت اسلام کے نظر سے ایک خاص مقصد کے تحت ہوئی ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم میں متعدد آیتیں پیش کی گئی ہیں:

"وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِاطْلَالًا ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوْلَى لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ" ۶

"اور ہم نے آسمان و زمین اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں بیکار نہیں پیدا کیں، یہ ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہوئیں تھے تو جو لوگ دوزخ کے منکر ہیں ان پر افسوس ہے۔"

۳) انسان کے مقصد خلقت کے بارے میں قرآن اور احادیث نے مقدماتی، درمیانی اور نہائی مقاصد بیان کئے ہیں اور نہائی و آخری مقصد قرب الہی یا دوسرے الفاظ میں، عبادت اور خدا کے سامنے سرتلیم ختم کر دیا ہے۔ جیسا کہ بہت سی آیتوں میں ذکر ہوا ہے۔ مثال کے طور پر:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ" ۷

"میں نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔"

۴) باوجود یکہ عقل و فہم انسان کو پیچانے کے ذرائع ہیں، لیکن یہ انسانی خلقت کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے ناکافی ہیں۔

۵) انسان کی خلقت کا ایک ہدف ہے اور اس ہدف تک رسائی میں انسانی عقل و فہم کی ناتوانی سبب بی کہ خداوند باری تعالیٰ کسی دوسرے ذریعہ یعنی وجی سے انسانوں کی ہدایت کرے۔ اس کام کے لئے انسانوں میں سے کچھ ہی چندہ افراد کا انتخاب کیا گیا تاکہ خدا کی جانب سے کتاب الہی کے ذریعہ بشریت کی ہدایت کر سکیں۔ اسلامی مکتب فکر کی رو سے آخری کتاب قرآن اور آخری پیغمبر حضرت محمد ہیں۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اس بات کی

طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:

”أَتَا أُوحِيَنَا إِلَيْكَ كَمَا أُوحِيَنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهِ وَأُوحِيَنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَعِيسَى وَأَيُوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسَلِيمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا وَرَسْلًا قَدْصَصَنَا هُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلِ وَرَسْلًا لَمْ نَقْصِصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَمُ اللَّهِ مُوسَى تَكْلِيمًا رَسْلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لَنَا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حِجَةٌ بَعْدَ الرَّسُولِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا“^و

”اے رسول ہم نے تمہارے پاس بھی تو اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد والے پیغمبروں پر بھیجی تھی اور جس طرح ابراہیم و سملیل و اسحاق و یعقوب و اولاد یعقوب و عیسیٰ ایوب و یونس و ہارون و سلیمان کے پاس وحی بھیجی تھی۔ اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ اور تم کو بھی ویسا ہی رسول مقرر کیا جس طرح اور بہت سے رسول جنم کا حال ہم نے پہلے بیان کر دیا اور بہت سے رسول جنم کا حال تم سے بیان نہیں کیا اور خدا نے تو موئی سے باتیں بھی کیں۔ اور ہم نے پیغمبر دینے والے اور ڈر انیوں والے پیغمبر بھیجتا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی خدا پر کوئی جنت باقی نہ رہ جائے۔ اور خدا تو بڑا از بر دست حکیم ہے۔“

۶) رسول خدا صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین کی ضرورت پر شیعہ و اہل سنت دونوں متفق ہے۔ اگرچہ کیفیت انتخاب و شرایط امام پر اختلاف پایا جاتا ہے، پھر بھی دونوں گروہ امامت کی ایک ہی تعریف پیش کرتے ہیں جو لوگوں کی دینی اور دینیوی امور کا احاطہ کرتی ہے۔

۷) شیعہ اور سنی حضرات میں اس بات پر اتفاق ہے کہ مجھی رسول خدا کی نسل اور حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد میں سے ہوگا۔ اس فرق کے ساتھ کہ شیعہ عقیدہ کے تحت مجھی رسول خدا صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہویں خلیفہ کی شکل میں ظہور کریگا، دنیا کی امامت کریگا، بشریت کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کریگا اور ظلم و فساد کے خلاف قیام کریگا تا کہ سماج میں عدالت قائم ہو سکے اور دنیا پر قوانین اسلام کی حاکیت ہو۔

اس نبیاد پر شیعہ عقیدہ کے مطابق مجھی آخر الزمان منفرد خصوصیات کا حامل ہوگا، اور ان کے انقلاب کی مشروعیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ وہ رسول خدا کے جانشین اور خلیفہ ہیں۔

ظہور کے اختیاری ہونے کی قرآنی نبیادیں:

قرآن میں متعدد آیات موجود ہیں جو اس امر کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ اس طرح کی آیتوں کا مختلف



طور سے جائزہ لیا جاسکتا ہے:

۱) وہ آپیں جو امر کی جانب اشارہ کرتی ہیں کہ انسان اپنی تقدیر خودا پر کوشش سے بدل سکتا ہے۔

مثال کے طور پر:

”اَنَّ اللَّهَ لَا يَغِيْرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يَغِيْرُوا بِأَنفُسِهِمْ“ ۲۱

”جب تک وہ خودا پنے آپ میں تبدیلی نہ لائیں تب تک خدا ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرے گا۔“

اس آیت کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے: سماج میں کسی بھی قسم کی کوشش خواہ وہ کہیں پر ہو، تمام لوگوں کے مستقبل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ دوسری جانب دینی نقطہ نظر مخصوصاً اسلام کی نگاہ سے، ہر مسلمان نہ صرف یہ کہ اپنے اعمال کے لئے جواب ہے بلکہ سماج میں ہونے والے تمام اعمال کا ذمہ دار ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے دنیا میں موجود ہوئیں انسان کو امانت کے طور پر دی گئی ہیں تاکہ وہ ان کے استعمال میں اسراف سے پرہیز کرے اور اس کو بہتر طریقہ سے سنبھال کر رکھے۔ امام علیؑ اس بارے میں فرماتے ہیں:

تقوایے الہی کا لحاظ خدا کے بندوں اور اس کے بنائے ہوئے شہروں کے بارے میں کرو، کیونکہ بلا کسی شک کے سب ذمہ دار ہیں، حتی زمین اور حیوانوں کے سلسلہ میں۔ خدا کی اطاعت کرو اور اسکی نافرمانی نہ کرو اور اگر کوئی خیر ہو تو اس کو اپنا لو اور اگر کوئی برائی ہو تو اس سے دوری اختیار کرو۔ ۲۲

یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان تمام اعمال کے لئے ذمہ دار ہو لیکن ان سے غافل بھی ہو۔ اس کے مطابق، امر بالمعروف اور نبی عن الممنکر سب پروا جب ہے۔ اور امر بالمعروف اور نبی عن الممنکر دوسروں کے اعمال میں مداخلت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دوسروں کے اعمال و کردار لوگوں کے زندگی میں اثر انداز ہوتے ہیں اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے امام علیؑ نے امر بالمعروف و نبی عن الممنکر کی اہمیت کو سماج کی فلاج کو دھیان میں رکھتے ہوئے اس عمل کو جہاد اور باقی تمام اعمال خیر سے بترجمانہ ہے اور فرمایا ہے:

تمام اعمال خیر اور خدا کی راہ میں جہاد، امر بالمعروف اور نبی عن الممنکر کے مقابل میں سمندر میں قطرہ کے مانند ہے... ۲۳

امر بالمعروف اور نبی عن الممنکر کی دوسرے واجبات الہی کے مقابل میں اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے امام علیؑ فرماتے ہیں:

امر بالمعروف اور نبی عن الممنکر کو ترک نہ کرو کیونکہ ایسا نہ کرنے پر، اشرار تم پر غالب ہو جائیں گے۔ پھر تم ان کے لئے جتنی بدعا کرو گے، کہی مسنجاب نہیں ہوگی۔ ۲۴

اسلئے سماج کے لئے مسلمان کے دینی فرائیض کو دھیان میں رکھتے ہوئے، سماج میں رونما ہونے والا واقعات سے منہمیں موڑا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر سماج میں ہونے والا بدلاو انسان کے ہاتھ میں ہے اور جب تک وہ خود کوشش نہیں کریگا، تب تک کوئی نتیجہ سامنے نہیں آے گا۔

روایتوں میں ایک اچھی اور پرسکون انسانی زندگی کا ایک مصیبت زدہ اور مشکلوں سے بھری زندگی کی شکل میں بدلاو کا سبب انسانی عمل بتایا گیا ہے۔ امام باقرؑ آیت کے ذیل میں بیان فرماتے ہیں:

خداوند تعالیٰ کے حتمی مقدرات میں سے یہ ہے کہ جب کبھی کسی بندہ کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو اسے واپس نہیں لیتا، مگر یہ کہ وہ کسی گناہ کا مرتكب ہو جائے جس کے سبب اس سے وہ نعمت سلب ہو جائے۔ ۲۶۔

بنابرین انسانی زندگی میں اسی وقت کوئی بدلاو آ سکتا ہے، ظلم اور ستم کے بادل جھٹ سکتے ہیں اور سماج میں عدالت کا نفاذ ہو سکتا ہے، جب خود انسان کوشش کرے اور قیام کرے تاکہ یہ انقلاب کامیاب ہو سکے۔

(۲) بعض آیتوں کے مطابق انسان صرف اپنی کوششوں کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر:

”وَ أَنْ لَيْسِ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى وَ أَنْ سَعِيهِ سُوفَ يُوَرِّي“^۱

”انسان کو وہی حاصل ہوتا ہے جنکی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اسکی کوشش عقریب ہی دیکھی جائے گی۔“

انسانی عمل کا اجر اور عقاب ضروری نہیں ہے کہ صرف آخرت میں ہی ملے، بلکہ اسی دنیا میں اپنے اعمال کے نتائج کو دیکھے گا۔ مثال کے طور پر امام علیؑ صالحین کے سماج میں ہونے والے انحرافات اور فسادات کے رو برو خاموش رہنے کو رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد فاسد حکومتوں کے بر سر اقتدار آنے کا سبب بتاتے ہیں، کیونکہ صالحین کی جو شرعی ذمہ داری سماج میں ہے اور ان کو جو مقام حاصل ہے، وہ سماج میں ایک نمونہ عمل کے طور پر دیکھی جاتے ہیں، ان پر واجب ہے وہ اپنے قول اور فعل میں محتاط رہیں، کیونکہ ان سے سرزد ہونے والا ہر فعل، ان کی ذمہ داری کو اور بڑھاتا ہے۔ اسی بنا پر امام علیؑ اپنے ایک خطبہ میں رسول خداؐ کی بعثت کے بعد ان کے ذریعہ سماج میں ہونے والے بدلاو اور ان کی وفات کے بعد آہستہ آہستہ سماج میں ہونے والے انحرافات جس کی وجہ سے دینی حکومت کے بجائے قبلیہ جاتی اور موروثی حکومت وجود میں آئی آپ نے اس انحراف میں اصحاب رسول خدا کے کردار کا ذکر کیا ہے، اور انکی خاموشی کو فاسد حکومت کے بر سر اقتدار آنے کا سبب بتاتے ہوئے ان کی سرزنش کی ہے اور ان کو اپنے عمل کی سزا بھکلتے کے لئے تیار رہنے کو کہا ہے:

”احکام خداوندی کی قضاوت تھمارے پاس لاتے تھے اور تمہاری طرف سے حکم صادر ہوتا تھا اور تمہاری طرف واپس آتا تھا، لیکن تم نے ظالموں کو چھوٹ دی اور امور کی باغ ڈوران کے سپرد کی احکام الہی کی قضاوت ان



کے اختیار میں دیدی۔ وہ لوگ تو انین الہی کے مطابق عمل نہیں کرتے ہیں، بلکہ جو ان کی مرضی ہوتی ہے انجام دیتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر دشمن تم لوگوں کو مختلف جنتوں میں مفترق کر دے، تو خداوند متعال تم سب کو اسکے برے دن کے لئے دوبارہ اکھٹا کر دیگا۔۱۸

انسان سماج میں ہونے والے فساد کے لئے ذمہ دار ہے، کیونکہ یہ فساد سماج میں امر بالمعروف اور نبی عن امتنکر سے غفلت کے سبب رونما ہوئے ہیں۔ اسی بنا پر، موجودہ صورت حال کی اصلاح بھی خود انسانوں کے اختیار میں ہے۔

۳) بعض آیتوں کی رو سے انسان پر رونما ہونے والا ہر واقعہ، انسانی عمل کا نتیجہ ہے۔ مثال کے طور پر:

”وَ مَا أَصَابُكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسِبْتُ أَيْدِيكُمْ وَ يَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ“۔۱۹

”جتنی بھی مصیبتوں تم لوگ پر آتی ہیں تمہارے برے اعمال کی وجہ سے ہیں جو تم نے انجام دی ہیں اور اللہ بہت ساری کو معاف کر دیتا ہے۔“

اس آیت کے مطابق دنیا میں پیش آنے والا ہر طرح کا فساد انسانی فعل کا رد عمل ہے اور اگر اس کی اصلاح کرنی ہے تو خود انسانوں کو کوشش کرنی ہوگی۔

اس آیت کیوضاحت میں کہا جاسکتا ہے کہ جس دنیا میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں، علت اور معلول کی دنیا ہے اور ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے۔

روایتوں کے مطابق بعض اعمال سے نعمتوں ضائع ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر امام زین العابدین فرماتے ہیں:

وَهُنَّا جُو سبب بُنْتَهُ ہیں کَنْعَتْ، قَمْتَ بَنْ جَائَ، وَهُنَّ یَہُنْ دُوسُرُوں پَرْ ظُلْمٌ، اَعْمَالُ خَيْرٍ سَعْتَنَابَ،
نَعْمَتُوْنَ کَنْ شَكْرَی۔۲۰

بنابرین سماج میں فساد اور ظلم، انسانی عمل کے نتیجہ میں وجود میں آتا ہے اور اگر سماج میں عدل اور انصاف لانا ہے تو سب ہی کو اپنے موجودہ عمل میں بدلاؤ لانا ہو گا تاکہ اس کے نتیجے کے طور پر پوری دنیا میں سماجی بدلاؤ آسکے۔

۴) بعض آیتوں کے مطابق زمین میں ہونے والے فساد انسانی عمل کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

”ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسِبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيَذِيقُهُمْ بَعْضُ الَّذِي عَمِلُوا
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ“۔۲۱

”خشکی اور دریا میں فساد انسان کے اعمال کی وجہ سے ظاہر ہوا ہے۔ خدا چاہتا ہے انکے بعض اعمال کے نتیجے اسی دنیا میں انھیں دکھائے، شاید کہ خدا کی طرف واپس آجائیں۔“

اس آئیہ کیمہ میں لفظ فساد کا استعمال اور اس کا الغوی معنا حد اعتدال سے خارج ہو جاتا ہے، خواہ وہ انسان کے سلسلہ میں ہو خواہ وہ اشیاء اور خواہ وہ حیوان ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سماج میں ہونے والا کوئی بھی فساد انسانی عمل کی وجہ سے رونما ہوتا ہے اور اگر اس کی اصلاح کرنا ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان خود اپنی اصلاح کرے اور یہ ایک اختیاری فعل ہے۔

امام صادقؑ اس آیت کیوضاحت اس طرح کرتے ہیں:

دری میں رہنے والے جانداروں کی زندگی بارش سے وابستہ ہے۔ اگر بارش نہیں آئے، زمین اور دریا میں فساد برپا ہو جائے گا اور یہ مسئلہ تبھی پیش آتا ہے جب گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں۔^{۲۳}

سب جانتے ہیں کہ انسان اختیاری طور پر گناہ کرتا ہے۔ اگر گناہ بدختی اور مخالفات کا سبب بتا ہے تو حالات کو بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ اور یہ ایک اختیاری امر ہے۔

تمام آیات کا مخاطب انسان ہے اور مومن و کافر کی تفریق کے نیا سماج میں انسانی فعل کا ایک اثر ہے، اگر سماج میں کوئی تبدیلی لانا ہے تو انسان کو بدلتا ہو گا۔

مذکورہ آیات کے علاوہ، اور بھی آیتیں موجود ہیں جن میں مومنوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس طرح کی آیت کو چند موربیں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

۱) وَهُوَ أَعْيُّنُ جِنٍ مِّنْ قِيمَتِكُلِّ بَشَرٍ يَتَكَبَّرُ كَمَا تَكَبَّرَتْ كَلِيلٌ مِّنْ كُلِّ الْأَنْوَافِ

”احسب النّاسَ أَنَّ يَتَرَكَّمُوا أَنْ يَقُولُوا إِمَّا وَهُمْ لَا يَفْتَنُونَ“^{۲۴}

”كیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ صرف اتنا کہدیں سے کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیئے جائیں گے اور انکا امتحان نہ لیا جائیگا۔“

اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے کہ انسانی خلقت کے لئے آزمائیش ایک ضروری امر ہے، آزمائیش کی مختلف شکلیں قرآن میں اس طرح ذکر ہوئی ہیں:

”وَ لِنَبْلُونَكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخُوفِ وَ الْجُوعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَ الْأَنْفُسِ وَ الشَّمَرَاتِ وَ بَشَرُ الصَّابِرِينَ“^{۲۵}

”اور ہم نے تمھیں کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور بچلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے



اور صبر کرنے والوں کے لئے بشارت ہے۔“

اصل آزمائش پہلے سے طشدہ فرضیوں پر قائم ہے۔ اس وجہ سے اگر خدا نے خلقت انسان کا کوئی ہدف رکھا ہے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے انسان کو کوشش کرنا ہوگی، یہ کام بنا تربیت اور تمرین کے امکان پذیر نہیں ہے اور ہر تربیت و تمرین میں امتحان لازمی ہے۔ چنانچہ امام علیؑ کسی کو امتحان اللہ سے مستثنی نہیں مانتے ہیں اور اگر کوئی شخص یہ دعا کرے کہ خدا اس کا امتحان نہ لے تو اس کی دعا مستحب نہیں ہوگی، آپ فرماتے ہیں:

”لَا يَقُولُنَّ أَحَدٌ كُمَّ اللَّهُمَّ أَنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَتْنَةِ。 لَأَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ إِلَّا وَهُوَ مُشَتَّمٌ عَلَىٰ فَتْنَةٍٖٖ وَلَكِنْ مِنْ أَسْتَعْذَ فَلِيَسْتَعِدَ مِنْ مُضَلَّلَاتِ الْفَتْنَةِ ۝“

”تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ: خدا یا مشکلات اور فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں، کیونکہ کوئی ایسا نہیں ہے جو مشکلات میں نہ ہو، بلکہ اگر خدا کی پناہ لینی ہے، تو گمراہ کرنے والی آزمائشوں سے خدا کی پناہ مانگو۔“

اس بنابر اگر امتحان اور آزمائش سنتِ اللہ ہے اور اس کے بعض وسائل جدوجہد اور اس کے نتائج ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان خود اپنی محنت سے اس وادی میں قدم رکھے اور اپنی ہی کوشش سے ان امتحانوں میں سرخرو ہو کر باہر نکلے۔

۲) وہ آیتیں جو حق و باطل کے درمیان جنگ کوتاری بھی بتاتی ہیں اور اس بات پر تاکید کرتی ہیں کہ مومن اپنی جماعت کو شخص کریں۔ مثال کے طور پر:

”الَّذِينَ آمَنُوا يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الْطَّاغِوتِ فَقَاتَلُوا أُولِيَاءَ الشَّيْطَانِ أَنَّ كِيدَ الشَّيْطَانَ كَانَ ضَعِيفًاً ۝“

”ایمان والے خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی راہ میں لڑتے مرتے ہیں پس تم شیطان کے ہوانا ہوں سے لڑو کیونکہ شیطان کا داؤں بہت کمزور ہے۔“

طاغوت کے لغوی معنا کو نگاہ میں رکھتے ہوئے جو کہ عبارت ہے عن کل متعدد و کل معبد من دون اللہ ۲۸ جو کوئی بھی خدا کے علاوہ کسی دوسرے کے حقوق پر حاکم ہو اور ہر وہ شخص جسکی لوگ بناچون و چڑا کے اطاعت کریں، وہ طاغوت ہے۔

آج دنیا میں متعدد طاغوتی طاقتیں سرگرم ہیں اور اپنی پوری توانائی سے کوشش کر رہی ہیں کہ دینی اور الہی سوچ کا خاتمه کر دیں۔ اسلئے مومنوں کو چاہئے کہ ہوشیار ہیں کہ آج حق و باطل کی جنگ سب جگہ اور ہر محاذاہ پر ہے اور یہ مومنوں کا دینی فریضہ ہے کہ اس جنگ میں شامل ہو جائیں اور کوشش کریں کہ طاغوت کو اس جنگ میں شکست ہو اور

یہ کام اختیاری اور ممکن ہے۔

۳) وہ آئین جن میں مظلوموں کی حمایت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:

”وَمَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوَلْدَانِ
الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَنْحُرْ جَنَّا مِنْ هَذِهِ الْفَرِيهَةِ الطَّالِمَ اهْلَهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدْنَكَ وَلِيَأُوا وَاجْعَلْ لَنَا
مِنْ لَدْنَكَ نَصِيرًا“ ۲۹

”تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان کمزور اور بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کو کفار کے پنجے سے چھڑانے کے واسطے جہاد نہیں کرتے جو حالت کی مجبوری میں خدا سے دعا میں مانگ رہے ہیں کہ اے ہماری پانے والے کسی طرح اس بستی سے جسکے باشدے بڑے ظالم میں ہمیں نکال اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا سر پرست بنا اور تو خود ہی کسی کو اپنی طرف سے ہمارا مدگار بنانا۔

قرآن کہ تاریخ میں مظلوموں کے دل کی آواز بیان کر رہا ہے اور آج لاکھوں لوگ چلا رہے ہیں تاکہ ظالموں سے ان کو نجات حاصل ہو سکے۔ مونموں پر فرض ہے کہ اس اختیاری عمل کو نجام دیں تاکہ ظالموں کو کمزور کر کے اور محروموں کے مجاز کو مغلوبی فراہم کر کے، مجھی کے ظہور کے مقدمات فراہم کریں۔

۴) بعض آئیوں کے مطابق دنیا کو شرک سے پاک ہو جانا چاہئے اور یہ کام مونموں کے ذریعہ نجام پائے گا۔ مثال کے طور پر:

”وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لِيُسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا
اسْتَخْلَفُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلِيمَكِنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلِيُبَدِّلَنَّهُمْ مَنْ بَعْدَ حِوْفَهُمْ
امْنًا يَعْبُدُونَنِي كَا يَشَرُّكُونَ بِمِنْ شَيْئًا وَمِنْ كُفْرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ“ ۳۰

تم میں سے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ انکو ایک نہ ایک دن روئے زمین پر ضرور اپنانا نہ مقرر کرے گا جس طرح ان لوگوں کو نائب بنا لیا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور جس دین کو اس نے انکے لئے پسند فرمایا ہے اس پر انھیں ضرور پوری قدرت دے گا اور انکے خاف نہیں کے بعد امن سے ضرور بدل دیا گا کہ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی کو ہمارا شریک نہ بنا سکے اور جو شخص اسکے بعد بھی نا شکری کرے تو ایسے ہی لوگ بد کار ہیں۔

حکومت اپنی تماہرتو انائی اور وسائل کے ساتھ لوگوں کے لئے کچھ فیصلہ لیتی ہیں، جو لوگوں کی فلاح اور ہبہودی یا ان کی بر بادی میں اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی شخص کے حکم ہونے پر سماج میں اچانک بدلاوہ



آجاتا ہے اور طرز زندگی اس طرح سے بدل جاتا ہے کہ وہ اپنے ماضی سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ امام علیؑ حکومت کے ہمہ جہتی کردار کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

”اذَا تَغْيِيرَ السَّلَطَانَ تَغْيِيرُ الرَّمَان“^{۱۳}

”بَبِ حَكْمٍ بُدْلَتِي هِيَ لَوْزَانَهُ مِنْ بَحْرِ بَدْلَةٍ آجَاتِيَ هِيَ“

امام حکومت کے ہمہ جہتی کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں اگر سماج میں اصلاح کی ضرورت ہے تو پہلے حکومت کے ڈھانچے کی اصلاح کرنی ہو گی:

”فَلِيَسْتَ تَصْلِحَ الرَّعْيَةَ إِلَّا بِصَلَاحِ الْوَلَادَةِ“^{۱۴}

”لَوْكُونَ كَيِ اصلاحَ بناحاكمونَ كَيِ اصلاحَ كَمْكَنَنَنِيَنَ هِيَ“

آج دنیا کی حاکیت مشرکوں کے ہاتھوں میں ہے اور وہ حکومتی وسائل سے جوانکے اختیار میں ہیں، انسانی سماج میں فساد کو بڑھاوا دے رہے ہیں اور سماج کی اصلاح حکومتوں کے بدلتے پر ہی ممکن ہے۔

یہ آیت واضح طور پر اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ مومنوں کو چاہئے کہ دنیا کی حاکیت اپنے ہاتھوں میں لے لیں اور یہ ایک اختیاری عمل ہے بہت ساری روایتوں میں اسکی تاویل امام زمانہ کی ظہور اور انکے ذریعہ مومنوں کی حکومت بیان کی گئی ہے۔^{۱۵}

۵) بعض آیتیں مومنوں کو یادداشتی ہیں کہ مشرکوں سے جنگ میں پیچھے نہ ہٹیں اور یہ نہ سوچیں کہ مشرکین صلح اور امن کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ مومنوں کو اس بات کا دھیان رکھنا ہو گا کہ مشرک صرف ان کی اور انکے دین کی بر بادی چاہتے ہیں:

”وَذَكَرْيَرْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرْدُونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كَفَارًا حَسْدًا مِنْ عَنْدِ أَنفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفِحُوْا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأْمَرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“^{۱۶}

”مسلمانوں اہل کتاب میں سے اکثر لوگ اپنے دلی حسد کی وجہ سے یخواہش رکھتے ہیں کہ تمکو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنادیں اور ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے اسکے بعد بھی یہ تمباقی ہے پس تم معاف کرو اور در گذر کرو یہاں تک کے خدا اپنا کوئی حکم بھیج، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

”وَ لَنْ تَرْضِيَ عَنْكَ الْيَهُودُ وَ لَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبَعَ مُلْتَهِمْ قُلْ إِنَّ هَدِيَ اللَّهُ هُوَ الْهَدِيٌّ وَ لَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنْ اللَّهِ مِنْ وَلِيٌّ وَ لَا

نصیر“۲۵

”اور نہ تو یہودی کھی تم سے رضا مند ہو گے نصاریٰ یہاں تک کہ تم انکے مذہب کی پیروی کرو، ان سے کہہ دو کہ بس خدا ہی کی ہدایت ہے، اور اگر تم اسکے بعد بھی کتم حمارے پاس علم آچکا ہے اگلی خواہشون پر چلے تو تم کو خدا کے غصب سے بچانے والا نہ کوئی سر پرست ہو گا نہ مددگار۔“

”یا ایها الٰذین آمنوا ان تعیعوا فریقاً من الٰذین اوتوا الكتاب یردو کم بعد ایمانکم کافرین“۲۶

”اے ایمان والو اگر تم نے اہل کتاب کے کسی فرقہ کا بھی کہنا مانا تو یاد رکھو کہ وہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر دوبارہ کافر بنا چھوڑیں گے۔ اور بھلام کیونکر کافر بن جاؤ گے۔“

اس آیہ کریمہ کے مطابق ظالموں سے جنگ، مظلوموں اور محرومین کی حمایت، شرک اور کفر کا خاتمه اور توحید و حکومت الٰہی کے قیام کے لئے کوشش کی ذمہ داری مونوں پر ہے، یہ سب اختیاری فعل ہے اور اگر یہ بڑے پیانے پر انجام پائے اور لوگ عالمی پیانے پر ظلم سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں، تو نجات دہندہ کے ظہور کے مقدمات فراہم ہو سکتے ہیں۔

منابع و مأخذ:

عز و بیت علیٰ دانشگاہ مشہد

۱- خلیل مکملی، فرنگ اصطلاحات اجتماعی و اقتصادی، ص ۳۸۹، تهران: انتشارات رواق، ۱۳۵۸.

۲- سکال پولاڈی، تاریخ اندیشہ سیاسی درغرب، ص ۱۸۵، تهران: نشر مرکز، ۱۳۸۲.

۳- عبدالرسول بیات، فرنگ واژہ با، ص ۴۲۳، قم: مؤسسه اندیشہ فرنگ دینی، ۱۳۸۱.

۴- انجمن کتاب مقدس ایران، کتاب مقدس، ص ۸۵۶، تهران، بی نا، ۷۶۱۹۸۱؛ حیدرقلی خان سردار کابلی، انجیل برنا با، ۵: ۹۵، تهران، نشر الکتاب، ۱۳۶۲.

۵- سورہ زمر/۲۲

۶- سورہ حس/۲۷

۷- سورہ ذاریات/۵۲

۸- محمد بن یعقوب کلینی، الکافی، رج ۱، ص ۲۷، تهران: انتشارات اسلامیہ، بی تاب۔



- ١٠- نك: عبد الرحمن بن محمد بن خلدون، مقدمة، ص ١٩١، بيروت: مؤسسة الاعلمي، بي تا؛ على بن محمد ماوردي، الأحكام السلطانية والولايات، ص ٥، بيروت، بي تا، ١٩٨٢م؛ عبد الملك بن عبد الله جويني، غيشاث الامم في التيارات، الظلم، تحقيق: احمد حسيني، ص ٣٣٦، قم: مؤسسة انتشار الاسلامي، بي تا؛ حمو، شرح جمل العلم والعمل، تحقيق: يعقوب جعفری، ص ١٩٩، تهران، انتشارات دارالاسوه، بي تا؛ شيخ صدوق، المقنع في الامامة، ص ١٢٥، قم، مؤسسة الحادی عاصمی، ١٣١٥ق؛ سید الدین محمود رازی، المنقذ من التقليد، ج ٢، ص ٢٩٦، قم، مؤسسة النشر الاسلامي، ١٣١٢ق؛ علامه حلی، کشف المرادي في شرح تجربه الاعقاد، ص ٢٢١، مشهد: کتاب فروشی جعفری، بي تا.

١١- علاء الدين هندي، کنز العمال، ج ١٢، ص ٢٦٥، بيروت: مؤسسة الرسالة، ١٣٠٩ق؛ صالح علي صالح، الروضۃ المختارة، ص ١٣٢، قم: منشورات الرضی، ١٣٠٨ق

١٢- ابراهیم قدوزی، بیانیح المودة، ص ٢٧، قم: انتشارات بصیرتی، بي تا؛ احمد بن خبل، منذر، ج ١، ص ٢٢٢، بيروت: انتشارات داراللکر، بي تا؛ البیتعیم احمد بن عبد الله اصفهانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاوصیاء، ج ٥، ص ٢٥، قم ٢٥، بيروت: انتشارات دارالکتب العلمیة، بي تا؛ علی مسعودی، اثبات الوصیة، ص ٢٢٥، نجف: المکتبۃ المترضویة، بي تا؛ شیخ صدوق، کمال الدین وتمام العصمة، ج ٢، ص ٥٠، تهران: بي جا، ١٣٣٢ش؛ عداد الدین طبرسی، بشارة المصطفی الشیعیة المرتضی، تحقيق: جواد قیومی، ص ٢٣٣، قم، مؤسسة النشر الاسلامی، ١٣٢٠ق؛ اسماعیل بن کثیر، البدایة والنهایة، ج ٦، ص ٢٥٠، بيروت: انتشارات داراللکر، ١٣١٩ق.

١٣- سوره رعد ١١

١٤- محمد بن حسین (سیدرضی)، نجح البلاغة، خ ١٦، قم: انتشارات دارالحجۃ، بي تا.

١٥- ايضاً، حکمت، ٣٧٢،

١٦- فیض کاشانی، الصافی، ج ١، ص ٨٢٦، تهران، انتشارات اسلامیة، ١٣٩٣ق.

١٧- سوره بحیر ٣٩-٣٥

١٨- نجح البلاغة، خ ١٠٢.

١٩- سوره شوری ٤٠

٢٠- یاشع بن سلیمان بحرانی، البرهان فی تفسیر القرآن، ج ٣، ص ٢٥٦، قم: مؤسسه بعثت، ١٣٢٧ق.



- ٢١- سورة روم/٣١-
 ٢٢- ابن منظور، لسان العرب، ج ٣، ص ٢٣٥، قم: نشر ادب الموزه، ١٣٠٥، اق: احمد فوسي، المصباح المنيع،
 ص ٢٧٢، قم: انتشارات دار الاجر، ١٣٢٥، اق: ابراهيم مصطفى، المجمع الوسيط، ص ٢٨٨، استانبول: انتشارات دار الوعدة
 ، ١٣١٥، حسين راغب اصفهاني، المفردات في الفاظ القرآن، تحقيق: صفوان عدنان، ص ٢٣٢، قم، انتشارات
 طبيعة نور، ١٣٢٦-اق.
- ٢٣- البرهان في تفسير القرآن، ج ٢، ص ١٢١-
 ٢٤- سورة عنكبوت/٢-
- ٢٥- سورة بقره/١٥٥-
 ٢٦- نهج البلاغة، حكمة ٩٣
- ٢٧- سورة نساء/٢١-
 ٢٨- المفردات في الفاظ القرآن، ص ٥٢٠-
- ٢٩- سورة نساء/٥١-
 ٣٠- سورة نور/٥٥-
 ٣١- نهج البلاغة، نامه ٢٧
- ٣٢- اليضا، نامه ٣١-
 ٣٣- الصاف، ج ٢، ص ١٧٨، ا
- ٣٤- سورة بقره/١٠٩-
 ٣٥- سورة بقره/١٣٥-
 ٣٦- سورة آل عمران/١٠٠-

صلح اور باہمی زندگی کی تہذیب

(دوسرا قسط)

شیخ بام الصبا غ

ترجمہ: سید احتشام عباس زیدی

غیر مسلمانوں کے ساتھ مسالمت آمیز باہمی زندگی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینا نے کے بعد مسلمانوں کی باہمی زندگی اور غیر مسلمانوں کے ساتھ ان کے رہن سہن کو منظم کیا اور باہمی زندگی کے پایوں کو استحکام بخشنے کے لیے حسب ذیل موارد پر زور دیا۔
۱۔ برداشتی، بخشش اور مدارا: یہ صفات چونکہ اسلامی معاشرہ اور اس کے افراد کے امن و امان کو حکم بنانے میں بہت موثر ہیں۔ لہذا اسلام نے ان پر بہت زور دیا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔
”تلک امة قد خلت لها ما كسبت ولکم ما كسبتم ولا تسألون
عما كانوا يعملون“

وہ ایسی امت تھی جو درمیان سے اٹھی۔ ان لوگوں نے جو بھی اچھے یا بے کام کیے اپنے لیے کیے۔ اور تم بھی جو کچھ کرو گے اپنے لئے کرو گے اور تم ان کے کاموں کے ذمہ دار نہ ہو گے۔ (بقرہ: ۱۳۲)

”خذالعفو وامر بالعرف واعرض عن الجا هلين“

بخشش و درگز رکوا پنا، تکی کا حکم دوا و نادانوں سے منہ موڑلو۔ (اعراف: ۱۹۹)

”فاصفح الصفح الجميل“

پس آپ ان سے بخشش کے ساتھ درگز رکھجئے۔ (حجر: ۸۵)

”والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس والله يحب المحسنين“

اور وہ لوگ غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (آل عمران: ۱۳۲)

حدیث میں آیا ہے کہ: آپ میں دو ایسی صفتیں ہیں کہ خداوند عالم انہیں پسند کرتا ہے (صحیح مسلم کتاب الایمان نمبر ۷: سنن ترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول نمبر ۱۹۳۷)

”خداوند عالم مہربان ہے اور مہربانی کو دوست رکھتا ہے وہ رحم و مدار کی ایسی جزا دیتا ہے جو کسی چیز کے عوض نہیں دیتا“، (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب نمبر ۲۵۹۳ - سنن ابن ماجہ، کتاب الادب نمبر ۳۶۷)

”رحم و محبت ہر چیز کو برتری عطا کرتی ہے اور جس میں رحم و محبت نہیں وہ ذلیل و خوار ہے“، (صحیح مسلم، گذشتہ حوالہ نمبر ۲۵۹۴ - سنن ابن داؤد، کتاب الحجاح نمبر ۲۷۸)

۲۔ انسانی تعلقات کی مضبوطی اور صحیح جہت گیری: اسلام نے عدل کو واجب اور ظلم و شتمگری کو حرام جانا ہے۔ محبت، رحمت، تعاوون، ایثار و فدا کاری اور بے غرضی کو ایچھے اقدار میں شمار کیا ہے اور انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی جانا ہے۔ اس سے بڑھ کے اسلام انسانی فکر و عقل کا احترام کرتا ہے اور عقل و تفکر کو باہمی مفاہمت اور ایک دوسرے کو قبول کرنے کا وسیلہ سمجھتا ہے۔ وہ کسی کو کوئی خاص عقیدہ و نظریہ قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا اور عالم، سنتی، طبیعت یا انسان سے متعلق کسی نظریے کو کسی پر نہیں تھوپتا، نیز دینی مسائل میں بھی ”لا اکراه فی الدین“ (یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں) کا معتقد ہے اور خدا کی مخلوقات کے بارہ میں عقل اور غور و فکر کو وسیلہ ذریعہ قرار دیتا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے ”لا اکراه فی الدین قد تبین الرشد من الغی“۔ دین کے معاملہ میں کوئی زور و بردستی نہیں ہے کیونکہ صحیح را، گمراہی سے نمایاں ہے۔ (سورہ بقرہ: ۲۵۶)

”ولو شاء ربک لآ من من في الأرض كلهم جمیعاً افانت تکره الناس

حتیٰ یکو نوا مو منین“



یعنی اگر خداوند عالم چاہتا تو زمین پر جتنے لوگ ہیں سب ایمان لے آتے کیا تم لوگوں کو
مجبوکرتے ہو کہ وہ ایمان لے آئیں (یونس: ۹۹)

اسلام صرف اس اصول پر اکتفانیں کرتا بلکہ افراد، گروہ یا جماعتوں اور ملکوں کے درمیان صلح اور امن
و ایمان کا رابطہ برقرار کرتا ہے جس میں مسلمان آپس میں اور غیر مسلمانوں کے ساتھ بھی کوئی فرق نہیں کرتے۔ خداوند
عالم فرماتا ہے:

”انما المؤمنون اخوة فا صلحو ابين اخويكم“
بلاشبہ مؤمنین باہم بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح و آشنا برقرار کرو۔ (جرات: ۱۰)

نیز

”والمو منون والمو منات بعضهم اولياء بعض----“

مؤمن مرد و حور تیس ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ ایک دوسرے کو اچھے کاموں کی
ہدایت کرتے ہیں۔ (توبہ: ۲۷)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب المظالم نمبر ۲۳۱۰۔ صحیح مسلم کتاب البر والصلة و
الادب نمبر ۲۵۸۰)

ایک اور حدیث میں ہے ”مؤمن انس والفت کو قبول کرتا ہے اور جو الفت و محبت نہیں رکھتا اس میں کوئی
اچھائی نہیں ہے“، (مسند احمد، کتاب باقی مسند المکثرين نمبر ۸۸۳۱)

اسلام بھی چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات ایک دوسرے سے ہمیشہ حکم و مضبوط ریں۔ یہ
تعلقات ایسے ہوں کہ ان میں تفرقہ دشوار اور جدائی ناممکن ہو۔ حدیث میں آیا ہے: ”دست (نصرت) خدا جماعت
کے ساتھ ہے اور جو کوئی اس سے جدا ہوا اس نے ہنہم کی راہ اختیار کی ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب ابواب الفتن نمبر
(۲۲۵۵)

اسلام ان روابط کو وجود میں لانے کے لئے جو معاشرہ کو متحد اور قوی بناتے ہیں اور جو حادثات اور جاری حیثیت
کی جاریت کے مقابل حکم و مضبوط ہیں، اسی طرح عمل کرتا ہے۔ (فقہ السنۃ، ج ۳ ص ۶۲۶ تھوڑے سے تصرف کے
ساتھ)

۳۔ غیر مسلموں کا احترام اور ان کی دینی آزادی کی ضمانت:

مسلمانوں کا غیر مسلمانوں سے رابطہ باہمی تعاون اور عدالت کی بنیاد پر ہے۔ خداوند عالم باہمی تعاون کے سلسلہ میں فرماتا ہے :

”بِاِيْهَا النَّاسُ انا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكْرٍ وَأَنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شَعْوَرًا وَقَبَائِلَ

لَتَعَا وَفَوَانِ اَكْرَمْكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اَتَقَاكُمْ اَنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ“

یعنی اے لوگو! ہم نے تم کو مرد و عورت کی شکل میں خلق کیا اور تم کو گروہوں میں تقسیم کیا تا

کہ ایک دوسرے کو پیچانو، بے شک تمہارے درمیان بزرگ و مکرم وہ ہے جو اللہ کے

نزدیک پر ہیز گار ہو بلاشبہ اللہ باخبر عالم و جانکار ہے (حجرات: ۱۳)

”لَا يَنْهَا كَمَ الَّهُ عَنِ الظِّلِّ لَمْ يَقَا تُلُو كَمَ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُ كَمَ مِنْ

دِيَارٍ كَمَ اَنْ تَبِرُّوهُمْ وَتَقْسِطُوا إِلَيْهِمْ اَنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمَقْسُطِينَ“

یعنی خداوند عالم نے تمہیں ان لوگوں کے ساتھ جو دین کے معاملہ میں تم سے جگ نہیں

کرتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے باہر نہیں کرتے نیکی اور عدل و انصاف کرنے

سے نہیں روکتا، بلاشبہ خداوند عالم عدل و انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(مختصر: ۸)

اس طرح کے روایت برقرار کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں میں باہمی منافع پیدا ہوں اور ان کے درمیا
ن دو طرف تعلقات محکم ہوں اسی طرح اسلام مسلمانوں اور دیگر ادیان کے لوگوں کے ساتھ برابری کا حکم دیتا ہے اور
وہ لوگ بھی ان ہی وظائف و حقوق کے مالک ہیں جن سے مسلمان بہرہ مند ہیں۔ اسی طرح اس نے غیر مسلمانوں کی
آزادی کی حسب ذیل نکات کے تحت ضمانت دی ہے۔

اپنادین ترک کرنے پر جرہ نہیں:

اسلام نے مسلمان مرد کی یہودی یا عیسائی یوں کو جائزت دی ہے کہ کئیسے یا کیسا جائے اور شوہر اسے اس
کام سے روک نہیں سکتا۔ اسلام نے ان کو جائزت دی ہے کہ جو کچھ اکے دین میں جائز ہے اسے کھائیں پیش۔ وہ
شادی، بیاہ، طلاق، نفقہ اور دوسرے مسائل میں بلا کسی قید و بند کے پوری آزادی کی مالک ہیں۔

اسلام نے ان کی شان و بزرگی کی ضمانت دی ہے، ان کے حقوق کی حمایت کی ہے اور انہیں مختلف مسائل



میں بحث و گفتگو کی آزادی دی ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

”ولا تجأدوا إلـى الـكتـاب إلـى الـتـالـي هـى اـحـسـن الـذـين ظـلـمـو اـمـنـهـم
و قـولـوا آـمـنـا بـالـذـى انـزـلـا إلـيـنـا و انـزـلـيـكـم و الـهـنـا و الـهـكـم و اـحـدـو
نـحـن لـهـ مـسـلـمـو“

اور اہل کتاب سے بہترین روشن کے ساتھ ہی بحث و گفتگو کرو، علاوہ ان کے خالموں کے، اور کہو کہ جو کچھ ہم پر اور تم پر نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان رکھتے ہیں نیز ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اس کے آگے تسلیم ہیں (عکبوٰت: ۳۶)

اسلام نے ہزار کے سلسلہ میں مسلمان اور غیر مسلمان دُنوں کو برابر جانا ہے۔

اسلام نے ان کے کھانے، ان کے ذبح شدہ گوشت اور ان کی عورتوں سے شادی کرو اور جائز قرار دیا ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

”الـيـوم اـحـل لـكـم الطـبـيـات و طـعـام الـذـين اوـتـوا الـكـتـاب حلـلـكـم و طـعـاـمـكـم حلـلـلـهـمـ وـالـمـحـصـيـنـات منـ المـوـمنـات وـالـمـحـصـنـات منـ الـذـين اوـتـوا الـكـتـاب منـ قـبـلـكـم.....“

آن پاک چیزیں تم پر حلال ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے نیز پاک دامن مومن مسلمان عورتوں اور پاک دامن اہل کتاب ب عورتوں سے شادی تمہارے لیے حلال ہے۔۔۔۔۔ (ماہدہ: ۵)

اسلام نے ان کے بیہاں آنے جانے، ان کے بیماروں کی عیادت، ان کو تکھہ دینے، ان سے خرید و فر وخت کرنے کو جائز قرار دیا ہے (گذشتہ حوالہ، فقہ السنن ص ۳۴۷ معمولی تصرف کے ساتھ)

۲: انسان کے فردی حقوق اور اس کی عظمت کا احترام: اسلام نے انسان کے تمام حقوق کی رعایت کی محنت دی ہے اور ان کے تمام دینی، سیاسی اور شہری حقوق کی حفاظت و حمایت کو واجب جانا ہے۔ ان مخلوق کی طرف حسب ذیل موارد میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حق زندگی: ہر شخص کو حق ہے کہ اس کی جان کی حفاظت کی جائے، کسی کی بھی جان سے ہرگز تعدی نہیں کی جاسکتی مگر یہ کہ وہ قتل یا زیادتی پر فساد کا مرتكب ہو کہ قتل کا مستحب ہو گیا ہو۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

”من اجل ذالک كتبنا علی بنی اسرائیل انه من قتل نفسا بغیر نفس او فسا د فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ومن احیا ها فکانما احیا الناس جمیعاً ولقد جاء تهم رسننا بالینات ثم ان کثیرا منهم بعد ذالک فی الارض لمسر فون“

یعنی اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر مقرر کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کو بے گناہ یا ازروئے فسا قتل کرے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جو بھی اسے زندہ رکھے گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخی۔ اور بلاشبہ ہمارے انبیاء ان کے لیے کھلی ہوئی دلیلیں لاۓ اس کے بعد بھی بہت سے لوگ زمین پر اسراف کرنے والے ہیں۔ (ماندہ: ۳۲)

اور حدیث میں آیا ہے: ”مسلمان کا خون بہانا ان تین چیزوں کے علاوہ حلال نہیں ایک تھاص نفس، دوسرا وہ جو شوہر دار محورت سے زنا کرے تیرادیں سے مرد ہونے والا اور جماعت سے جدا ہو جانے والا“، (صحیح بخاری، کتاب الدیات نمبر ۱۶۸۷ اور صحیح مسلم، کتاب القسامہ والحریفین والقصاص والدیات نمبر ۱۶۱۶) اموال کی حفاظت کا حق: جس طرح انسان کی جان کی حرمت ہے اسی طرح اس کے مال و اسباب کی بھی حرمت ہے اور ان کے کسی وسائل پر انہیں گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔ خداوند عالم فرماتا ہے: ”یا ایها الذین آمنوا لَا تَنْهَاوُ اموالکم بینکم بِالْبَاطِلِ...“ اے ایمان والو! آپس کے اموال کو باطل طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ لین دین باہمی رضا سے ہو۔ (نساء: ۲۹)

اور حدیث میں آیا ہے: ”جو شخص بھی کسی کے حق پر تجاوز کرتا ہے، خداوند عالم جہنم کی آگ کو اس پر واجب اور جنت کو اس پر حرام کر دیتا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا اے رسول خدا کیا اگر تھوڑی سی چیز بھی لی ہو؟ حضرت نے فرمایا: چاہے کائنات کی جھاڑی کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو۔۔۔“ (صحیح مسلم کتاب الایمان نمبر ۱۹۶۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام نمبر ۲۳۱۵۔ مندرجہ، کتاب باقی مندرجہ نمبر ۲۲۸۸)۔

حق ناموس: کسی کی بھی ناموس سے حتی بدکلامی بھی نہیں کی جاسکتی۔

آزادی کا حق: اسلام عبادت کی آزادی، لیکن کسی آزادی اور کام کے انتخاب کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے کہ ہر شخص حق رکھتا ہے۔ جو شغل چاہے انتخاب کرے۔



سرپناہ کا حق: ہر شخص کو یہ حق ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر جہاں چاہے سکونت اختیار کرے اور جہاں چاہے کسی رکاوٹ کے بغیر آ جاسکتا ہے کسی کو اسے نکال باہر کرنے یا تیڈ کرنے کا حق نہیں ہے، مگر یہ کہ اس نے دوسرے پر تجاوز کیا ہو لوگوں کے امن و امان میں خلل ڈالا ہو یا کسی بے گناہ قتل کیا ہو! خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

”انما جزاء الذين يحاربون الله و رسوله و يسعون في الأرض فسا

دا ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفوا

من الأرض ذالك لهم جزى في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب

عظيم ، الا الذين تابوا من قبل ان تقدر واعليهم فاعلموا ان الله غفور

رحيم“ -

”یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے اٹھتے ہیں اور زمین میں بتاہی و فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ قتل کیے جائیں، دار پر لکھائے جائیں یا مخالف سمت سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا اپنی زمین سے نکال بآہر کئے جائیں۔ یہ زمین ان کے لیے اس دنیا میں ذلت ہیں اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہو گا۔ سوائے ان کے کہ اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ انہوں نے توبہ کر لی ہو تو یہ جان لو کہ اللہ مجھے اور حرم کرنے والا ہے۔“ (ماائدہ: ۳۲-۳۳)

اظہار رائے کا حق: یہ انسان کا حق ہے کہ اپنے نظریہ کا اظہار کرے اس کی دلیل بیان کرے اور حق بات کہے۔ اسلام اظہار رائے پر کثرول اور فکر و خیال پر پابندی کو قبول نہیں کرتا، ہاں اگر کوئی نظریہ یا کوئی فکر معاشرہ کے لیے نصان وہ ہو تو اس پر پابندی لگاتا ہے۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے اس بات پر بیعت لیتے تھے کہ آشکارا حق کو بیان کریں گے چاہے وہ کتنا ہی تخفی کیوں نہ ہو نیز وہ خدا کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ (گزشتہ حوالہ نقل از ”فقہ السنۃ“ ج ۳ ص ۴۵ تھوڑے سے تصرف کے ماتحت)

۵: اسلام نے اسی طرح تعلیم کا حق، بھوکے کا حق، بے لباس کا حق، بیمار یا ڈرے ہوئے شخص کا حق کسی بھی دین یا رنگ و نسل کے بغیر سب کے لیے تسلیم کیا ہے، اور سب کو ان حقوق میں برابر سمجھتا ہے۔ اسلام نے انسانی حقوق کے تمام قوانین و دستورات سے پہلے ان تعلیمات کو عبادات میں شمار کیا ہے اور ان حقوق میں شک کرنے کو

حرام اور گناہ کبیرہ جانا ہے۔

۶: عدل و انصاف قائم کرنے کی دعوت: خداوند عالم فرماتا ہے:

”... واقسطو ان الله يحب المقطفين“

اور انصاف کرو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (حجرات: ۹)

”ان الله يا مر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربى“

بے شک خدا عدل و انصاف اور نیکی و احسان کرنے نیز اپنے قربت داروں کا حق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (خلیل: ۹۰)

اسلام کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھی گئی ہے وہ کسی بھی حالت میں ظلم و ستم اور جارحیت کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔ ساتھ ہی وہ حاکم یا حکوم، آقیانوں کریں سے کسی کو ظلم اور سختی کی اجازت نہیں دیتا۔

غیر فوجیوں اور کسانوں پر ظلم نیز مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے انہیں کافر

کہنے کی حرمت:

۱۔ اسلامی شریعت میں قتل، ایک شخص کا کسی دوسرے شخص کی جان لینا ہے اور اس کی دوسمیں ہیں: پہلی قتل حرام ہے اور یہ ان قتلوں میں شامل ہے جو ناحق اور ظلم کے ذریعہ نجام پائے۔ دوسری قسم حق اور جائز ہے اور یہ قتل کے قتل اور اس شخص کے قتل کو شامل ہیں جو شوہر دار عورت سے زنا کرے۔ جو چیز یہاں ہمارے لیے اہم ہے وہ جان بوجھ کر اور قاتل کی طرف سے قصد و ارادہ کے ساتھ کیا جانے والا قتل ہے۔ جو بہت بڑا گناہ اور شدید جرم ہے۔ قرآن مجید اور سنت نبوی میں بھی اس قتل کی حرمت اور اس کی سزا کے سلسلہ میں آیت اور حدیث وارد ہوئی ہیں۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ”ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق“ اور اس شخص کو نہ مارو جس کا قتل خدا نے حرام قرار دیا ہے، مگر یہ کہ اس کا قتل کرنا حرام ہو۔ (اسراء: ۳۳)

۲۔ قرآن کریم میں قتل کی سزا:

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: و كتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس“

اور ہم نے ان کے لیے اس (توریت) میں لکھ دیا ہے کہ جان کا بدل جان ہے۔۔۔ (ماائدہ: ۲۵)

لہذا ایک مسلمان کا قتل شرعی و قانون حیثیت سے اور قرآن و حدیث کی صریح نص کے مطابق حرام ہے



اور قاتل کی سزا قصاص ہے اور یہ قصاص بھی مسلمان قاضی و حاکم کی طرف سے جاری ہوگا۔ (عودہ، ۹۷۳ق، ج، ۲، ۱۲۱) اور یہ حکم مسلمانوں پر چاہے وہ جہاں بھی اسلامی یا غیر اسلامی مالک میں رہتے ہوں جاری ہوگا۔

۳: یہاں اسلامی سرزینوں میں ”اہل ذمہ“ پر ان ہم عہد افراد پر بھی جنہوں نے مسلمانوں سے عہدو پیمان کیا اور یہ عہدان ممالک کے سلسلہ میں بھی جو اسلامی ممالک سے موافق تیاسی اسی روایاتر کھٹے ہیں اور مسلمانوں سے براہ راست جنگ کی حالت میں نہیں ہیں ان پر بھی صادق آتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے ”جو شخص کسی ہم بیان کو قتل کرے وہ ہرگز جنت کی خوشبوئی سونگھے گا جب کہ جنت کی خوشبواس سے چالیس سال کے فاصلہ پر ہوگی۔“ (صحیح بخاری کتاب الجزیہ والمواد نمبر ۲۹۹۵۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات نمبر ۲۶۷)

یہاں سے ہم کو عام شہریوں کہ جو فوجی نہیں ہوتے چاہے وہ اسلامی سرزینوں یا غیر اسلامی ملکوں میں رہتے ہوں، مسلمان ہوں یا غیر مسلمان، ان کے ساتھ ظلم و جاریت کی حرمت کا علم ہوتا ہے لیکن اگر مسلمان جنگ کی حالت میں برکر رہے ہوں تو عدالت، رحمت، انسان دوستی اور اسلامی مہر و محبت کا تقاضا ہے کہ کسی بھی غیر فوجی دشمن کو چاہے وہ جہاں بھی ہونصسان پیچائیں، کیونکہ جنگ توڑنے والوں اور انہیں مدد پہنچانے والوں کے دائرہ میں ہے۔ اسلام کے مجاہدوں کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرفتار تعليمات اس سلسلہ میں ہماری راہ نہما ہیں۔ حدیث میں آیا ہے ”اللہ کے نام سے خدا کی راہ میں اللہ پر کفر اختیار کرنے والوں کے ساتھ لڑو، جنگ کرو لیکن حد سے نہ بڑھ جاؤ، خیانت نہ کرو، ان کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرو، بچوں کو قتل نہ کرو۔“ (سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد نمبر ۲۸۵۸، سنن ترمذی، کتاب ابواب الدیات نمبر ۱۳۲۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقتول عورت کو دیکھ کر فرمایا: یہ عورت جنگ نہیں کر رہی تھی۔ اور اسے قتل نہیں کرنا چاہیے تھا، اس کے بعد آپ نے اس بارہ میں اپنی اسلامی تعليمات ارشاد فرمائیں: ”لڑنے والوں کے بچوں، عورتوں اور ان لوگوں کو جو نادانستہ جنگ کی راہ میں آگئے ہیں قتل نہ کرو۔“ (سنن ابن ماجہ، گزشتہ حوالہ نمبر ۲۸۳۲۔ سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد نمبر ۲۶۲۹۔ حاکم المحدث رک نمبر ۲۵۶۵)

اس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں، بچوں، بیاروں، بوڑھوں، راہبوں، غلاموں اور مزدوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۴: مسلمانوں کا خون بہانے کی غرض سے انہیں کافر کہنا بھی جائز نہیں ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

”فَإِن تَابُوا وَأَقْامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَخَلُوُ سَيِّلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ...“

یعنی پس اگر وہ توبہ کر لیں، نماز پڑھیں اور زکات دیں تو انہیں چھوڑ دو کہ بلاشبہ خدا بخشنے اور حم کرنے والا ہے۔ (توبہ: ۵)

وہ حدیث جو ”ابو معبد المقداد بن الاسود“ سے نقل ہوئی ہے اس میں آیا ہے کہ: ”میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اگر میں کسی کافر سے جنگ کروں اور وہ میرا ایک ہاتھا پنی توار سے کاٹ دے اس کے بعد کسی درخت کی پناہ لے کر کہے کہ میں خدا کے آگے تسلیم ہوتا ہوں (اسلام لاتا ہوں) تو کیا میں اسے قتل کر سکتا ہوں؟“ حضرت نے فرمایا: نہیں، اسے قتل نہ کرو۔ میں نے عرض کیا: اے رسول خدا! اس نے میرا ایک ہاتھ کا ٹڈا لا پھر یہ بات کہی ہے، فرمایا: اسے قتل نہ کرو۔ کیونکہ اگر اسے قتل کرو گے تو وہ بھی ویسا ہی ہے جیسے تم ہوا سے پہلے کہ اسے قتل کر دو (یعنی مسلمان) اور تم بھی اس کے جیسے ہو جاؤ گے اس سے قبل کہ وہ یہ بات کہے (صحیح بخاری، کتاب الدیات نمبر ۲۷۴ - صحیح مسلم، کتاب الایمان نمبر ۹۵)

”وہ تمہارے جیسا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا خون بہانا اس کے اسلام لانے کی صورت میں جائز نہیں ہے اور تم اس جیسے ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ قصاص کی بنا پر تمہارا خون اس کے وارثوں پر جائز ہے نہ یہ کہ تم اس کی طرح کافر ہو گئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے دوجگہ کے علاوہ بھی سخت باتیں کی ہے۔ ایک جنگ کے میدان میں اور دشمنوں کے مقابلہ کے وقت کہ جس میں غلیظ و غضب قاطعیت اور سختی دشمنوں پر فوجی کامیابی کا لازم ہے:

”یا ایها الذین آمنو اقاتلو الذین یلو نکم من الكفار ولیجد وافیکم

غله واعلموا ان الله مع المتقین“

اے ایمان والو! ان کفار سے جو تم سے نزدیک ہیں جنگ کرو، وہ بہر حال تمہارے اندر

صلابت و سختی کا مشاہدہ کریں اور یہ جان لو کہ خداوند عالم پر ہیز گاروں کے ساتھ ہے

۔۔۔ (توبہ: ۱۲۳)

۲: ان لوگوں پر شرعی حدود کے اجر کے وقت جو اس کے مستحق ہیں کیونکہ زمین پر الہی حدود قائم کرنے کے لیے لطف و رحم و کرم کی کوئی ضرورت نہیں ہے..... ولا تأخذ کم بھما رافة فی دین الله ان کنتم تو منون بالله والیوم الا خر“ اور اگر خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو دین خدا کے سلسلہ میں کوئی بخشش و (کوتا ہی) تم سے سرزد نہ ہو۔۔۔ (نور: ۲)

مختصر یہ کہ تمام سنی و شیعہ علماء کا فریضہ ہے کہ وہ صلح و باہمی زندگی کی تہذیب رائج کریں۔ آخر میں ہم چند



نکتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱: ہر شہر اور ہر اس واقعہ کے مقابل جو سنی، شیع، اباضی اور۔۔۔ مذاہب کے درمیان تفرقہ پیدا کرتا ہو ایک صفت متحد ہو جائیں اور ہر وہ فتنہ جو مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے کی کوشش کرتا ہوا سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی جانب سے سمجھیں۔ امام خمینیؑ کے بقول اہل سنت اور شیعہ اسلام کے دو بازوں نہ رہتے ہیں کسی ایک سے کوئی کام نہیں ہوگا۔۔۔ ان دونوں کو ایک ساتھ رہنا چاہیے۔ امت کے دشمن اور شیطان اکبر امریکہ و اسرائیل اسلام اور مسلمانوں کو نابود کرنے کی غرض سے اہل سنت اور شیعوں کے درمیان فتنہ، تفرقہ اور اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں۔

۲: اس بات پر تاکید کہ مسلمانوں کی جان و مال ناموں مختارم ہے اور کسی بھی اسلامی فرقہ و مذہب پر کوئی ظلم و ستم رو انہیں ہے۔

۳: جو کچھ عراق میں مذہبی جنگ کے عنوان سے شیعہ اور اہل سنت کے درمیان ہو رہا ہے وہ دراصل دشمنوں کی طرف سے عراق پر قبضہ و استغفار کی حرکت ہے جو مسلمانوں کے خلاف مستقل سازش میں مشغول ہیں۔

۴: جو شخص بھی فرقہ وارانہ فساد پھیلانے کی کوشش کرے وہ اپنے مذہب و دین کا دشمن ہے نیز جان بوجھ کر اور انجانے میں وہ اسلام کے دشمنوں کا ساتھ دے رہا ہے۔۔۔

۵: فقہ اخلاقی یا فقہ مقارنی اور فقہ مصالح اور تقریب و اتحاد کی فقہ کی ہم آنہنگی پر زور دیا جانا چاہیے اور اہل سنت و شیعوں کے درمیان ماضی میں جو تقریب کی کوششیں کی گئی ہیں انہیں نہ صرف جاری رکھنا چاہیے بلکہ انہیں بڑھا وادینا چاہیے اور اس راہ میں موجود دشواریوں کو دور کرنا چاہیے۔

۶: اس اصل کا اعلان کیا جانا چاہیے کہ مشترک چیزوں پر متحدوں اور اخلاقی مسائل میں ایک دوسرے کو معدور بسمجھیں اور اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اہل بیت رسول اللہؐ، ان کے اصحاب اور حضرتؐ کی ازواج محترمات کے ساتھ بے ادبی کو روکیں۔ ایک دوسرے کے مقدسات کا احترام، باہمی احترام با مقصد اور ایک دوسرے کے قریب لانے والی گفتگو کی تہذیب پیدا کریں اور اسے زیادہ رواج دیں۔

۷: اہل سنت اور شیعوں کے درمیان محبت آمیز تعلقات اور تعاون میں مزید استحکام پیدا کیا جانا چاہیے۔

۸: مختلف اسلامی مذاہب کے نمائندوں کے درمیان ملاقات، روابط مشترک کتابوں، تحریریوں اور تقریروں کی نشر و اشاعت، اخلاقی مسائل پر منطقی گفتگو اور اس کے ذریعہ تقریب اور اسلامی برادری میں اضافہ ہونا چاہیے۔

۹: اسلامی مذاہب میں تقریب کی تہذیب کو اس پر ایمان رکھنے والے مومن افراد کے ذریعہ بڑھا و امانتا چا

ہیے۔ اور ہماری تعلیمی درسگاہوں میں تمام مذاہب کی تعلیم اجتہادی مکاتب فقہ کی حیثیت سے دی جانی چاہیے۔
 ۱۰: تقریب مذاہب اسلامی کی تحریک کی حمایت ایران نیز اس کے باہر تمام اسلامی ممالک کے تقریبی اداروں کے ذریعہ کی جانی چاہیے اور تمام تقریبی اداروں کے اراکین کے درمیان سنجیدہ تعاون و روابط برقرار ہونے چاہئیں۔

منابع و مأخذ:

- ۱۔ قرآن مجید
- ۲۔ ابن کثیر، اسماعیل، البدایہ والنہایہ، تحقیق علی شیری، دارالحیاء اثر اشائعی، بیروت چاپ اول، ۱۴۰۸ق
- ۳۔ ابن الجوزی، محمد بن زید سنن ابن امانہ، تحقیق محمد فؤاد عبدالباقي، دارالحیاء اثر اشیعی، بیروت، ۱۴۰۵ق
- ۴۔ انخاری، محمد بن اسماعیل صحیح بخاری، تحقیق مصطفیٰ دیب البغا، دار ابن کثیر بیروت چاپ سوم، ۱۴۰۷ق
- ۵۔ ابی القاسم، ابوکعب احمد بن حسین، سنن ابی القاسم الکبریٰ، تحقیق محمد عبد القادر عطا، مکتبہ مکملۃ المکاتب، دارالباز، ۱۴۱۲ق
- ۶۔ اترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن اترمذی، تحقیق احمد شاکر، دارالحیاء اثر اش العربی، بیروت
- ۷۔ ابی حیان، محمد بن حبان بن احمد، صحیح ابن حبان، تحقیق شیخیب الارناؤوطا، موسسه الرسالہ بیروت، چاپ دوم، ۱۴۱۳ق
- ۸۔ الشیعیانی، احمد بن محمد بن حبیل، منند احمد، تحقیق عبد اللہ محمد الدرویش، داراللّفکر، بیروت، ۱۴۱۲ق
- ۹۔ جادالموی، محمد احمد، اخلاق الکامل، انتشارات دار القیم، دمشق، ج ۱
- ۱۰۔ حافظ، ابو داؤد، سنن ابو داؤد، داراللّفکر، بیروت
- ۱۱۔ عودہ، عبد القادر، استرشیح النجایی الاسلامی مقارن بالقانون الوضیعی، قاهرہ، چاپ اول ج ۱۴۸۹، ۲/۱۳۸۹ق
- ۱۲۔ نیسا بوری، مسلم ابن الحجاج صحیح مسلم، دارالحیاء اثر اش العربی، بیروت، ۱۹۷۲ق
- ۱۳۔ ہندی، علاء الدین علی المحتفی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن القوال و افعال، تصحیح صفوہ القاء، موسسه الرسالہ، بیروت، چاپ چشم، ۱۴۰۵ق



قرآن کریم میں غیرآلودہ

ماحولیات سے استفادہ کی بنیاد

مہدی فیروزی (ام۔ اے ”بین الاقوای حقوق، محقق مفید یونیورسٹی)

ترجمہ: امان اللہ جعفری

خلاصہ:

بے شک ما حولیاتی آلودگی ان اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے جنہوں نے آج کے انسانوں کو مشکلات سے دوچار کر رکھا ہے۔ یہ مسئلہ کچھ یوں بھی اہم ہے کہ زندگی کو تقاضان پہنچانے والی علامات نہ صرف ظاہر ہو چکی ہیں بلکہ انہوں نے موجودہ اور آئندہ نسلوں کو وسیع پیانے پر ما حولیاتی آلودگی کے خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔ دوسری طرف کوئی بھی انسان ایک نامن اور آلودہ ما حول کی موجودگی میں زندگی نہیں گزار سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ما حولیات کا شمار تمام انسانوں کے انتہائی بنیادی حقوق میں ہوتا ہے یہ وہ موضوع ہے جو گزشتہ چند برسوں اہل علم حضرات اور ما حولیات کے طرفداروں کی محفلوں کی جان بنا ہوا ہے۔

پیش لفظ

ما حولیات کا تحفظ دراصل انسانوں کے عام حقوق اور ما حولیات کی حفاظت کے بارے میں معاشرے کی



طرف سے پوچھے جانے والے سوال کا جواب ہے۔ جب کہ ماحولیاتی تحریب درحقیقت سماجی ناہمواریوں کو جنم دینے، فطرت سے غلط استفادہ کرنے اور انسانوں کے حقوق ضائع کرنے کے متادف ہے۔ دینی متون پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماحولیات کی سلامتی اور ایک غیر آسودہ ماحول کی وسیعی کے لئے کوششیں انسان کے ابتدائی حقوق میں شامل ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے ماحولیاتی تباہ کاری انسانی حقوق کی پامالی اور ان حقوق کو نظر انداز کرنے کے مساوی ہے۔

انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی سب سے بہترین مخلوق اور زمین پر اس کا جانشین ہونے کے ناطے خدا کی طرف سے عطا کی جانے والی نعمتوں سے بھر پورا استفادہ کرے۔ لیکن اس استفادے کی نوعیت ایسی نہیں ہوئی چاہئے کہ اس سے دوسرے لوگوں کے حقوق پامال ہو جائیں۔ دوسرے لفظوں میں جس طرح انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ وہ پاک صاف اور پامن ماحولیات سے بہرہ مند ہو، بالکل اسی طرح اس پر یہ ذمہ داری بھی عائد کر دی گئی ہے کہ وہ اس نعمت سے صحیح طریقے سے استفادہ کرے۔ ماحولیات کی موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہم آسانی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں نے فطرت اور ماحولیات سے استفادہ کرتے وقت اس کی حفاظت کے بارے میں اپنی ذمہ داری کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اس بات کی دلیل ماحولیات کو درپیش عظیم بحران ہے اس عظیم بحران کی وجہ ڈھونڈنے نکلیں تو ہمارے سامنے چراغ ہوں کا خاتمه، جنگلوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی کثائبی، انمول پودوں اور جانوروں کی نابودی، پانی، مٹی اور ہوا کی آسودگی، زہر لیلے اور نیوکلیئی اسلخوں کا استعمال، زہر لیلے تیل، کار خانوں اور ملبوں سے نکلنے اور سمندروں میں گرنے والا فاسد اور زہریلا پانی، اوزوں کے پردے کا متاثر ہونا، مصر بارشوں کا برنسا اور ان جیسے کئی دیگر عوامل آکھڑے ہوتے ہیں۔ جن کے ذکر کا نتیجہ صرف انسانی کے دکھ درد میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ اس کا منہ بولتا بثوت یہ المیہ ہے کہ انسان نے ماحولیات سے صحیح استفادہ کرنے کے بجائے اپنے لئے ایک راستے کا انتخاب کیا جس پر چل کر اس نے صرف خود خاطروں کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ اس نے دوسروں کو بھی اس خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔

اگر انسان آئے دن ماحولیات سے متعلق ہونے والے تجربات کے بارے میں ذرہ برا بر بھی فکر اور تأمل کرے تو خود کو اس احساس کی گرفت میں محسوس کرے گا جو اس کی اپنی ایجاد ہے۔

۱- مقام معظم رہبری، ماحولیاتی حقوق کے پہلے کا اجلاس کے نام پیغام، ڈیلی ایران، ۱۳۸۲/۳/۲۲،
 ۲- عبدالله جوادی، ڈیلی، دین سے بشر کی توقعات، اسراء، قم، ۱۳۸۰، جس/۱۹۱

پوری دنیا میں اس خطرے سے نمٹنے کے لئے جس نے تمام انسانوں اور جانداروں کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، بے شمار کوششیں ہو رہی ہیں تاکہ اس بحرانی صورت کی شدت میں کمی لائی جاسکے۔ وہ میں الاقوامی کانفرنسوں کا انعقاد جمن میں انسانی ماحولیات کے بارے میں منعقد ہونے والی استکھلم کانفرنس اے ”ماحولیات اور اس کے تحفظ کے لئے رویا کانفرنس“ ۲

۱- یہ کانفرنس ۲۳۹۸ عمومی اجتماع میں اعلامیہ نمبر (XXIII) کی وجہ سے سوہنے کے دارالحکومت استکھلم میں منعقد ہوئی جس کا دورانیہ پانچ جون سے سوہنے جون تک تھا۔ یہ کانفرنس اس وقت تک ماحولیات کے بارے میں منعقد ہونے والی سب سے بڑی کانفرنس تھی جس میں ۱۳۱ ملکوں کے ۲۰۰ سے زائد نمائندوں، اقوام متحده کے کمپیشن اسی قدر نمائندوں، ۲۰۰ ملکی اداروں کی طرف سے مقرر کردہ ۴۰۰ نمائندوں اور ۱۵۰۰ اخباری رپورٹروں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں چند اہم دستاویزات پر دستخط ہوئے، جن میں سے اہم ترین ”ماحولیات کے بارے میں اقوام متحده کی کانفرنس کا اعلامیہ“ جس میں ماحولیات کی حفاظت کے لئے اصول بیان کئے گئے تھے اور ماحولیاتی مشکلات سے مقابلے کے لئے باہمی کاروائیوں کے بارے میں ۱۰۹ امشوروں پر شامل ایک منشور کی طرف اشارہ کیا جاستا ہے۔ رک: اون گرین، ماحولیات، ترجمہ: احمد علی خانی، تہران، ۱۳۷۹، ص ۲۰۳ سے ۳۲۳ تک، نیز: رک:

Patricia W. Bernie and Alan E Boyle . Basic Documents on International Law and Environment. clarendon press , oxford , 1996 , pp , 2 . 8

۲- موجودہ کمی کاستی اور عدم توجیہ کو دور کرنے اور تازہ شرط اپنے توجہ کے لئے استکھلم والی کانفرنس کے انعقاد کے میں سال بعد اقوام متحده نے تین جون سے لے کر چودہ جون ۱۹۹۲ء تک بر ایل کے دارالحکومت ”ریودو ڈیزیرید“ میں ”ماحولیات اور اس کے تحفظ کے لئے اقوام متحده کی کانفرنس“ کے عنوان سے ایک اور کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اعلامیہ نمبر ۲۲۸/۲۲۸ کے سب اجتماعی اجلاس کی صورت میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں ۲۷۱ ملکوں، اقوام متحده کے چھ میں الاقوامی اداروں، بیشواں ۱۱۶ اسری براہان ممالک افراد، ملکی اداروں سے تعلق رکھنے والے ۱۳۰ لوگوں اور تقریباً ۹۰۰۰ اخباری نمائندوں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں اٹھنے والے مسائل کے عنوانات حسب ذیل ہیں:
ماحولیات کی محافظت، جوائی آسودگی پر قابو، جانداروں کی مختلف اقسام کا تحفظ اضافی مواد کے استعمال کی روک تھام، زندگی کی کیفیت میں بہتری لانے کی کوششیں، انسانوں کی امنیت اور سلامتی کے بارے میں کئے جانے والے اقدامات، بھروسے اور بھیروں کی حفاظت، جنگلات کا تحفظ اور سب سے آخر میں ماحولیاتی آسودگی کی روک تھام کے لئے ضروری بجٹ کا تعین۔ اس کانفرنس میں منظور ہونے والی دستاویزات کے نام یوں ہیں:

”ماحولیات کے بارے میں اقوام متحده کی کانفرنس کا اعلامیہ، جنگلات سے متعلق اصول و ضوابط کا اعلامیہ“، ”ایکسیوی صدی کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لئے کئے جانے والے مناسب اقدامات“، ”مکورہ دستاویزات کی منظوری کے ساتھ ہی ساتھ جانداروں کی اقسام بڑھانے کا کوئی نیشن“، اور ”آب و ہوا میں تغیرات کا کوئی نیشن“ کے عنوانات سے دو اور دستاویزات کی بھی منظوری دے دی گئی۔ رک: اردو شیر امیر جمند، ”ماحولیات کی حفاظت اور میں الاقوامی تعاون“، حقوقی تحقیقاتی میگزین، ش ۱۵، گرما ۲۰۰۷ء، ص ۳۲۲-۳۳۶، اون گرین، ایضاً ص ۹، احمد لواسی، روی میں منعقد ہونے والی میں الاقوامی کانفرنس، سیاسی اور میں الاقوامی مطالعاتی ادارہ، تہران، ۱۳۷۲ء، ص ۵۲-۵۶۔

اور حال ہی میں ”جوہانسبرگ میں منعقد اجلاس“ شامل ہیں، سے اس عظیم بحراں سے نہنے کے لئے بین الاقوامی سطح پر ہونے والی کوششوں کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ تمام کوششوں دراصل اس عظیم بحراں سے نہنے کے لئے ہیں جس نے ماحولیاتی آلوگیوں اور تباہ کاریوں کے سبب پوری دنیا کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

ماحولیاتی بحراں کا سامنا کرنے کے لئے بین الاقوامی سطح پر منظور کی جانے والی دیگر مستوریات کے علاوہ ”اسکھلم کا اعلانیہ“^۳ ”ریوکا اعلانیہ“^۴ اور ”فطرت کا بین الاقوامی مشور“^۵ کے اسامے گئے جا سکتے ہیں جن کا شمار بین الاقوامی سطح پر ماحولیاتی آلوگی کے خلاف ہونے والے اقدامات میں کیا جاستا ہے۔

اس بارے میں ہونے والے اہم ترین اقدامات میں ”غیر آلوہ ما حولیات سے انسانوں کا استفادہ“ کے عنوان کے تحت انسانی حقوق شامل ہیں۔ ہم یہاں چند اقسام میں اس موضوع کا تجزیہ کرنے کی سعی کریں گے۔

انسانی حقوق اور ماحولیات کا آپس میں ربط

آئے دن بڑھتے ہوئے بین الاقوامی مسائل کا تقاضا ہے کہ آج اور آئندہ نسلوں کی بقاء کے لئے ماحولیات کی حفاظت کو کسی طرح بھی نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اس موضوع کو پوری اہمیت دی جائے تاکہ انسان ماحولیات سے کھل کر استفادہ کر سکے۔ جس کے بارے میں پیش کئے جانے والی ممکن صورتوں میں سے سب سے اہم صورت انسانی حقوق اور ماحولیات کے درمیان رابطہ ہے، کیوں کہ انسانی حقوق کی قانونی حمایت ماحولیاتی حفاظت

۳۔ ریوکا نفرنس کو دس سال گزر جانے پر جنوبی افریقا کے شہر جوہانسبرگ میں ماحولیات سے متعلق ”تریکیتی سربراہی کا نفرنس“، کے عنوان کے تحت ۲۲۶ اگست سے لے کر ۱۰ ستمبر ۲۰۰۲ء تک ایک اور بڑی کا نفرنس منعقد ہوئی جس کا ہدف ریوکا نفرنس کے موقع پر ٹینے والے دین و ستور پر عمل درآمد کے بارے میں تحقیقات کرنا تھا۔ اس کا نفرنس میں غربت سے مقابلہ کرنے کے طریقوں، ماحولیاتی تباہ کاریوں، اجتماع کی آزادانہ ترقی اور ماحولیات سے متعلق دیگر موضوعات کا تجزیہ اور مطالعہ کیا گیا۔ کا نفرنس کے آخر میں ماغدات پر عمل درآمد کرنے کے بارے میں ایک قرارداد بھی منظور کی گئی۔ www.johannesburg-summit.org

۴۔ اعلانیہ کے فارسی متن کے مطالعے کے لئے دیکھئے: رک اد شیر امیر ارجمند، ایضا، جم ۲۲۱ سے ۲۲۹ تک اور انگریزی متن کے مطالعے کے لئے دیکھئے:

Patricia W. Bernie and Alan E Boyle , Op. cit , pp, 2 - 8

۵۔ فارسی متن کے مطالعے کے لئے دیکھئے: ایضا، جم ۲۳۱ سے ۲۳۶ تک اور انگریزی متن کے مطالعے کے لئے دیکھئے: Ibid , pp

. 9 - 14

Ibid , pp . 15 - 20 - ۱



کا پیش خیہ ثابت ہو سکتی ہے۔ انسانی حقوق جیسے زندگی گزارنے کا حق، آزادی بیان، سیاسی مشارکت اور مساوات، یعنی الاقوامی قوانین کے وہ آلات و اوزار ہیں جو ماحولیات کی حفاظت کو سب سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔ اسی لئے بعض قانون دانوں کا کہنا ہے کہ ماحولیات کو تباہ کرنے والے ان عناصر سے نجٹنے کے لئے جن کی موجودگی نے انسانوں کو گھنگھار بنا رکھا ہے، انسانی حقوق کے دائرہ کار میں ”محولیاتی حقوق“ یا ”مناسب، غیر آسودہ اور پر امن ماحولیات سے استفادے کے حق“،^۱ کی بنا پر ایک نئے حق کا اضافہ کر دیا جائے۔^۲

یہ نیا اضافہ شدہ حق نہ صرف تمام لوگوں کے لئے ایک پر امن اور غیر آسودہ ماحولیات کی ضمانت دیتا ہے بلکہ تمام افراد کپنیوں، اداروں اور ملکوں کو بھی اس بات کا پابند بنتا ہے کہ وہ ہر اس فعل اور عمل سے خود کو دور رکھنے کی بھرپور سعی کریں جس سے ماحولیات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

غیر آسودہ ماحولیات سے استفادہ اپنی ذات میں چند اور نکات کا بھی حامل ہے، جیسے:

ماحولیات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حق، ماحولیات سے متعلق مسائل کے علم کے حصول کا حق، ماحولیات کے بارے میں مسائل سے نجٹنے کے لئے فیصلے کرنے کا حق اور ماحولیات کو نقصان پہنچنے کی صورت میں اس کی بھرپائی کا حق وغیرہ۔

ماحولیات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حق جہاں ایک طرف اس موضوع سے متعلق لوگوں کی معلومات جمع کرنے کی جانب اشارہ کرتا ہے، وہیں دوسری طرف حکومتوں پر عائد ذمہ داری یعنی لوگوں کو یہ معلومات فراہم کرانے کی جانب بھی اشارہ کرتا ہے۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ افراد کے حقوق کی ضمانت کے لئے سب سے لازمی شرط ان کا ماحولیات کے بارے میں معلومات جمع کرنا ہے جو اس بارے میں کئے جانے والے فیصلوں پر عمل در آمد کے لئے بھی سب سے لازمی شرط ہے۔ کیوں کہ ماحولیات پر اثر انداز ہونے والے عوامل سے آشنا اور آگاہی صرف اسی وقت ممکن ہے جب انسان اس موضوع سے متعلق اطمینان بخش معلومات رکھتا ہو۔ اس مرحلے کی تکمیل کے بعد ہی ہر آدمی ماحولیات کے بارے میں کئے جانے والے فیصلوں میں اپنی شرکت کا ثبوت دے سکتا ہے۔



Right to Environment ۱-

Right to Decent , Healthful and safe Environment ۲-

۳۔ ر۔ ک: علی رضا پارسا، ماحولیات اور انسانی حقوق، سیاسی اور اقتصادی اطلاعات، ش ۱۳۵۱ اور ۱۳۶۲، ص ۱۳۰

غیر آزادہ ماحولیات کے دائرہ کار میں ایک اور قابل ذکر حق، اس موضوع کے مسائل کے بارے میں لوگوں کو تعلیم دینا ہے۔ حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ شہریوں کو اس کی تعلیم دیں اس مقصد کے لئے کتابوں، اسکولوں اور عام ذرائع ابلاغ کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ماحولیات کو نقصان پہنچنے کی صورت میں اس کی بھرپائی کا حق بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے جس کے مطابق ہر شہری کا مکمل نقصان کی بھرپائی کرنے کے لئے عدالتوں تک رسائی حاصل کرنا اشد ضروری ہے۔ آج دنیا کے اکثر ویژہ مالک اور بین الاقوامی اداروں نے غیر آزادہ ماحولیات سے اسفادے کی اہمیت کو تسلیم کر لیا ہے اور اس موضوع نے بین الاقوامی دساویزات ۲ اور ممالک کے بنیادی قوانین ۳ میں اپنی جگہ بنالی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حق کے بارے میں ابھی تک کوئی خاص تعریف سامنے نہیں آئی لیکن شاید اتنا کہا جاسکتا ہے کہ غیر آزادہ ماحول سے مراد ایسا ماحول ہے جس میں کم و بیش زندگی لزارنے کے تمام ضروریات موجود ہوں۔

اسلام اور ماحولیات:

دین اسلام دنیا کے تمام ادیان کی نسبت سب سے مکمل دین ہونے کے ناطے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ انسان کی آئے دن بدلتی ہوئی ضروریات پوری کرنے اور اس کے ہر نوع کے رابطوں کے لئے قوانین معین کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، چاہے ان ضروریات اور رابطوں کا تعلق کسی بھی عصر اور زمانے سے کیوں نہ ہو۔ یقیناً اس کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ اب ہر موضوع کے لئے انسان اسلام میں اس کے بارے میں کسی خاص عنوان کے تحت مفصل بحث تلاش کرنے لگے بلکہ اسلام میں بہت سے ایسے اصول و قواعد ہیں جو مختلف موضوعات اور مسائل کے

۱۔ ر۔ ک: گودرز افتخار جہری، ”ماحولیات پر حق، ماحولیات کے بارے میں معلومات کے حق پر تاکید کے ساتھ ماحولیاتی حقوق کے بارے میں اولين کافنفرنس، تهران، ۱۳۸۲ء، ص ۱۴۷ تک۔

۲۔ بطور مثال بین الاقوامی قرارداد بارے باہمی حقوق کی تیسری صورت گردی سے پہلے، اتفاقی اعلامیہ اور بیمن رائٹس کے افریقی منتشر اور امریکی کوپیشن برائے حقوق بشر کے الحاقی پروٹوکول کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ ۲۰ سے زائد ممالک کے بنیادی ترین قوانین (جس کا آخری برسوں میں منظوری دی گئی) نے بطور سمیت اس حق کو قبول کیا ہے۔ مثال کے طور پر یوکرائن کے ۵۰ منظور شدہ قوانین (۲۷ جون ۱۹۹۶ء) کے ایک اصول کے مطابق، ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ ایک پر امن اور سالم، اور ماحول کے غلط استفادے کے لئے ادا کئے جانے والے نقصان سے استفادہ کرے ”میقول از دیناہ شاتوان، بین الاقوامی ماحولیاتی حقوق کے ادب اور اداری کائن، ترجمہ: محمد حسن جیبی، پبلشرز تہران یونیورسٹی، ۱۳۸۱ء، ج ۲، ص ۳۱۹۔

حل میں ہماری مذکور سکتے ہیں۔

انھیں موضوعات میں سے ایک موضوع ماحولیات ہے۔ جدید ماحولیات ایک بالکل تازہ بحث ہے جس کا ذکر نہ تواب سے پہلے اسلام میں آیا ہے اور نہ کسی اور جگہ۔ اس کے باوجود دینی متون میں سے اس کے لئے قوانین اور مقررات اخذ کے جاسکتے ہیں اور نتیجہ میں ایک جامع ماحولیاتی مکتب کی داعیٰ میں ڈالی جاسکتی ہے۔

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

﴿مَا فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ۲

”ہم نے کتاب میں کسی شے کے بیان میں کوئی کمی نہیں کی ہے“

خداوند عالم، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ایک اور جگہ یوں فرماتا ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾

”اے پیغمبر! ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شی کے بارے میں مکمل بیان کیا گیا ہے“

امام جنف صادق علیہ السلام کی جامعیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

”خداوند تعالیٰ نے قرآن میں ہر چیز کے بارے میں بتایا ہے۔ خدا کی قسم، اس نے کسی بھی ایسی چیز کا تذکرہ کئے بغیر نہیں چھوڑا جس کی لوگوں کو ضرورت ہو، تاکہ کل کوئی یہ نہ کہے کہ اگر فلاں مطلب صحیح ہوتا تو اس کا ذکر قرآن میں آتا۔ آگاہ رہو کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کی تمام ضرورتیں قرآن میں نازل کی ہیں۔“

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

”خداوند عالم نے ہر اس چیز کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے جو اس امت کی ضروریات میں شامل ہے، نیز اس نے یہ چیزیں اپنے رسول کے لئے بھی بیان کی ہیں اور ہر چیز

۱- ر-ک: ابوالقاسم گرجی، اسلام اور ماحولیات، نور علم میگرین، شمارہ ۲۶، خرداد ۱۳۶۳، ص ۱۵۵

۲- انعام ۳۸/۲

۳- ان الله تبارك و تعالى انزل في القرآن تبيان كل شيء...، عبد علي بن جعفر الجوزي، تفسير نور الشفدين، دار الكتب العلمية، ہجری ۱۴۲۲، ج ۲، ص ۷۷، مجری تقویب الکلینی، اصول اکافی، دار التعارف للمطبوعات، ۱۴۲۱، ج ۱، ص ۱۱۳

کے لئے ایک مقرر کردی ہے اور اس کے لئے ایک روشن دلیل قرار دی ہے اور مقررہ حدود کو پال کرنے والوں کے لئے سزا نہیں مقرر کردی ہے۔^۱

ان آیات و روایات کی روشنی میں یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا ذکر آیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ قرآن انسان کی تربیت کرنے والی کتاب ہے جو اپنے مادی اور معنوی پہلوؤں سے انسانوں اور معاشروں کے ارتقاء کے لئے نازل ہوئی ہے، یہ بات بھی صحیح میں آتی ہے کہ یہاں ”تمام چیزوں“ سے مراد وہ تمام امور ہیں جو انسانوں کی ہدایت کے لئے لازم اور ضروری ہیں۔^۲

دنیا و آخرت میں انسان کی سعادت اور کمال کے لئے ضروری امور میں سے ایک امر پاک اور غیر الودہ ماحول کا ہونا بھی ہے جس کے زیر سایہ انسان اپنی جسمی اور روحی تربیت کے لئے سعی کر سکے۔ انسان کی انتہائی اہم ذمہ دریوں میں شامل اس کی اپنی جان کی حفاظت کا تصور ایک سالم ماحول کے بغیر ممکن نہیں، کیوں کہ ایک سالم روح کے لئے سالم جسم کا ہونا اشہد ضروری ہے جس کا حصول ایک پاک اور پاک صاف ماحول سے مشروط ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اس عظیم دنیا کا ایک حصہ ہے اور دنیا کی تمام مخلوقات اور مظاہر فطرت اور ماحول سے وابستہ ہے۔ اس وابستگی اور رابطہ کو دوام بختنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ فطرت اور ماحول سے اپنا یہ رابطہ منظم طور پر برقرار کرے۔ اسلام نے اس بارے میں انتہائی مفید اور بنیادی طریقوں سے آشنا کیا ہے۔^۳ اس طرح کہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں فطرت اور ماحول کے بارے میں تفکر کرنے کے انتہائی صحیح طریقوں کا تعین ہوا ہے۔^۴

دینی متون مجملہ قرآن کریم کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا ممکن ہو جاتا ہے کہ ماحول سے انسان کے صحیح استفادے اور اس کے کمال کے پیش نظر ماحول کا تحفظ اسلام کے اہم ترین اہداف میں شامل ہے۔

قرآن میں آنے والی بہت سی آیات اس پر روشنی ڈالتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں یہ آیات چند گروہوں میں ہی ہوئی ہیں، جن کی طرف ہم یہاں اشارہ کرتے ہیں:

۱- محمد بن یعقوب الکلبی، اینشا، ج ۱۳، ص ۱۱۳

۲- انصار الدکارم شیرازی اور دیگران، تغیر نونہ، دارالکتب الاسلامیہ، تہران، ج ۱۱، ن ۹، ص ۳۶۱

۳- محمد ربانی، اسلامی تعلیمات اور الہامات کی روشنی میں غیر آسودہ ماحول سے مناسب استفادہ، اسلامی کا نگریں اور ماحولیات کے بارے میں مقالات کا مجموعہ، ماحولیات کا مجموعہ، ماحولیاتی تحفظ کا ادارہ، تہران ۱۳۸۷، ج ۲۲۳، ص ۲۲۳

۴- مقام مظہم رہبری، اینشا، ج ۱۱، ص ۷

۳۔ ماحول پر تمام انسانوں کا حق سمجھنے والی آیات:

ان آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فطرت اور ماحول کو تمام انسانوں کے لئے خلق کیا ہے اور انسانوں کو اس سے استفادہ کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے اور یہ حق تمام زمانوں میں تمام انسانوں کے لئے مخصوص ہے۔

سورہ بقرہ میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً ۝ ۲۷ ۝ ﴾

”وہ خدا وہ ہے جس نے زمین کے تمام زخیروں کو تم ہی لوگوں کے لئے پیدا کیا ہے۔“

اس آیت میں زمین میں پائی جانے والی تمام چیزوں سے استفادہ کرنے کو تمام زمانوں میں تمام انسانوں کا حق مانا گیا ہے اور دیگر انسانوں کے حقوق کی رعایت اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے صحیح اور اصولی طریقے سے استفادہ کرنے کی ضرورت کا ذکر ہے۔

وَلَقَدْ مَكَنَّا لَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشٌ

”یقیناً، ہم نے تم کو میں میں اختیار دیا اور تمھارے لئے سامان زندگی قرار دیئے۔“

اس آیت میں بھی انسان کو روئے زمین پر حاصل توانائیوں اور اس کی امتیازی حیثیت کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ زمین پر اس کے زندگی گزارنے کے وسائل بھی فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ انسان کے روئے زمین پر زندگی گزارنے کے لئے غیر آسودہ ماحول کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے فطرت کو انسانوں کی زندگی کا لازمہ قرار دیا ہے۔

سورہ رحمٰن کی آیت نمبر ۱۰ کے مطابق:

الارض و ضعها للانام

”اور اسی نے زمین کو تمام انسانوں کے لئے وضع کیا ہے۔“

۱۱۵/ص، ایضا، گرجی، ابوالقاسم رک

۲۹/۵-بقر

۳-اعراف

۲۰۱/جمن

اس آیت کریمہ کی بنا پر زمین اور اس کے ماحول پر تمام انسانوں کا حق ہے اور تمام انسانوں کو جائز ہے کہ اس سے استفادہ کریں ان حقوق سے استفادہ کی روشن کچھ ایسی ہوئی چاہئے کہ اس سے آنے والی نسلوں کے حقوق کو نہ صرف نقصان نہ پہنچ بلکہ ان کا تحفظ بھی ممکن ہو۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جب نبی نوحؐ انسان کے لئے کسی حق کی بات آتی ہے تو اس کے ساتھ ہی خود بخود ایک ذمہ داری بھی سامنے آتی ہے۔ دوسرا لفظوں میں حق اور ذمہ داری ایک سکے کے دروغ ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ماحول سے انسان کے استفادہ کرنے کو بولیت عام کا شرف حاصل ہے، تو یہ خود اس بات کی علامت ہے کہ اس بارے میں انسان پر ایک ذمہ داری بھی عائد کردی گئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اس حق سے کچھ اس طرح استفادہ کرے کہ اس کے اس عمل سے دوسروں کے حقوق پامال نہ ہوں، اسی طرح جب انسان اپنے حق سے استفادہ کرتا ہے تو اس کے استفادے کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

۲۔ قرآن کی وہ آیات جو ماحولیاتی عناصر کی تخلیق کا مقصد انسانوں کے اس سے

استفادے کو قرار دیتی ہیں:

آیات کے اس گروہ میں جب خداوند تعالیٰ ماحولیاتی عناصر کا ذکر فرماتا ہے تو انسانوں ہی کی خاطر اس کی تخلیق پر تاکید کرتا ہے۔
سورہ نحل میں فرماتا ہے:

﴿وَالْأَنْعَامُ خَلْقُهَا لَكُمْ فِيهَا دِفَءٌ وَّ مَنَافِعٌ وَّ مِنْهَا تَأْكِلُونَ﴾
”اور اسی نے چوبیوں کو بھی پیدا کیا جن میں تمہارے لئے گرم لباس اور دیگر منافع کا سامان ہے اور بعض کو تو تم کھاتے بھی ہو،“
اسی سورہ کی ایک آیت میں فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تَسِيمُونَ﴾
”وہ وہی خدا ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے جس کا ایک حصہ پینے والا ہے اور ایک حصہ سے درخت (اور سبزے) پیدا ہوتے ہیں جن میں تم جانوروں کو چراتے ہو،“



اگلی آیت میں فرماتا ہے:

﴿يَنْبَتُ لَكُمْ بِالزَّرْعِ وَالرِّيزُونُ وَالنَّخِيلُ وَالاعْنَابُ وَمِنْ كُلِّ الشَّمَراتِ أَنْ فِي ذَالِكَ لَا يَةٌ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ۱

”وَهُنَّمَّارَ لَنَّ زَرَاعَتْ، زَيْنَ، خَرْمَ، اَنْجُورَ اَوْ تَامَّ بَچَلَ اَسَى پَانِي سے پیدا کرتا ہے۔ اس امر میں بھی صاحبان فکر کے لئے اس کی قدرت کی نشانیاں پائی جاتی ہیں“
قرآن میں موجود ان جیسی آیات (جن کی تعداد بہت زیادہ ہے) میں ایک ہی پیغام دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین پر موجود تمام ماحولیاتی عناصر اس لئے ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھائے۔ بیشک کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انسانوں سے یہ خدا دادی حق چھیننے کی کوشش کرے۔

لَكُمْ: تمہارے لئے، النَّاسُ: لوگ اور الْأَنَامُ: جیسی قرآنی تعبیریں صاف طور پر انہی مطالب کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ تعمیں تمام انسانوں کی مشترکہ میراث ہیں (یہاں مذہب، جنسیت اور تمیت وغیرہ جیسے تمام عوامل ہے معنی ہر کروہ جاتے ہیں) اور تمام لوگ خداوند تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جانے والی اس اہم نعمت سے استفادہ کر سکتے ہیں اور انھیں کمکل اختیار حاصل ہے کہ اس کی پناہ میں ایک پر امن اور سالم زندگی بسر کریں۔

۵۔ وَهُنَّمَّارَ آیاتِ جَنِ میں ماحول اور اس کے عناصر کے انسان کے لئے مسخر

ہونے کا ذکر آیا ہے:

قرآن کی بعض آیات ایسی ہیں جن میں ماحولیاتی عناصر کے لئے لفظ ”تَسْخِير“ کا استعمال ہوا ہے۔ ان آیات میں چاند، سورج، بارش اور طوفان، پہاڑوں اور دروں، جنگلات اور سبزہ زاروں، حیوانات وغیرہ کے انسان ان تمام چیزوں سے استفادہ کرتے ہوئے ایک سعادتمندانہ زندگی گزار سکے۔

قرآنی لغت میں لفظ ”تَسْخِير“ کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں: پہلے معنی کے مطابق تمام چیزیں انسان کی خدمت میں کربستہ بتائی جاتی ہیں جیسے سورج، چاند ریا اور روز میں، نیز دیگر موجودات جن کا زمام اختیار انسان کے ہاتھوں میں ہے۔ ۲

۱۔ نخل ۱۱

۲۔ ناصر مکارم شیرازی اور دیگر، ایضاً، ج ۱۰، ص ۳۵۶

اس سے پہلے کہ ہم انسان کی فطرت سے استفادے کے بارے میں بیان کریں، چند نمونوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

سورہ خل میں خداوند و نعمت عالم فرماتا ہے:

﴿ وَسَخَّرَ لِكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ ﴾

بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَا يَاتِ لِقَرْمٍ بِعْقِلُونَ ﴾۱﴾

”اور اسی نے تمھارے لئے دن، رات اور آفتاب و ماہتاب سب کو مسخر کر دیا ہے اور

ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں بے شک اس میں بھی صاحبانِ عقل کے لئے

قدرت کی بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں“

ایک اور سورہ میں یوں فرماتا ہے:

﴿ وَسَخَّرَ لِكُمُ الشَّمْسَ وَالقَمَرَ دَائِبِينَ وَسَخَّرَ لِكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴾ ۲﴾

”اور تمھارے لئے حرکت کرنے والے آفتاب و ماہتاب کو بھی مسخر کر دیا ہے اور تمھارے لئے رات اور

دن کو بھی مسخر کر دیا ہے“

ایک اور جگہ یوں اشارہ کرتا ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَوْ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ

عَلَيْكُمْ نِعْمَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٌ مُّبِينٌ ﴾ ۳﴾

”کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو

تمھارے لئے مسخر کر دیا ہے اور تمھارے لئے تمام ظاہر اور باطن نعمتوں کو مکمل کر دیا ہے

اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو علم وہدایت اور روشن کتاب کے بغیر خدا کے بارے

میں بحث کرتے ہیں:



پہلی آیات میں بیان ہونے والے مضامین سے ملتے جلتے ایک اور مضمون میں فرماتا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ
بِأَمْرِهِ وَيُنْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمھارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو سخر کر دیا ہے اور کشیاں بھی دریا میں اسی کے حکم سے چلتی ہیں اور وہی آسمانوں کو روکے ہوئے ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر میں پہنیں گر سکتا ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے“

اور ان جیسے کئی دیگر موارد

ان آیات کے بارے میں استاد شہید مطہری فرماتے ہیں:

”قرآن میں چاند، سورج، رات، دن، دریاؤں، پہاڑوں، ہوؤں اور آسمان و زمین میں موجود تمام چیزوں کو تنظیر کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ان تمام موارد کا مقصد صرف یہ کہ کھانا ہے کہ تمام چیزوں کی تخلیق صرف انسان کے ان سے استفادے کے لئے ہوئی ہے“ ۲

اوپر بیان ہونے متوں سے واضح ہوتا ہے کہ فطرت اور ماحول کو ہر دور میں تمام انسانوں کی مشترکہ میراث کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسی لئے جہاں خداوند عالم نے انسانوں کو اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ وہ فطرت اور ماحول سے فائدہ اٹھائے، وہیں اس پر یہ ذمہ داری بھی عائد کر دی ہے کہ وہ ماحول اور فطرت سے صحیح فائدہ اٹھائے کیوں کہ اگر خداوند عالم نے یہ چیزیں انسان کے تصرف کے لئے قرار دی ہیں تو اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی ترقی، آسائش اور آرام کے لئے ان سے استفادہ کرے اس لئے جب انسان فطرت سے اپنے استفادہ میں شدت اور زیادہ روی سے کام لیتا ہے تو اسے یہ جان لینا چاہئے کہ اس نے خدا کی طرف سے مقرر کردہ قوانین کا پاس نہ رکھتے ہوئے اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی ہے اور نہ صرف خود بلکہ دیگر لوگوں کو بھی دنیا اور آخرت کی سعادت کے راستے میں ترقی سے روکنے کا باعث بن گیا ہے۔

۱۵

۲۱۔ مرتضی مطہری، مقدمہ ای بر جہان بینی اسلامی، صدر ا Tehران، ۱۳۷۲ء، ج ۲، ص ۵۷

مثال کے طور پر علوم و فنون وہ اہم ترین اوزار ہیں جو انسان کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ فطرت پر حکمرانی کر سکے۔ تمام علمی اور فنی کوششوں کا ہدف یہ ہے کہ اس طرح انسان امن و سکون سے بھر پورا یک خوشحال زندگی کے حصول کے لئے ماحول اور فطرت سے استفادہ کرے۔ لیکن اگر انسان اپنی اس کوشش میں زیادہ روی اختیار کرے تو وہ خود ہی نہ صرف مشینی اور صنعتی زندگی کے قہر کا شکار ہو جائے گا بلکہ ان کا مغلوب ہو کر رہ جائے گا۔ یہ وہی نکتہ ہے جس کا مشاہدہ آج کی زندگی میں ہر طرف کیا جا رہا ہے اور یقیناً یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ کیوں کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان ہمیشہ طبیعت پر غالب آئے، لیکن انسان کی اپنی زیادہ روی کی وجہ سے اس کے سارے کام کچھ اس طرح خراب ہو رہے ہیں کہ اس کی سلامتی امن اور انسانیت صنعتی اور مشینی زندگی کے بھول بھلیوں میں گھر کر رہ گئی ہے۔

ان سب کے باوجود ماحول سے استفادے کی روشن کچھ یوں ہوئی چاہئے کہ یہ ایک بہتر زندگی گزارنے اور انسان کی جسمانی اور روحانی ضروریات پوری کرنے میں معاون ثابت ہو۔^۱ دوسرے لفظوں، ماحول سے استفادے کی رہنمائی کرے۔ اس لئے ماحول سے اپنی مرضی سے اور یہ سوچے بغیر کہ یہ تمام نعمتیں اصل ہدف نہیں بلکہ صرف وسیلے ہیں، استفادہ کرنا خود حق سے انسان کی روگردانی اور اس راہ پر اس کی گمراہی کی وجہ ہے۔ انسان کو ایک با اختیار مخلوق کے طور پر اس واقعیت کے آگے سرتسلیم ختم کر دینا چاہئے کہ جس طرح زمین اس کی جسمانی نشونما کا مرکز ہے، اسی طرح یہ اس کی معنوی اور روحانی نشونما کا مرکز بھی ہو۔ چوں کہ اس کی روحانی نشونما کا تعلق اختیاری اور ارادی امور سے ہے، اس لئے اس پر واجب آتا ہے کہ وہ اس عالی ہدف سے نہایت سوچ سمجھ کر استفادہ کرے۔^۲ کیوں کہ روحانی اور معنوی تکمیل ایک پاک صاف ماحول کے بغیر ممکن نہیں۔

۶۔ ماحول پر حق، خود بخود انسان پر ذمہ دار یاں عائد کر دیتا ہے:

جیسا کہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ انسان کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ ماحول سے استفادہ کرے۔ ہماری اس بات کی تائید مذکورہ بالا قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے۔ بیان ہم جو کہتے بیان کرنے جا رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر حق کے ساتھ ایک ذمہ دار بھی فرض ہو جاتی ہے اور وہ ذمہ داری یہ ہے کہ انسان اپنے اس حق سے صحیح طور پر



۱۔ رک: محمد جواد بابنہ، انسان دخود سازی، محقق از: صادق اصغری لفجی، اسلام میں ماحولیاتی بنیادوں کی حفاظت۔

۲۔ محمد بنی، ایضا، ص ۲۳۳، ۲۰۰۷ء

۳۔ صادق اصغری لفجی، ایضا، ص ۹۲، ۲۰۰۷ء

استفادہ کرے اور خود کو ہر اس عمل سے دور رکھنے کی بھروسہ کرے جو دوسرا نے انسانوں کو اپنے اس حق سے محروم کرنے کا سبب بن سکتا ہو۔

اس بارے میں رہبر معظم انقلاب فرماتے ہیں:

”اسلام کے اعلیٰ اہداف میں تمام انسانوں کو خداوند عالم کی نعمتوں سے مالا مال کرنا، ایک صحت مند معاشرے کی ایجاد، طبقاتی فاصلے مٹانے اور اس کی نشوونما میں شامل ہیں ساتھ ہی اس نے طبیعت کے تکھوں سے صحیح اور متوازن استفادے، زیادہ روی سے بچنے اور دوسروں کے حقوق کو پامال نہ کرنے کے لئے بعض حدود اور پابندیاں بھی مقرر کر دی ہیں۔“^۱

اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ انسان فطرت اور ماحول سے استفادہ کرنے میں مکمل طور پر آزاد نہیں بلکہ اس پر کچھ پابندیاں مقرر کر دی گئی ہیں جن کی پاسداری اس پر لازم ہوتی ہے۔ ان پابندیوں میں دوسروں کو تقصیان نہ پہنچانا، دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا اور آنے والی نسلوں کے حقوق کی حفاظت شامل ہیں۔ ایمان اور اسلامی اخلاق کا شماران عوامل میں ہوتا ہے جو انسان اور فطرت کے مابین پر امن تعلقات کے قیام میں مفید کردار ادا کرتے ہوئے انسان اور ماحول کی سلامتی اور شادابی پر مثبت ہو سکتے ہیں۔

اس بنا پر خداوند عالم نے قرآن کریم میں جہاں انسانوں کو فطرت سے استفادے کی اجازت دے رکھی ہے، وہاں اس پر زمین کی ترقی سے متعلق پابندی بھی عائد کر دی ہے۔

سورہ ہود میں آیا ہے:

﴿وَإِلَىٰ ثُمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمَ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَهٌ غَيْرُهُ هُوَ أَنَشَأَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي فَرِیبٌ مُّجِیبٌ﴾

”اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا اور انہوں نے کہا: کہ اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمھارا کوئی خدا نہیں ہے اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اس میں آباد کیا ہے اب اس سے استغفار کرو اور اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

۱- رہبر معظم انقلاب ایضا، ص/۲



کہ میرا پروردگار قریب تر اور دعاوں کو قبول کرنے والا ہے،
اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ما حول کی حفاظت، ارتقاء اور اس کی آباد کاری اکا خیال رکھنا انسان کی ذمہ
داریوں میں شامل ہے اور ما حولیاتی ترقی کے منافی کوئی بھی عمل انجام دینا منع ہے۔

مذکورہ آیت میں سب سے باریک نکتہ یہ ہے کہ یہاں خداوند عالم نہیں فرماتا ہے کہ زمین کو خدا نے آباد
کر کے اسے تمہارے اختیار میں دے دیا ہے، بلکہ فرماتا ہے کہ زمین کی ترقی تمسیح سپرد کردی گئی ہے۔ اس لئے
انسان پر زمین کی ترقی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس سے قرآن کا مطلب یہ ہے کہ ما حول کی تخریب اور
اسے نیست و نابود کر دینا استکامہ اور ترقی کے منافی ہے، اس لئے ان سے بچنا چاہئے۔

قرآن کریم نے تعمیری رفتار اختیار کرنے پر بار بار تاکید کی ہے جن میں زمین کی ترقی نیز فطرت اور
ما حول کی حفاظت شامل ہیں۔ ساتھ ہی قرآن نے فساد کا سبب بننے والی روشن اختیار کرنے سے روکا ہے۔ قرآن میں
اکثر موقعوں پر لفظ ”صلاح“، ”لطف“، ”فساد“ کے مفہوم کے طور پر آیا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَةَ

اللهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴾۲﴾

”اور بخیر دار! زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پیدا کرنا اور خدا سے ڈرتے ڈرتے اور

امیدوار بن کر دعا کرو کہ اس کی رحمت صاحبان حسن عمل سے قریب تر ہے،“

بیشک ما حول کی تخریب، اس کو آلودہ کرنے اور سرے سے نابود کرنے کا شمار روئے زمین

پر فساد برپا کرنے والے اہم ترین عناصر میں ہوتا ہے۔ درج بالا آیت کی طرح کئی دیگر

آیات میں بھی لفظ ”فساد“، ”فی الارض“، ”فی الأرض“ کے ساتھ استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق فطرت

اور ما حول پر بھی ہوتا ہے اس لئے قرآن کریم ما حول اور فطرت کے عناصر کا ذکر کرتے

ہوئے ان کی تخریب اور نابودی کو فساد سمجھتا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے



خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا تَوَلَّ مِنْهُ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ
وَاللَّهُ لَا يِحْبُّ الْفَسَادَ﴾

”اور جب آپ کے پاس سے منہ پھیرتا ہے تو امین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کھیتوں اور نسلوں کو برپا کرتا ہے جب کہ خدا فساد کو پسند نہیں کرتا“

درج بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد کے معنی بہت وسیع ہیں جس میں ہر طرح کی ویرانگری، انحراف اور ظلم شامل ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی بھی قسم کی تخریب اور ویرانی کو جو نظام آفرینش کو خطرے میں ڈال دے، فساد کہا جاتا ہے۔ خلقت کے نظام کی ایک صورت فطرت اور ماحولیات کا نظام ہے جن کی کسی بھی طرح کی تخریب اور برپا دی کی ذکر کردہ آیات میں شدید طور پر ممانعت کی گئی ہے۔ اس رو سے ہر وہ روش اور رفتار جو آخر کار ماحولیاتی فساد اور تخریب پر منجھ ہو، اسلام کے عالی تعلیمات سے متصادم ہوتے ہوئے اسلام میں منع ہے اس بنا پر انسان کو چاہئے کہ وہ ماحول سے استفادے کے دوران کسی بھی فساد برپا کرنے والے اور غیر اصولی عمل سے پرہیز کرے۔

پس اگر انسان کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ وہ ماحول سے استفادہ کرے، اس کے باوجود اسے چاہئے کہ وہ دوسروں کے لئے بھی اس حق اور اختیار کا قائل ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ ماحول سے کسی قسم کا غلط استفادہ کر کے دوسروں پر ان کے لئے خدا کی طرف سے مقرر کردہ اس حق سے استفادے کے راستے بند کر دے۔

آخری بات

انسان کو چاہئے کہ وہ دنیا کا ایک جزو اور حصہ ہونے کے ناطے خداوند عالم کی دیگر مخلوقات کے ساتھ تعاوون کرے۔ انسان فطرت اور ماحول کی گود میں آنکھ کھلاتا ہے، میہیں اس کی پرورش ہوتی ہے اور درحقیقت، دنیا یہی کو انسان کا گھوارا کہنا چاہئے۔ اس نے انسان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ان سے استفادہ کرتے وقت خیال رکھے کہ میہیں اس کے باقیوں انھیں نقصان پہنچے۔

ایسی آیات اور روایات کی تعداد بہت زیادہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے ماحول کو

انسان کے لئے بنایا ہے اور اسے اختیار دیا ہے کہ وہ اس میں کسی بھی طرح کے تصرف سے کام لے۔ لیکن دوسری طرف یہ تاکید بھی کی ہے کہ ماحول سے استفادہ کرنے کا حق صرف ایک نسل سے مخصوص نہیں۔ اس لئے اس حق سے استفادے کی روشن کا اصولی اور عادلانہ ہونا ضروری ہے تاکہ نہ صرف موجودہ نسل بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی ایک کامل زندگی سے استفادہ کرنے کا موقع فراہم آسکے۔ پس یاد رہے کہ اس حق سے کسی بھی طرح غلط استفادہ کرنا منع ہے جو ماحول کی آسودگی، اس کی تخریب اور نتیجہ میں دوسروں۔ باخصوص نوجوانوں۔ کو ان کے اس حق سے محروم کرنے کا سبب بنے۔



مسلمانوں کی زندگی پر توحید کے اثرات

افکار اقبال پر ایک اجمالی نظر

بیشراحمد بٹ (کوثری)

مقدمہ:

ستیزہ کا رہا ہے ازل سے تا امروز چاغِ مصطفوی سے شرارِ بولہمی

(کلیاتِ اقبال اردو، بانگ درا، ص ۲۷۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ آغازِ خلقت سے آج تک اس مادی عالم میں حق و باطل کی معركہ آرائی جاری ہے اور ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس معركہ آرائی میں ہمیشہ حق ہی، باطل کو مٹا کے میدان سر کرتا آیا ہے اسی حق و باطل کی معركہ آرائی میں سرفہرست توحید اور شرک کا معركہ ہے تو حیدر گھنی حق ہے اور شرکِ محض باطل کا نام ہے باقی جتنے بھی حق و باطل کے مصادیق نظر آتے ہیں وہ یا تو توحید کی علامات میں سے ہیں یا پھر باطل کی نشانیوں میں سے۔ میرا مقصد نہ توحید اور شرک پر تقاضی بحث و تمہیں کرنا ہے اور نہ حق و باطل کی معركہ آرائی کے تاریخی ادوار کا جائزہ لینا ہے بلکہ گزشتہ صدی میں باطل طاقتوں کے خلاف صدائے حق بلند کرنے والے ایسے حکیم الامم کے افکار میں توحید ناب کے اس بپلو پر روشنی ڈالنا مقصود ہے جس کی برکت سے مختلف نوعیت کے آفاتی اور عالمگیر آثار و نما ہوتے ہیں جو کائنات کے ذرے ذرے کو اپنی گرفت میں لے سکتے ہیں۔ خالص اسلامی تصورات کی یہ صدائے حق شاعری کی شکل میں فلسفیہ رنگ اوڑھ کے عالم اسلام کے شاہین کا جگہ رکھنے والے ایسے مردمون

کی کلیج سے نکلی جس کی زندگی کا ہر لمحہ مسلمانوں کو صحیح اسلامی فکر اور سوچ کی جانب گامزن کرنے میں گزر گیا۔ یہ عالم اسلام کے اقبال کی صدائے امت مسلم کے ایک در دمدا اور در د آشنا حکیم کی آواز ہے جو حق و حقیقت کا مرید ہے، توحید ناب کا شیدایی ہے جو حق و حقیقت کی راہ میں قربان ہونا پسند کرتا ہے اسکی نگاہ میں توحید حق ہے اور ہر دوسری حقیقت کی بنیاد توحید پر ہی قائم ہے تو حیدر پرستوں نے ہمیشہ سے باطل کے خلاف ہونے والی معمر کہ آرائی میں اپنالوہ منوایا تکواروں کے سامنے میں توحید ناب کا نغمہ گنگنا یا، باطل کو صفحہ ہستی سے مٹا کے توحید کی نشانیوں سے زین کو آباد کیا۔

نقش توحید کا ہر دل میں بھایا ہم نے

زیر بحر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

(کلیات اقبال اردو، بالگ درا، ص ۱۹۸)

لیکن یہ مسلمانوں کی زندگی کا ایک پہلو ہے علامہ اقبال ایک دوسرے پہلو پر بھی خاصی توجہ دیتے ہیں آپ کی نظر میں جس خالص توحید کی برکت سے مسلمانوں کی ایک نظر سے عالم شرک والحاد کے پرستار تھر کا پنے لگتے تھے وہ توحید اب امت مسلم میں گم ہو چکی ہے آج مسلمانوں کی واقعی زندگی ایسی توحید سے خالی ہے زمان کے اندر توحید سے نشأت پانے والا دل و جگہ اور گفتار پائی جاتی ہے اور نہ وہ کردار دکھائی دیتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ عالم شرک پر غالب آگئے تھے۔

اے ”لالا“ کے وارث باقی نہیں ہے تھہ میں

گفتر دلبرانہ، کردار قاہر انہ

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کا نپتے تھے

کھو گیا ہے تیرا جذب قلندر انہ

(کلیات اقبال اردو، بال جریل، ص ۲۳۰)

اقبال کا مانا ہے کہ ایک زمانے میں یکمہ توحید مسلمانوں کے درمیان ایک زندہ طاقت ہوا کرتا تھا اسی کی برکت سے عالم اسلام نے روم اور ایران جیسی بڑی سے بڑی شہنشاہی سلطنتوں کے تحنت و تاج الٹ کے رکھ دئے کیونکہ انہوں نے اپنے تمام وجود میں توحید کے عملی جواہر کو نمایاں کر دیا تھا خشیعت الہی کی وجہ سے ان کے دل اتنے مضبوط ہو چکے تھے کہ ہر طرح کی طاقت سے ذرا برابر بھی خائف نہیں ہوتے تھے لیکن صد افسوس کے عصر حاضر کا مسلمان اس بے بہادری سے خالی ہے تھی تو سامراجی طاقتیں کا محتاج اور ذیل بن گیا ہے۔



ہر مسلمان رگ باطل کے لئے نشتر تھا
 اس کے آئینہ ہستی میں عمل جو ہر تھا
 جو بھروسہ تھا سے قوت بازو پر تھا
 ہے تمہیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا
 باپ کا علم نہ بیٹے کو اگراز بڑھو
 پھر پر قابل میراث پدر کیونکر ہو

(کلیاتِ اقبال اردو، بانگ درا، ص ۲۱۱)

حکیمِ امت کی نظر میں عصر حاضر کے توحید پرست اس کی عظیم طاقت کو اب لفظوں کے ترازوں میں تو لتے ہیں ایک مسئلہ علم کلام بنائے اس پر جدلیاتی اور مغالطہ آمیز بحثیں ہوتی رہتی ہیں اسی لئے توحید عقل و ادراک کی منزل سے آگے بڑھ کے دلوں میں اتر ہی نہیں پاتی ہے۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید بھی

آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلہ علم کلام

(ضربِ کلم، ص ۸۷)

آپ کی نظر میں علماء اگر مسلم معاشرے کے اندر توحید کے اصلی علمبردار ہوتے ہیں اور اسکی تبلیغ و ترویج کے دعوے دار ہوتے ہیں تو ان کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ عشق توحید کی حرارت سے مسلمانوں کے دلوں کو گرمادیں ان کے اندر خالص توحید کے حقیقی آثار پیدا کریں لیکن ان خلک مقدس اور ناواقف علماء نے توحید کی حقیقت کو الفاظ کا کفن پہننا کے زندہ زندہ ماڈال الہذا اب دنیا میں صدائے توحید گو نجخے کی حسرت ہی رہ گئی ہے اسی وجہ سے علامہ ایسے دینی مدارس سے یہ زاری برستے ہوئے اس بات کا صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ توحید کے اصلی قاتل یہی دینی مدارس ہیں۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسے نے تیرا

کہاں سے آئے صدا "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ"

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمنا ک

نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

(کلیاتِ اقبال اردو، بال جریل، ۲۲۱)

اقبال صدر اسلام کے مسلمانوں کو عصر حاضر کے بے ذوق مسلمانوں سے موازنہ کرتے ہوئے یہی گلہ کرتے ہیں کہ توحید حقیقی کے پرستاروں ہی لوگ تھے آج کے مسلمان فکری اور عملی دونوں میدانوں میں ان سے الگ ہیں یا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کسی بھی چیز میں شباہت نہیں رکھتے اگر غور سے دیکھا جائے تو عصر حاضر کا مسلمان دین محمدی (ص) کی رسولانی کا باعث بنتا ہے کیونکہ صرف نام کا موحد ہے ورنہ فکر و عمل کے اختبار سے محض بت پرست ہے۔

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں

امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

بت شکن انٹھ گئے باقی جور ہے بت گر ہیں

خدا برائیم پدر اور پسر آذر ہیں

بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خم بھی نئے

حرم کعبہ نیا، بت بھی نئے، تم بھی نئے

(کلیاتِ اقبال اردو، بانگ درا، جواب شکوہ، ص ۲۰۹)

امت مسلمہ کی اس بت گری اور بت پرستی سے حکیم الامۃ گلہ مند ہیں اسی لئے کبھی دربار ایزد منان میں لب گشائی کرتے ہوئے ”شکوہ اور جواب شکوہ“ کی صورت میں اپنا درود کو بیان کرتے ہیں اور کبھی عشق توحیدی کا پیغام سینوں میں بسانے والے شاہ لو لاک آنحضرت (ص) کی بارگاہ مقدس پہ اپنی جمین خم کر کے درد و فغان کا اظہار اس طرح سے کرتے ہیں کہ تیری امت میں اب وہ توحید کی طاقت باقی ہی نہیں رہی جس کے دم پر اس نے یورپ کے ایوانوں میں اپنا لوہا منوایا تھا۔

میں نے اے میر پر تیری سپہ دیکھی ہے

قل هو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

(ضربِ کلیم، ۸۷)

اقبال کے اندر توحید ناب کی کلک اور بڑھتی جاتی ہے اسی لئے سور کائنات، محبوب حجازی، رسول عربی (ص) کے حضور عرض کرتے ہیں گلتان مسلم کے اندر کسی بھی شخص کے دل میں وفاۓ توحید کا جذبہ نہیں پایا جاتا اس گلتان کے کسی بھی پھول سے عشق توحید کی مہک نہیں آتی اسی لئے میں بیقرار ہوں ایسی زندگی میں چیزیں وسکوں کہاں جو توحید کے حسین اور کلکش رنگ سے خالی ہو۔



حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ وکلی ہیں ریاضتی میں ہیں
وفا کی جس میں ہو بودھ کل انہیں ملتی

(کلیات اقبال اردو، بانگ درا، ص ۲۵)

اقبال اپنے آپ کو عصر حاضر کا ایک بے ذوق اور عشق توحید سے عاری مسلمان فرض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان کے سینہ میں کلمہ ”لَا إِلَهَ“ اب اتنا پڑ مردہ ہو چکا ہے کہ فطرت بھی جو بقول اقبال ہر دم اور ہر آن فرد اور قوم دنوں پر نظر کھتی ہے، اسے پہچاننے سے انکار کرتی ہے۔

ہے میرے سینہ بنور میں اب کیا باقی
لَا إِلَهَ مَرْدَهُ وَافْسَرَهُ وَبَےِ ذُوقٍ نَمُوذَ
چشم فطرت بھی نہ پہچان سکے گی مجھ کو
کہایا زی سے ڈر گوں ہے مقام محمود
(ضربِ کلیم، ۳۵۶)

پس اقبال کی نظر میں عصر حاضر کے مسلمان خالص توحید سے خالی ہیں اسی لئے انکے اندر جمود اور سکوت طاری ہے و گرنہ تو حید حقیقی حرکت، جستجو اور جدوجہد کا باعث بنتی ہے اگر مسلمانوں نے واقعی معنوں میں توحید کی حقیقت کو سمجھا ہوتا تو آج امت مسلمہ کی یہ حالت نہ ہوتی ہی بھی وجہ ہے کہ مسلمان تو حید سے جتنا دور ہو گا اتنا ہی پسمندگی، ذلت اور زبوں حالی کا شکار ہو گا اگر اسے کائنات میں اپنا مقام پیدا کرنا ہے تو اسے سب سے پہلے اپنے کھوئے ہوئے گوہر تو حید کو تلاش کرنا ہو گا۔

حقیقت تو حید:

حکیم امت توحید کے شیدائی ہیں اور مسلمانوں کی عملی زندگی میں توحید کے آثار دیکھنے کی آرزو رکھتے ہیں آپ کی نظر میں تو حید انسان کی حیاتی ضرورت ہے چنانچہ (تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ)، کے ایک بیکھر میں فرماتے ہیں کہ: ”عالم انسانی کو آج تین چیزوں کی ضرورت ہے، کائنات کی روحانی تعبیر، فرد کا روحانی استخلاص، اور وہ بنیادی اصول جن کی نوعیت عامگیر ہو اور جن سے انسانی معاشرے کا ارتقا روحانی اساس پر ہوتا رہے،“ (تشکیل

جدید الہیات اسلامیہ، ص ۲۹۱) حکیم امت ان تینوں چیزوں کو توحید میں خلاصہ کرتے ہوئے اس اساسی اور روحانی اصل کو عملی شکل میں لانے کے لیے اسلامی ریاست اور حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ”بطور اساس ریاست اسلام ہی عملی ذریعہ ہے جس سے ہم اس مقصد میں کہ تو حید کا یہ اصول ہماری حیات عقلی اور جذباتی میں ایک زندہ عضر کی حیثیت اختیار کر لے، کامیاب ہو سکتے ہیں اس اصول کا تقاضا ہے کہ ہم صرف اللہ کی اطاعت کریں، نہ ملوک و سلطنتیں کی۔ پھر چونکہ ذات الہیہ ہی فی الحقيقة زندگی کی روحانی اساس ہے، لہذا اللہ کی اطاعت فطرت صحیح کی اطاعت ہے اسلام کی زندہ حیات کی یہ روحانی اساس ایک قائم اور دائم وجود ہے جسے ہم اختلاف اور تغیر میں جلوہ گر دیکھتے ہیں“ (تکمیل جدید الہیات اسلامیہ، ص ۲۲۸)

علامہ اقبال کے اس نظریہ کی بنیاد پر اصل یہ مبارکہ ہے۔ ”فاقم وجھک لدین حیفا، فطرت اللہ الٰہ فطر الناس علیہا التبدیل لخلق اللہ، ذالک دین القیم“ (سورہ روم، ۳۰) ”آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ شر پیں کہ یہ دین وہ فطرت الہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الہی میں کوئی تبدلی نہیں ہو سکتی ہے یقیناً بھی سیدھا اور منظم دین ہے“

آپ اسی طرح اپنے اشعار میں اس حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ انسان کی زندگی کی اساس حقائق ابدی پر رکھی گئی ہے اور تو حید ایک ایسی ابدی حقیقت ہے جو دوسرے حقائق کا سرچشمہ قرار پاتی ہے۔

بتاؤں تجھ کو مسلمان کی زندگی کیا ہے؟ یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنون
حقائق ابدی پر تو ہے اساس اس کی یہ زندگی ہے، نہیں ہے طسم افلاطون
(ضرب کلیم، ۱۷۵)

اقبال کی نظر میں کلمہ توحید کو بیان کرنے کے لئے ہمیں یہ پیچیدہ الفاظ گڑھنے اور غیر مانوس اصطلاح میں بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جب آنحضرتؐ کے صحابیوں نے بنا کسی ڈگری اور یونیورسٹی گئے ہی اس مناسکے کو اپنے کامل وجود کے ساتھ اور اک کیا تو ہم کیوں نہیں کر سکتے، آج تو عصر علم و صنعت میں اس حقیقت ابدی کو درک کرنے کے زیادہ موقع موجود ہیں لیکن:

بیان میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
(ضرب کلیم، ۱۹۲)

حکیم امت اس بات پر عقیدہ رکھتے تھے کہ کائنات کی کوئی بھی چیز توحید کے فیض و سوز و گداز سے خالی



نہیں ہے بلکہ اس کائنات کا آغاز و انجام اور اسی طرح اس میں پروان چڑھنے والی ہر چیز تو حید کی طاقت سے ہی نشأت پاتی ہے۔

نقطہ ادوار عالم ”لا اله“
 انتہائی کار عالم ”لا اله“
 چرخ را از زور او گردندگی
 مهر را پایندگی رخشندگی
 خاک از موج نسیمش گل شود مشت پر
 از سوز او بلبل شود
 شعلہ در رگھائی تاک از سوز او
 خاک مینا تابناک از سوز او
 (کلیات فارسی، رموز بی خودی، ص ۷۸)

اسی طرح دوسرے اشعار میں اس حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ مخلوقات کے اندر حیات اسی سے ہے اور اشرف مخلوقات انسان کے افکار میں بھی تو حید کے دم سے ہی انقلاب پیدا ہوتا ہے۔
 بعض موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے اور مسلم کے
 تخلیل میں جسارت اس سے ہے

(کلیات اقبال اردو، بانگ درا، ص ۲۳۹)

انسان کی زندگی کا دار و مدار بھی اسی تو حید پر موقوف ہے اگر انسان پیغام تو حید کا امانتدار ہے تو وہ حیات ابدی کا بھی حامل ہے لیکن اگر وہ کلمہ تو حید کی وادی میں ”لا“ سے آگے بڑھنے کا توهہ جیتے جی مردہ ہے۔
 نہاد زندگی میں ابتدا ”لا“، انتہا ”لا“ پیام موت ہے جب ”لا“ ہوا ”الله“ سے بیگانہ

(ضرب کلیم، ۲۳۶)

اس حقیقت کی طرف اپنے ایک اور شعر میں اشارہ کرتے ہیں۔

نصیب او است مرگ ناگھانی

مسلمانی کہ بی اللہ هو زیست

(کلیات فارسی،



اقبال کی نظر میں فرد اپنی ذاتی خودی کو جماعتی خودی پر قربان کر دیتا ہے مسلم امت، افراد سے بنتی ہے اور جس طرح ہر فرد کے دل میں توحید کی وجہ سے ہی تڑپ، سوز عشق اور بقا ہوتی ہے اسی طرح امت مسلمہ بھی اپنی ہمیات اجتماعیہ میں روح توحید سے ہی زندہ ہوتی ہے لہذا اگر امت اور قوم روح توحید کو فراموش کر دے تو اس کی زندگی کے آخری دن گئنے شروع ہو جاتے ہیں۔

وہ ملت روح جسکی "لا" سے آگے بڑھنیں سکتی

یقین جانو ہوا البریز اس ملت کا پیانا

(ضرب کلیم، ۲۳۲)

آپ کی نظر میں ”کلمہ لا الہ الا اللہ“، ولقنؤں کی خالی گفتار نہیں ہے بلکہ انسان موحد کے لئے تیز دھار والی شمشیر کی شکل میں ایک بے بدیل السلح ہے شرک اور بت پرستی کے خلاف ایک ایسی کاری ضرب ہے جس کا ثانی نہیں ملتا، لہذا اکلمہ طیبہ کہنے والے ہمیشہ فاقہ ہی یہ یہی مغلوب نہیں ہو سکتے ”الاسلام یعلو و لا یعلو علیہ“ یا اس آیہ مبارکہ کی طرف اشارہ ہے ”و انتم الاعلوون ان کنتم مومنین“ (سورہ آل عمران ۱۳۹) ”اگر تم صاحب ایمان ہو تو سر بلندی تھہارے ہی لئے ہے“

این دو حرف لا الہ گفتار نیست

لا الہ جز تیغ بی زنهار نیست

زیستن با سوز او قهاری است

لا الہ ضرب است و ضرب کاری است

(کلیات فارسی، جاوید نامہ، ص ۳۶۰)

پس علامہ کے نزدیک ہر چیز کی بنیاد توحید ہی ہے چاہے خود اصل کائنات ہو پا پھر اسکی سب اشرف اور اعلیٰ مرتبہ رکھنے والی ہستی انسان، یا پھر اور دوسروں مخلوقات، ہر ایک توحید کی روح سے ہی زندہ اور درخشنان ہے اگر کوئی بھی مخلوق فردی یا جماعتی صورت میں توحید کی حقیقت سے غفلت بر تے تو اسے مردہ حساب کیا جاتا ہے۔

شر ارکٹ توحید:

اب اگر توحید کے اس نغمہ خوان، حکیم الامت کے پیغام ”لا الہ“ میں حقیقت توحید کے ادراک کے ضوابط پر غور کیا جائے تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ کی نظر میں کائنات میں موجود کوئی بھی شے توحید کی حریف



نہیں ہو سکتی یہ بات قابل ذکر ہے کہ افکار اقبال میں مرد حکیم کا مرتبہ کافی اونچا اور بلند ہے لیکن اس میں بھی اتنی تو نانی نہیں کہ وہ اسرار تو حید سے آگاہ ہو سکے لیکن اگر کوئی ان اسرار سے واقع ہونا چاہتا ہے تو اسے تہذیب نفس اور شعور کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کی ضرورت ہے۔

حریف نکتہ تو حید ہو سکا نہ حکیم

نگاہ چاہیے اسرار ”لَا إِلَهَ“ کے لئے

آپ کے نزدیک مرد حکیم کے بعد کائنات کی سب سے بلند مرتبہ والی مخلوق عقل بھی اس معاملے میں نہ ہے اور جیران ہے کیونکہ وہ کیمت اور کیفیت کی وادی سے آگئے نہیں بڑھ سکتی اسے تواپی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے خود تو حید کا سہارا لینا پڑتا ہے تو وہ کس طرح سے اس کے اسرار و رموز کو درک کر سکتی ہے۔

درجہ ان کیف و کم گردید عقل

پی به منزل برد از تو حید عقل

ورنه این بیچارہ را منزل کجا است

کشتی ادراک را ساحل کجا است

(کلیات فارسی، رموز یجنودی ۹۱)

اس بنا پر اسرار تو حید سے آگاہی حاصل کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ اسکے اسرار و رموز سے تب ہی آگاہی ممکن ہو سکتی ہے جب انسان تو حید کی حرارت میں اپنے وجود کو پچھا کر کر کنند بنا دے۔

از جنوش هر گریبان چاک نیست

در خور این شعله هر خاشاک نیست (۳۵۲)

حکیم امت کی نظر میں ایک مسلمان موحد شخص کو ”لَا إِلَهَ“ کے لفاظ زبان سے نہیں بلکہ ”لَا إِلَهَ“ کے کردار اور رفتار سے پہچانا جاتا ہے یعنی جب تک کلمہ تو حید عملی شکل میں اسکی نص نص میں اتر کے تو حید کے آثار کا مظاہرہ نہ کرے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

خردنے کہہ بھی دیا ”لَا إِلَهَ“ تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

(ضرب کلیم، ۱۲۳)

اسی بات کی طرف اپنے دوسرے اشعار میں یوں اشارہ کرتے ہیں کہ انسان کو عشق تو حیدی کی حرارت



میں اپنے آپ کو ذوب کرنا ہو گا جب تک انسان کے جان و تن مل کے حقیقت تو حیدر کی گواہی نہ دیں تب تک اس کے اعمال میں تو حیدر عملی کارگنگ نکھرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس حقیقت کے بین گواہ چاند، سورج، جنگل و بیابان ہیں جن کے اندر میں تو حیدر کے سوز و گداز کو مشاہدہ کرتا ہوں اسی لئے نیشنل سے میری بھی تھنا ہے کہ:

ای پسر ذوق نگہ از من بگیر
سوختن در ”لا اله“ از من بگیر
”لا اله“ گوی بگو از روی جان
تاز اندام تو آید بوی جان
مهر و مه گردد ز سوز ”لا اله“
دیده ام این سوز را در کوه و کاه
(کلیات فارسی، جاوید نامہ، ص ۳۷۰)

آپ کا مانتا ہے کہ اگر انسان یاد خدا سے غافل ہو جائے اور اس کے دل سے عشق تو حیدر کی حرارت ختم ہو جائے تو انسان مٹی کا ایک پتلا بن جاتا ہے لیکن بد لے میں اگر نور تو حیدر کی جھلک پھر بھی دیکھنے لگیں تو وہ دل کی طرح سوز و گداز سے لبریز ہو جاتے ہیں۔

نقش او گر سنگ گیرد دل شود
دل گر از یادش نسوزد گل شود
چون دل از سوز غمش افروختیم
خر من امکان ز آهی سوختیم
آب دلها در میان سینه ها
سوز او بگداخت این آئینه ها

(کلیات اقبال فارسی،)

شاید اسی لئے حکیم امت اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جب تک تمہارے دلوں میں کلمہ تو حیدر سوچ نہ کرے تب تک یہ بے معنی اور بے تاثیر الفاظ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔
تو عرب ہو یا جنم ہو تیرا ”لا اله الا“
لغت عرب ہے جب تک تیرا دل نہ دے گواہی



(کلیات اقبال اردو، بال جبریل، ص ۲۲۰)

اور نہ صرف اخْتِ غریب ہے بلکہ اگر تو حید کے نور سے انسان کی تاریک اور ظلمتِ اگیز کردار میں روشنی نہ آجائے تو ایسا شخص اپنے آپ سے بھی پہنچاں اور پوشیدہ ہے اسے پھر کائنات کی کوئی بھی چیز ظاہر نہیں کر سکتی کیونکہ سب سے روشن اور واضح ترین وجود، ذات پروردگاری ہے۔

روشن اس ضوء سے اگر ظلمت کردار نہ ہو

خود مسلمان سے ہے پوشیدہ مسلمان کا مقام

(کلیات اقبال اردو، بال نگ درا، ص ۸۷)

اسی وجہ سے اقبال کے دل سے درود فصال کے نالے نکلتے ہیں کہ خالی انکار کی وحدت کافی نہیں ہے بلکہ کردار اور عمل میں بھی مسلمانوں کے درمیان وحدت ہونی چاہیے اور ایسا کلمہ تو حید کے سامنے میں ہی ممکن ہے لیکن کیا کیا جائے عوام تو دور کی بات بیہاں تو فقیہ اور ملاوں کی سمجھی میں بھی یہ بات نہیں آتی۔

آہ اس راز سے واقف نہ تو ملانہ نقیہ

وحدت انکار کی بے وحدت کردار ہے خام

(ضربِ کلیم، ص ۸۷)

علام کامانہ ہے کہ تو حید پرست انسان کی حشیعت اور حبیت قیامت کی بیہت سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔

هر کہ را این سوز باشد در جگر

هولش از هول قیامت بیشتر

(کلیات فارسی، پس چہ باید کر ای اقوام

شرق، ص ۳۵۲)

اور جب یہ تو حید کا عشقِ حقیقی دل میں شعلہ ور ہوتا ہے پھر انسان کے اندر زندگی کے تمام مشکلات سے لڑنے کی طاقت کا مادہ بھی بیباہ ہو جاتا ہے اور راہِ عشق میں وصال یا کسی خاطر ہر طرح کے صعب العبور منازل کو طے کرتے ہوئے معشوق واقعی کی رضا کے حصول میں کوشش رہتا ہے۔

عاشقی تو حید را بدل زدن

وانگھی خود را بہر مشکل زدن

(کلیات فارسی، بندگی نامہ، ص ۳۵۲)

اب اگر اقبال سے پوچھا جائے کہ پھر توحید کے اسرار و رموز کو کس طرح سے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ کس طرح سے ہمارے دلوں میں عشق تو حیدی کی حرارت کے شعلے بڑھیں گے؟ تو حیدی کی شناخت کے ضوابط کیا ہیں؟ تو اقبال یہی جواب دیں گے کہ عشق تو حیدی تک پہنچنے کے لئے دل کو سرکار دو عالم کے عشق سے لبریز ہونا ضروری ہے عشق تو حیدی، عشق محمدی (ص) کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ وہی تو حیدناب کے اصلی پاساں بھی ہیں اور پیغام رسائی بھی، دنیا کی اور کوئی بھی چیز آپ کو تو حیدناب سے آشنا نہیں کر سکتی ہے کیونکہ طریق محمدی (ص) کے علاوہ سارے راستے گمراہی اور باطل کی طرف لے جاتے ہیں۔ لہذا:

به مصطفیٰ بر سان خویش را کہ دین ہمه او است

اگر به او نرسیدی تمام بولھبی است

اسی لئے دوسرے اشعار میں اس درود فنا کا اظہار کرتے ہیں کہ جب سے مسلمانوں نے ”شعارِ مصطفیٰ“، یعنی تو حیدناب کو کھو دیا ہے مسلم قوم کی بناء کے مر بھی ختم ہو گئے ہیں قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے تو پیغام محمدؐ تو حید کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ انبیاء کی سب سے اہم رسالت تو حید کی پرستش اور عبادت تھی۔ ”ولقد بعثنا فی کل امة رسولًا ان اعبدوا اللّهَ واجتنبوا الطاغوت“ (سورہ نحل ۳۶) ”اور یقیناً ہرامت کے لئے ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو“

تاشعارِ مصطفیٰ از دست رفت

قوم را رمز بقا از دست رفت

(کلیات فارسی، رموز بخودی، ص ۲۷)

اس حقیقت کی طرف علامہ خدا کی زبانی گلہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے کہتے ہیں:

قب میں سو نہیں، روح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

(کلیات اقبال اردو، بانگ درا، ص ۲۱۳)

اسی لئے مسلمان پوری دنیا میں زبوں حال اور پسماندہ قوم بن گئے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے پیغام تو حید کا پاس نہیں رکھا اس قوم کی عزت، آبرو اور ترقی پیغام نبوت کے مطابق عمل کرنے میں ہی مضر ہے۔

در دل مسلم مقامِ مصطفیٰ است؟

آبروی ما ز نامِ مصطفیٰ است

(کلیات اقبال فارسی،)

اس بنا پر امت مسلمہ کے مشکلات کے حل کے لئے اقبال کو ایمان حضرت ابراہیم کی تلاش ہے اگر آج
بھی مسلمان کے دل سے اس خالص توحید کا نعرہ بلند ہو جائے جس کے دعوے دار انہیاء کرام تھے تو جس طرح باطل
اور سامراجی طاقتیں ائمکن مقابلے سے عاجز رہی ہیں اسی طرح آج بھی مسلمانوں کے مقابلے میں کسی بھی استعمالی
اور سامراجی طاقت کو رو برو ہونے کی جرأت نہیں ہوگی۔

آج بھی ہو جو بر ایم کا ایمان پیدا

آگ کر سکتی ہے انداز گفتاں پیدا

(کلیات اقبال اردو، بانگ درا، ص ۲۱۱)

آپ اسی طرح امت مسلمہ سے وصیت کرتے ہیں کہ اگر واقعی معنوں میں اس کائنات کے اندر اپنے
مقام اور منصب کی تمنا رکھتے ہو تو پیغمبر محمدی (ص) کے اصول و ضوابط کو محور زندگی قرار دو۔

مقام خویش گر خواہی در این دیر

بحق دل بند و راه مصطفی رو

(کلیات فارسی، ارمغان حجاز، ۹۳۷)

شکوه سنج سختی آئین مشو

از حدود مصطفی بیرون مرو

(کلیات فارسی، اسرار خودی، ۲۱)

یہ آپ کا یقین محکم تھا کہ عشق محمدی (ص) کی طاقت سے ہر طرح کی ذلت اور پستی کو منایا جاسکتا ہے اسی
عشق کی بنا پر دنیا کی اندر ہیری گلیوں کو روشن کیا جاسکتا ہے لہذا مسلمانوں سے کہتے ہیں اٹھوا را پنی اس حقیقی طاقت کو
استعمال میں لاوے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

(کلیات اقبال اردو، بانگ درا، ص ۲۱۳)

اے مسلمان اگر تو واقعی معنوں میں توحید اور نبوت محمدی (ص) کا پاسباں ہے تو تقدیر کا کیا رونا روتا ہے
تیری تقدیر بھی تدبیر میں بدل جائے گی تیرے نعرہ بکبیر کے سامنے کسی بھی بڑی طاقت کو مقاومت کرنے کی ہمت

نہیں ہوگی تجھے تو کائنات کی حکمرانی کے لئے بھیجا گیا ہے یہ تیری جاگیر ہے تیرا حق اور میراث ہے بس خداۓ ”لایخلف الْمَيْعَاد“ کا یہ وعدہ یاد رکھنا کہ اگر میرے جیب سے تم لوگ وفا کرو گے اور آپ (ص) کے پیغام کا احترام کرو گے تو کائنات کیا چیز ہے میں تمہیں صاحب لوح و قلم بنادوں گا پھر جو تم چاہو وہی ہو گا کائنات کا ذرہ تمہارے حکم کا غلام ہو گا۔

عقل ہے تیری پر عشق ہے شمشیر تیری
مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تیری
ما سوال اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تیری
تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تیری
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(کلیات اقبال اردو، باغنگ درا، ص ۲۱۳)

پس انسان کو اپنے تمام وجود کے ساتھ تو حیدر احمد کا ادراک کرنا ہو گا جس کے لئے قاب و نظر کی پاکی اور تہذیب نفس ضروری ہے اسی لئے اگر واقعی معنوں میں توحید کی حقیقت تک پہنچنا ہو تو آنحضرتؐ کی بارگاہ میں سرخم تسلیم کرنا ہو گا کیونکہ وہی ایک راستہ ہے جہاں سے تو حیدر کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔

آثار تو حیدر:

یہ بات اجمانی طور پر پروشن ہو گی ہے کہ تو حیدر ہی انسان کی زندگی کا سب سے بنیادی اور اہم اصول ہونا چاہیے حکیم الامم کی نظر میں اگر انسان کی زندگی کے تمام جواب میں توحید کی حاکیت قائم ہو جائے اور وہ توحید کے ابدی اصول پر اپنی نظری اور عملی زندگی کے مراحل کو طے کرتا چلا جائے تو اسکے اندر ایسی بہت ساری قوتیں اور صلاحیتیں ابھر نہ لگتی ہیں جس سے وہ کائنات پر حکمرانی کر سکتا ہے۔ آپ کی نظر میں صدر اسلام کا شاندار دور اس بات پر عینی گواہ ہے جنہوں نے توحید کی حقیقت کی بنا پر ہی مشرق اور مغرب کے ایوانوں میں پیغمبرؐ کو سنایا، مقامے کی طوالت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہاں صرف بعض اہم خصوصیات اور آثار کی جانب اشارہ کرنے پر ہی اتفاق کریں گے۔



بے مثال طاقت اور قدرت:

اقبال اس بات پر کافی زور دیتے تھے کہ مسلمانوں کی طاقت اور قدرت کا اصلی سرمایہ توحید ہی ہے اور جو بھی دینِ محمدی کا بیرون گاہ وطن اور جغرافی، نسلی اور قومی سرحدوں کا غلام نہیں ہوتا بلکہ اسکا وطن اور ملتِ اسلام ہی ہوتا ہے اور یہ یکتاںی بذاتِ خود ایک عظیم اور بے مثال طاقت کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔

باز و تیرا تو حید کی قوت سے قوی ہے

اسلام تیرا دلیں ہے تو مصطفوی ہے

(کلیاتِ اقبال اردو، بانگ درا، ص ۱۹۳)

اسی بنا پر امت مسلمہ جب تک تو حید کی نغمہ خوان ہے مادی عالم تو کیا وہ عالم جبروت کا بھی مالک بن سکتی ہے چنانچہ اس کی رگوں میں یکتاپرستی کا خون دوڑتا ہے اسکے عقیدہ اور ایمان میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے گویا وہ ”لاخوف علیہم ولا هم يحزنون“ کی آیہ مبارکہ کا عینی مصدق قرار پاتی ہے۔

ملتی چون می شود توحید مست

قوت و جبروت می آید بدست

روح ملت از وجود انجممن

روح ملت نیست محتاج بدن

(کلیات فارسی، جاوید نامہ، ص ۳۳۹)

حرفش از لب چون به دل آید ہمی

زندگی را قوت افرا ید ہمی

(کلیات فارسی، رموز بیجنودی، ص ۵۵)

قوت ایمان حیات افزایدت

ورد لا خوف علیہم باید

(کلیات فارسی، رموز بیجنودی، ص ۵۵)

حکیم امت معتقد ہیں کہ جب تک کلمہ توحید ہمارا فیق اور ہمراز تھا اور ہم نے دل و جان کی گہرائیوں سے اس کی حقیقت کو درک کیا تھا اس کی طاقت کے بل بوتے پر ہم نے بت پرستی کا خاتمہ کر دیا اور ارض اللہ سے شرک اور

گمراہی کے آثار مٹا دالے۔

قوت سلطان و میر از ”لا اله“
هیبت مرد فقیر از ”لا اله“
تا دو تیغ ”لا“ و ”لا“ داشتیم
ما سو الله را نشان نگذاشتیم

(کلیات فارسی، مشوی مسافر، ص ۳۸۲)

آپ کی نظر میں کلمہ توحید کی مدد سے ہی انسان پوری کائنات پر حکمرانی کر سکتا ہے۔

هر کہ حرف ”لا اله“ از بر کند
عالیٰ را گم بخویش اندر کند
(کلیات اقبال فارسی، جاوید نامہ، ۳۳۸)

جب تک انسان کے ہاتھ میں پرچم توحید ہے وہ کسی بھی بڑی سے بڑی طاقت کو مٹانے کی طاقت رکھتا

ہے۔

تاعصاً لِلَّهِ دَارِيْ بِهِ دَسْت
هُرْ طَلَسْمَ خَوْفَ رَاخْواهِيْ شَكْسْت
(کلیات اقبال فارسی،)

پس توحید کا سب سے اہم اور بنیادی اثر بھی ہے کہ وہ انسان موحد کو بڑی قدرت بنا دیتا ہے اور اسے ہر طرح کی بت پرستی، ظلم و ستم اور شرک کے خلاف لڑنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔

وحدت اور انجام:

علامہ اقبال عالمی اتحاد اور اسلامی انجام کے دعوے دار تھے اور اسکی اصلی وجہ بھی توحید کا تصور اور عقیدہ ہی تھا آپ کی نظر میں ”اسی نئی تہذیب (اسلام) نے اتحاد عالم کی بنا اصل توحید پر رکھی“، (تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ص ۲۲۸) لہذا جب تک ہمارے افکار اور کردار میں توحید نا ب کا سوز و گداز اور حقیقی عشق پیدا نہ ہو جائے عالمی سطح پر نوع بشر کے درمیان وحدت اور اتحاد بھی ممکن نہیں ہے۔

گربناشد سوز حق در ساز فکر



نیست ممکن این چنین انداز فکر

(کلیات فارسی، رموز بیخودی، ص ۵۶)

آپ کی نظر میں یہ توحید ہی کا کمال ہے کہ اس نے دنیا سے ذات، پات، نسلی اور قومی غیر فطری اور غیر انسانی تصورات کو ختم کر دیا اور بد لے میں بیگانے اور جنہی انسانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بنادیا۔

اسود از توحید احمر می شود

خویش فاروق و ابوذر می شود

دل مقام خویشی و بیگانگی است

سوق را مستی ز هم پیمانگی است

ملت از یکرنگی دلهاستی

روشن از یک جلوه این سیناستی

(کلیات فارسی، رموز بیخودی، ص ۵۶)

آپ ملت اسلامیہ کے گز شمشاد کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہماری قوم کا مدارا اور حمور توحید ہے جس کی جڑیں ہمارے دلوں میں پائی جاتی ہے لہذا اسی توحید کی وجہ سے ہم سب اپنی ذاتی خودی سے اجتماعی خودی میں تبدیل ہوتے ہیں یعنی ہماری فکر و نظر، اندیشه و عمل، ہمارا دعا، متاع زندگی، ہمارا طرز خیال، انداز گفتگو، تناہی، آرزو اور اغراض و مقاصد سب کے سب ایک ہیں۔

ملت ما را اساسی دیگر است

این اساس اندر دل مامضمر است

حاضریم و دل به غایب بسته ایم

پس ز بند این و آن وارسته ایم

رشته این قوم مثل انجام است

چون نگہ ہم از نگاه ما گم است

تیر خویش پیکان و یک کیشیم ما

یک نما، یک بین، یک اندیشم ما

مدعای ما مآل ما یکی است



طرز و انداز خیال ما یکی است

ما ز نعمتهاں او اخوان شدیم

یک زبان و یک دل و یک جان شدیم

(کلیات فارسی، رموز یہودی، ص ۵۲)

علام اقبال کی نظر میں امت اسلامیہ کا اصلی اور بنیادی سرمایہ توحید اور کلمہ "لا الہ" ہے اگر مسلمان اس توحید کلمہ کو کھو دیں تو پوری امت بکھر جائے گی لہذا جب تک اس سرمایہ کی حفاظت نہ کی جائے قوم و ملت میں ترقی کا امکان ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ملت بیضا تن و جان لا الہ

ساز ما را پرده گردان لا الہ

لا الہ سرمایہ اسرار ما

رشته اش شیرازہ افکار ما

(کلیات فارسی، رموز یہودی، ص ۵۵)

گل لا الہ کی طرح اسکے شعلے ہماری رگوں میں خون بن کے دوڑ رہے ہیں لہذا ہمارے پاس بغیر اسکے کوئی اور سرمایہ یا متعال زندگی نہیں ہے اسی بنا پر اگر اس جہاں میں ہمارا کوئی اعتبار ہے تو وہ اسی توحید سے ہے اگر توحید نہ ہوتی تو ہمارا وجود بھی ناممکن تھا۔

شعله اش چون لا الہ در رگھاں ما

نیست غیر از داغ او کالای ما

(کلیات فارسی، رموز یہودی، ص ۵۵)

اعتبهار از لا الہ داریم ما

هر دو عالم را نگہ داریم ما

(کلیات فارسی، رموز یہودی، ص ۷۲)

پس مسلمانوں کی توحید پرستی کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ سب آپ میں متحد ہوں گویا یہ اتحاد ہی ان کی سر بلندی کا سبب ہے۔



سامراجی طاقتوں سے نجات:

اقبال کا یہ مانتا ہے کہ توحید انسان کو خدا پرستی کے دشمنوں، سامراجی اور استعماری طاقتوں سے رہائی دلاتی ہے جیسا کہ قرآن میں بھی انبیاء کی سب سے اہم رسالت میں بتائی گئی ہے ”ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولہ ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت“ (سورہ نحل ۳۶) ”اور یقیناً ہرامت کے لئے ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو“
لیکن یہ بالی جب ہی ممکن ہے جب انسان توحید کلمہ کے حقیقی اسرار اور موز سے آگاہ ہو جائے۔

تَأْنِي رَمْزٌ لِّإِلَهٍ آيَةٌ بِهِ دَسْت

بند غیر اللہ را نتوان شکست

(کلیات فارسی، پس چہ بايد کرای اقوام شرق، ص ۲۵۲)

آپ تحریک کر بلکے علمبردار امام حسینؑ کی شہادت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ راہ توحید میں جانشنا فی کرنے والے ہر طرح کے ظلم و ستم سے نکراتے ہیں اور نہ فقط اپنی ملت اور قوم بلکہ پوری بشریت کو غلامی کی زنجیروں سے نجات دلاتے ہیں۔

ہر کہ پیمان با ہوالموجود بست

گردنش از بند هر معبد رست

ما سو اللہ را مسلمان بندہ نیست

پیش فرعون سرش افندہ نیست

نقش الـ اللہ بر صحرانوشت

سطر عنوان نجات ما نوشت

(کلیات فارسی، رموز بیرونی، ص ۶۲)

اس بات پر امام صادقؑ کا یہ قول بھی گواہی دے رہا ہے ”وبذل مهجة فيك ليستتقد عبادك من الجهة وحيرة الضلاله“ (مفاتیح الجنان، ص ۸۶۵) ”اس نے تیری راہ میں اپنی جان قربان کر دی تاکہ تیرے بندوں کو جہالت اور گمراہی کی سرگردانی سے آزاد کرے“ اسی طرح رموز بیرونی کے ایک اور شعر میں مسلمان سے میں کہتے ہیں کہ:



از پیام مصطفی آگاه شو
فارغ از ارباب غیر الله شو
(کلیات فارسی، رموز یخودی، ص ۸۸)

حکیم الامت توحید کی طاقت کے دائرے کو وسعت بخسته ہوئے اس عقیدے کا انہما کرتے ہیں کہ توحید نہ فقط انسان کو شرک اور جہالت کی گمراہی، استعمال اور سامراج کی انسانیت سوز ہتھنڈوں سے نجات دلاتی ہے بلکہ کائنات پر حاکم نظام عمل و اسباب سے بھی شخص موحد کو بے نیاز کر دیتی ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کو اس کا غلام ہنادیتی ہے۔

گر به ”الله الصمد“ دل بسته ای
از حد اسباب بیرون جسته ای
بنده حق بنده اسباب نیست
زندگانی گردش دولاب نیست
(کلیات فارسی، رموز یخودی، ص ۸۷)

پس اس جہت سے بھی حکیم الامت کی نظر میں توحید کا ایک اور لازمی نتیجہ سامراجی اور باطل قوتوں سے رہا یا اور نجات ہے۔
استقلال اور داشتی بقاء:

علام اقبال نے ملت اسلامیہ کے استقلال کی خاطر نہ فقط اپنے عظیم افکار و نظریات ہی اس کے سامنے پیش نہیں کئے بلکہ اس سلسلے میں عملی جدوجہد بھی کرتے رہے اور نوع بشر کو سامراج اور انسانیت کے دشمنوں کے ہاتھوں سے نجات دلانے کے لئے توحید کے اصول کو اپنا نے پر زور دیتے رہے آپ کا یقین حکم تھا کہ اگر ایک ملت و قوم توحید کے سوز عشق میں خود کو جلا دے تو وہ ضرور اپنی خودی سے اپنی ہستی کو دوبارہ آباد کر سکتی ہے۔

ملتی کہ از سوز او یک دم تپید
از گل خود خویش را باز آفرید

(کلیات فارسی، پس چ باید کرای اقوام شرق، ص ۳۵۲)

علام فرماتے ہیں کہ کائنات کے امور کا آغاز گلمہ توحید کے ”لا“ سے ہی ہوتا ہے اور یہ مردان خدا اور آزاد انسانوں کی سب سے پہلی منزل ہے جو انہیں کائنات کی تمام موجودات سے بے نیاز کرتے ہوئے ہر طرح

کا استقلال عطا کرتی ہے۔

در جهان آغاز کار از حرف "لا"ست

این نخستین منزل مرد خدادست

(کلیات فارسی، پسچ باید کرای اقوام شرق، ص ۳۵۲)

آپ کی نظر میں آزاد انسانوں کی پہچان تو حید پرستی ہے اس کائنات کے کون و فساد کی تقدیر "کلمہ طیبہ" سے ہی وابستہ ہے لیکن مرد حرکی ذات، خود تو حید سے ہی جنم لیتی ہے گویا وہ کائنات میں اسی حقیقت ناب کی جلوہ نمایا کرتا رہتا ہے لہذا وہ کائنات کی تقدیر بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

نکته ای می گویم از مردان حال

امتنان را لا جلال الا جمال

"لا" و "الا" احتساب کائنات

"لا" و "الا" فتح باب کائنات

هر دو تقدیر جهان کاف و نون

حریت از "لا" زاید از "الا" سکون

(کلیات فارسی، پسچ باید کرای اقوام شرق، ص ۳۵۲)

علام کی نظر میں تو حید کا جذب رکھنے والا شخص نہ فقط اپنے آپ کا استقلال اور آزادی کی نعمت سے ہبرہ مند کرتا ہے بلکہ دوسرے افراد کو بھی آزادی اور واستقلال کے زیور سے آراستہ کرتا ہے۔ لہذا اگر مسلمان صحیح معنوں میں حقیقت تو حید کو اپنے پورے وجود کے ساتھ درک کر لیں تو بڑی طاقتون کے مقابلے میں انکی کامیاب یقینی ہوگی اور اس غیر ابدی مادی دنیا میں انکی ذات اور حقیقت ہمیشہ باقی رہے گی۔

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا

اتر گیا جو تیرے دل میں لاثریک لے

(ضرب کلیم، ۵۳۵)

دوسری جگہ حکیم امت اسی بنابر کہتے ہیں کہ جب تک تو حید کی حرارت سے مسلمانوں کے دلوں میں گرمی باقی ہے دنیا میں انکے نام و نشان کو مٹانا ناممکن ہے۔

تو حید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

آسان نہیں مٹانا نام ونشان ہمارا

(کلیات اردو، باغ ملک درا، ۱۹۲۶)

پس عقیدہ تو حید کا ایک اور لازمی نتیجہ استقلال ہے تو حید انسان کو مستقل طور سے جینے کا طور و طریقہ سکھاتی ہے اور کائنات میں موجود دوسری مخلوقات سے صحیح ارتباط کا سلیقہ سکھاتی ہے۔

اہداف تو حید:

حکیم امت کی نظر میں تو حید کے اہداف و مقاصد کافی وسیع اور حمہ گیر ہیں جیسا کہ بیان ہوا افکار اقبال میں ایک مرد مسلمان تو حید کا پاسبان اور امانت دار ہے تو حید کی برکت سے اسکے اندر خدائی صفات پیدا ہونے لگتے ہیں اس بنا پر سب سے پہلے اسے دوسروی مخلوقات بے نیاز ہو کے پورے عالم کے لئے خیر و برکت کا باعث بننا چاہیے۔

مسلم استی بی نیاز از غیرشو

اہل عالم را سراپا خیر شو

(کلیات فارسی، رموز بیجنودی، ص ۸۷)

اقبال اس بات کے معتقد تھے کہ جس طرح آنحضرت (ص) پوری کائنات میں ”**خاتم الانبیاء**“ قرار پائے ہیں اسی طرح آپ کے پیرو اور مسلمان بھی دوسری اقوام کے نسبت ”**خاتم الافقاوم**“ کے لقب کی مستحق ہیں لہذا آنحضرت کی پاسالت کی ساتھ ساتھ اسکی تبلیغ اور ترویج کی ذمداری بھی اسی پر ہے۔

رونق از ما محفل ایام را

او رسول ختم ما اقوام را

(کلیات فارسی، رموز بیجنودی، ص ۲۰)

اسی وجہ سے خداوند عالم نے دوسرے سارے راستوں کو باطل اور گمراہ قرار دیتے ہوئے ہمیشہ کے لئے اسلام کی شیرازہ بندی کی ہے لہذا جو صفات ہمارے نبیؐ کے اندر پائے جاتے ہیں وہی صفات ہمارے اندر بھی ہونے چاہئیں جس طرح سے آپؐ رحمت للعابین ہیں ہم بھی اسی پیغام رحمت کے حال ہونے کی حیثیت سے بنی نوع انسان کے واسطے رحمت اور شفقت کا نمونہ ہونے چاہئیں۔

ما ز حکم نسبت او ملتمیم



اہل عالم را پیام رحمتیم

(کلیات فارسی، رموز بجنودی، ص ۲۰)

اس بنابر توحید کے ساتے میں مسلمانوں کا سب اہم اور عظیم مقصد یہی ہے کہ اسکی تبلیغ اور حفاظت کے لئے کوشش رہیں گے انبیاء کی رسالت اب مسلمانوں کے کندھوں پر آگئی ہے لہذا اب ان کی اس ابدی رسالت کو مسلمان پایہ تجھیل تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔

اسی رسالت کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں کہ اب مسلمان کے پاس فرصت کے لمحات بہت ہی کم ہیں کیونکہ اسے پیغام تو حیدر کو نوع بشر تک پہنچانا ہے

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے

نور تو حید کا اتمام ابھی باقی

(کلیات اقبال اردو، بانگ درا، ص ۲۱۱)

نتیجہ:

پس اس مختصر مقاولے میں ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ افکار اقبال میں توحید، عمل کا نام ہے نظریاتی وادی سے گزر کر علامہ اقبال تو حیدر کو عملی میدان میں مشابہہ کرنا چاہیے ہیں آپ کی نظر میں اگر مسلمان اپنے اسلاف کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ان کی بے انتہا اور بے مثال کامیابیوں کا سب سے اہم راز تو حیدر کلمہ میں ہی مضمیر ہے وہ توحید کی طاقت سے ہی مشرق و مغرب کے حکمران بن گئے لیکن عصر حاضر کے مسلمان تو حیدر کی روح سے خالی ہیں اسی لئے ہر طرح کی ذلت اور پسماندگی کے سوا ان کی قسمت میں کچھ اور نہیں ہے آئے دن سامراج اور عالمی استعمار انہیں ذلت کے دلدل میں اور ڈھکیل رہا ہے لہذا اگر عصر حاضر کے مسلمان اپنی کھوئی ہوئی شان و شوکت اور عالمی حکومت کی تمثیل کر رکھتے ہیں اگر وہ زمانے کی سامراجی اور استعماری طاقتیوں کے آثار اور نشانیوں کو مٹانا چاہتے ہیں تو انہیں کلمہ تو حیدر کو اپنے جان و دل کی عمیق گہرائیوں سے درک کرنا ہو گا اس کے اصول و ضوابط پر عمل کرنا ہو گا اور تو حیدر کے ادراک کے لئے سروکائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ انتخاب کرنا ہو گا کیونکہ وہی ایک صحیح اور مضبوط راستہ ہے جو انسان کو تو حیدر کے اسرار و رموز سے واقف کر سکتا ہے۔

آخر میں ہم خداوند عالم کی بارگاہ میں یہی دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں پھر سے وہ تو حیدر کی حراث

پیدا کر دے! الہی آمین۔

بِارَبِ دلِ مُسْلِمِ کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرمادے، جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیٰ فرار کے ہر ذرے کو چکا دے
پھر شوق تماشادے، پھر ذوق تقاضا دے
(کلیاتِ اقبال اردو، بانگ درا، ص۔۔)

منابع:

الواراقر آن؛ ترجمہ، سید ذیشان حیدر جوادی، قم؛ انصاریان ۱۹۷۴ء
مفائق الجنان، عباس بن محمد رضا نقیٰ ترجمہ محمد الحسین قمشہ ای، دفتر شرفرہنگ اسلامی۔
تکمیل جدید الہیات اسلامی، اقبال، محمد؛ ترجمہ: سید نذریں نیازی، اسلامک فامڈیشن، نئی دہلی۔
کلیاتِ اقبال (اردو)، محمد اقبال، ندیم یونیس پرمنٹر لاحور۔
کلیاتِ اقبال (فارسی)، با اهتمام، پروین قادری، تهران، انتشارات پیان، ۱۳۸۲، ۱۴۰۶ھ۔
ضربِ کلیم، محمد اقبال؛ شرح: یوسف سلیم چشتی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔
رموز یقینودی، محمد اقبال، کوہ نور پرنس، دہلی نو ۱۹۹۹ء



اسلامی فرقوں کے مشترکہ اصول اور اتحاد میں ان کا کردار

محمد یعقوب بشوی

چکیدہ (لب لباب)

دین اسلام کا ایک نہایت ہی اہم مقصد، مسلمانوں کے درمیان اتحاد و تکمیل قائم کرنا ہے۔ قرآن و سنت کے رو سے جناب صدری اتحاد قائم کرنا واجب ہے، ویسا ہی اختلاف و تفرقہ سے پچتا ہے۔ انہما طہار علیہم السلام اور معتبر اسلامی شخصیات کی زندگی بھی، امت مسلمہ کو اختلافات سے بچا کر، اتحاد و وحدت برقرار کرنے میں بسرا ہوئی۔ ہمارے پاس، کم از کم تین ایسے بنیادی اصول ہیں جو مسلم احمد کے درمیان نظریاتی اور فکری ہم آہنگی ایجاد کر سکتے ہیں، یوں یہ تینوں اصول، امت مسلمہ کے درمیان ایک اہم اور بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ تینوں اصول، پورے معاشرے کو مادی، معنوی، فکری اور علمی حوالے سے ارتقا کی طرف لے جاسکتے ہیں۔ اور مختلف اسلامی فرقوں کو اس مقدس قرآنی اور اسلامی اہداف کے قریب کر سکتے ہیں جن کے حصول کے بغیر معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ یہ اصول مندرجہ ذیل ہیں: توحید، نبوت اور معاد۔

واژہ ہائی کلیدی (بنیادی الفاظ) : مشترکہ اصول، توحید، نبوت، معاد، وحدت۔

اتحاد کیوں اور کس لئے؟

قرآن کریم نے ہمیشہ مسلمانوں کو اتحاد کی طرف دعوت دی ہے۔ قرآن کی نگاہ میں اتحاد کے بغیر،

معاشرتی ترقی کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ انسانی ہکماں اور ترقی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ اتحاد و ہم آہنگی کے سایے میں ہی بُشِ دین و دنیا کی سعادتیں حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن کریم اہل ایمان سے مخاطب ہو کر اسے دستور دے رہا ہے کہ معاشرہ میں اتحاد قائم کریں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آتَيْنَا إِنْتَقْوَا اللَّهَ حَقَّ تُقْنَاهِهِ وَلَا تَمُوتُنَ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۚ ﴾

﴿ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ... ۚ ﴾ (آل عمران/۱۰۲-۱۰۳)

اس آیہ مبارکہ میں قبل توجہ نکالتے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے، یہ وقت چار چیزوں کا حکم دیا ہے۔ تقویے الہی اختیار کرنا، حالت اسلام اور تسلیم کی زندگی گزارنا، جبل اللہ سے تمسک اور تفرقہ سے بچنا۔ ایک معاشرے میں زندگی بس رکنے کے لئے، یہ چار شہرے اصول ہیں۔ سیاق درونی اور پیرونی آیہ سے پتہ چلتا ہے اتحاد واجب اور تفرقہ حرام ہے۔ امت مسلمہ کے ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ تمدن ہنے کے ساتھ ساتھ ہمہ گیر اتحاد کے لئے عملی قدم اٹھائے۔ جس طرح ”اعتصموا“ فعل امر ہے اور وجوب پر دلالت کرتا ہے اسی طرح ”لا تفرقو“ فعل نبی ہے جو حرمت پر دلالت کرتا ہے یعنی جس طرح اتحاد قائم کرنا واجب ہے اسی طرح تفرقہ پیدا کرنا حرام ہے۔

قرآن کریم مسلمانوں کو دوسری طرف سے ایک اہم ترین عنوان دیتا نظر آ رہا ہے اور وہ عنوان، ”امت“ کا عنوان ہے۔

﴿ كُنْتُمْ خَيْرًا مِّمَّا أَخْرِجْتُ لِلنَّاسِ تَامِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ ﴾ (آل عمران/۱۱۰)

اس آیت میں، مسلم امہ کو بہترین امت کہا گیا ہے کہ اس امت کی خلقت کا مقصد ہی رہبری اور ہدایت ہے۔ اس امت کا تخلیقی ہدف اور غایت ہی انسانیت کی ہدایت ہے۔ ظاہری بات ہے کہ جو خود ہدایت یافتہ نہ ہو، وہ کسی دوسرے کی ہدایت کیسے کرے گا؟ سب سے پہلے یہ خود امت بننے، امت اتحاد کے بغیر کیسے بن سکتی ہے؟ اس وقت مسلمان کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود تمام بین الاقوامی پلیٹ فارم پر پچھڑے ہوئے نظر آتے ہیں، جس کی نیادی وجہ یہی ہے کہ ہم امت نہیں بنے۔ ہم نے قرآنی دستورات پر عمل نہیں کیا۔ قرآن نے جن چیزوں کا حکم دیا تھا، مسلمانوں نے انھیں فراموش کر دیا۔ قرآن چودہ سو سال سے جس خطروہ کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلاتا رہا ہے، وہ خطرہ، اختلاف کا خطرہ ہے:

﴿ وَ لَا تَنَازِعُوا فِي فِتْنَةٍ وَ تَذَهَّبُ رِيحُكُمْ ۚ ﴾ (انفال/۳۶)

اگر اختلاف کرو گے تو تمہاری شان و شوکت خاک میں مل جائے گی، تمہاری عزت ختم ہو جائے گی،



ذلت و رسولی تمحارا مقدر بن جائے گی۔ قرآن معاشرے میں، اسلامی بھائی چارے کی فضاد کھانا چاہتا ہے لہذا ایک قانون اخوت قائم کرتا ہے، اور اعلان کرتا ہے: ﴿ انما المؤمنون اخوة ﴾ (جرات ۱۰)

میرے خیال میں یہ مسئلہ مسلمانوں کے لئے ایک عمومی بیثانق کی حیثیت رکھتا ہے کہ اگر اس بیثانق پر عمل ہو جائے تو مسلم ام کو بد نے میں دیرنہ لگے گی۔ مسلمان، صدر اسلام کی وہی عزت و اقتدار حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن معاشرہ میں انسانی، اسلامی فضاد قائم کرنے کی غرض سے ایک اور اصل و قانون کا نام تہبا اعلان کرتا ہے، بلکہ عملی طور پر اس کا نفاذ بھی چاہتا ہے۔ اور وہ اصل قانون ”تعاون“ ہے وہ بھی تقویٰ اور نیکی کی بنیاد پر ”تعاونوا على البرِ و التقویٰ“ (ماائدہ ۲۷)

یہ قانون معاشرہ میں، عدل و انصاف اور باہمی تعاون کو تقویٰ اور نیکی کی بنیاد پر پورے معاشرے میں فروغ دینا چاہتا ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ، رشد و کمال کی طرف گامزن ہوگا۔ معاشرہ میں انسانی اور الہی اقدار بلند ہوں گے۔ قرآن معاشرہ کو فساد، فتنہ، اور دوسرا اخلاقي اور اجتماعی برائیوں سے بچانے کی خاطر ایک اور اصل کا اعلان کرتا ہے اور وہ اصل ”عدم تعاون“ ہے، وہ بھی گناہ و سرشاری کی بنیاد پر۔ ”و لا تعاونوا على الain و العدوان“ (ماائدہ ۳) جب پورا معاشرہ، گناہ اور تجاوز کی حوصلہ لٹکنی کرے گا تو یقیناً وہ معاشرہ، ترقی کرے گا اور یہ قرآن کی نظر میں، ایک مطلوب معاشرہ ہوگا۔ البتہ ایسے معاشرے میں، رہبر کا کردار بہت اہم ہوگا۔ کیونکہ ایک حقیقی الہی رہبر ہی لوگوں کے درمیان اتحاد کی کوشش کرے گا۔

معاشرے میں، اتحاد قائم کرنے سے متعلق، انبیا کرام علیہم السلام، خاص کر ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آله وسلم کا کردار بے مثال ہے۔ مخصوصاً مدفن زندگی میں ہر طرف اتحاد و بھائی چارے کی فضاد نظر آنے لگی تھی، جس کے نتیجے میں مختلف جنگلوں میں فتوحات کے علاوہ، اسلام دوسرے علاقوں میں پہنچ گیا تھا۔ اسلام معاشرتی اور اجتماعی مسائل کو بہت زیادہ ترجیح دیتا ہے اسلام مسلمانوں کو گوشہ نشینی اور رہبانت کی اجازت نہیں دیتا، اسلام کا نظام اجتماع مسلمانوں کو ایک دوسرے سے مربوط رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ ایک دوسرے کا خیال رکھنا، دکھ درد باٹھنا بھی نظام اجتماعی کا بینیدی فلسفہ ہے جس کا خیال لئے بغیر ایک مسلمان بھی نہیں بنتا۔ جس نظام حیات اور آئین الہی کو، اجتماعی روابط کا اتنا خیال ہو، وہ بھلا، اختلاف و تفرقہ اور آپس کی نفرتوں کی اجازت کیے دے سکتا ہے؟۔

اسلام معاشرے میں اتحاد اور امن چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت ساری اسلامی روایتیں اتحاد کے موضوع سے متعلق ہیں۔ ایک حدیث میں مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ”يَدِ اللَّهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ“ (ابن حبان / ۳۳۸، ۱۰: ۱۳۱۲) خدا کے ہاتھ ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہیں۔ یعنی خدا کی نصرت ہمیشہ اہل جماعت کے شامل ہے۔ اصلی ہدف تک پہنچنے کے لئے جمع ہونا، خیر ہے اور تفرقہ، عذاب اور غضب اللہ کا موجب بتا ہے ”فِي
الْجَمَاعَةِ خَيْرٌ وَ فِي الْفَرَقَةِ عَذَابٌ“ (ہندی / ۳، ۲۲۶: ۱۳۰۹) اسلام اتحاد کو معاشرہ کا ایک نہایت ہی اہم رکن سمجھتا ہے لہذا ایک روایت میں آیا ہے:

”لَا يَحْلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ إِخْرَاهَ فَوْقَ ثَلَاثَةِ لَيَالٍ، يُلْتَقِيَانَ فِي عِرْضٍ هَذَا وَ

خَيْرٌ هُمَا الَّذِي يَدْعُ بِالسَّلَامِ“ (درودہ / ۵۰، ۸: ۱۳۹۳)

اس روایت کے مطابق دو مسلمانوں کے درمیان تین دن سے زیاد قطع تعلق جائز نہیں ہے۔ ایک اور حدیث میں جو شخص مسلمانوں کے امور کو اہمیت نہیں دیتا، اسے مسلمان ہی نہیں سمجھتا ہے:

”مَنْ أَصْبَحَ وَ لَمْ يَهْتَمْ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ“ (بروجردی / ۱۳۱۰، ۲: ۱۷)

اس حدیث میں ایک مسلمان کے کردار پر بحث ہوئی ہے کہ یہ کردار معاشرے میں کتنا وزن رکھتا ہے، ممکن ہے کسی شخص کی تقدیر یا ایک کردار سے بدلا جائے۔ جو شخص معاشرے میں کسی دوسرے کو اہمیت نہیں دیتا، کسی کے غم اور خوشی میں شرکت نہیں کرتا، دوسروں سے بے خبر رہتا ہے تو اس حدیث کی رو سے وہ مسلمان نہیں۔ اس سے پہنچتا ہے کہ اسلام باہمی تعلقات کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔

یہ ایک زندہ دین ہے جو انسانوں کو زندگی سکھاتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں، پورا مومن معاشرہ، ایک ہی بدن کی طرح ہے جس کا ہر ایک عضو، دوسرے عضو کا محتاج ہے ایک عضواً گر تکلیف میں ہوتا ہے تو دوسرے کو قرار نہیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ہیں:

”مَثَلُ الْمُؤْمِنِ فِي تَوَادِهِمْ وَ تَرَاحِمِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى بَعْضُهُ

تَدَاعَى سَائِرُهُ بِالسَّهْرِ وَ الرَّحْمَى“ (محلسی / ۱۵۰، ۱۳۰۳)

اسی مضمون کے قریب، طبری، ۱۳۱۵، ۱، ۵۵۶ میں موصون، محبت و رحمت کے اعتبار سے باہم ایک، ایک بدن کی مانند ہیں کہ اگر ایک عضو درد میں مبتلا ہو جائے، تو پورا بدن رات بھر بیقرار اور درد میں مبتلا رہتا ہے۔ اسی حدیث کا لب لباب، ایک ایرانی شاعر جناب سعدی شعر کی صورت میں یوں بیان کرتے ہیں:



بنی آدم اعضا یک دیگر اند
که در آفرینش به یک گوهر ند
چو عضوی به درد آورد روز گار
دیگر عضوها را نماند قرار

اسلام معاشرتی اصلاح کو بہت زیادہ ایمیت دیتا ہے اور اسے اعلیٰ ترین عبادی درجہ دیتا ہے:
”الا اخبر کم بافضل من درجة الصلاة و الصيام و الصدقة؟ قالوا بلى
قال اصلاح ذات البين“ (احمد بن حنبل، بی تا ۲، ۳۲۲، بی ۶)

ائمه اطہار علیہم السلام کی زندگی اتحاد کے حوالے سے ایک بہترین نمونہ ہے۔ ائمہ اطہار علیہم السلام سے مردی روایتوں میں اتحاد پر بہت زیاد وزور دیا گیا ہے اور تفرقہ سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام ایک خطبے میں، اتحاد سے متعلق فرماتے ہیں:

”وَالْزَمُوا السَّوادَ الْأَعْظَمَ فَإِنْ يَدَاكُمْ لِمَعِ الْجَمَاعَةِ وَإِنْ كُمْ وَالْفَرَقَةِ !

فَإِنَّ الشَّادَ مِنَ النَّاسِ لِلشَّيْطَانِ كَمَا أَنَّ الشَّادَ مِنَ الْغَنَمِ لِلذَّبَابِ . إِلَّا مِنْ
دُعَاءِ إِلَى هَذَا الشَّعَارِ فَاقْتُلُوهُ، وَلَوْ أَنْ تَحْتَ عَمَّا مَتَّ هَذِهِ“ (دشتی، خر
(۱۲۷، ۲۲)

اس حدیث میں اتحاد کی طرف دعوت دی گئی ہے خدا کا سہارا جماعت کے ساتھ ہے۔ فرقہ پرسی کی نہ ملت ہوئی ہے اور اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جو شخص دوسروں کو تفرقہ کی دعوت دے اسے مارو اگرچہ وہ میرے عما مے کے نیچے ہی کیوں نہ ہو، اس کا مطلب یہی تکتا ہے کہ اختلاف کی صورت جائز نہیں۔
اہل بیت علیہم السلام کے لئے سب سے زیادہ اہم مسئلہ، دین کی حفاظت کا مسئلہ تھا ورنہ ظاہری اقتدار کی تو کوئی حیثیت نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام قول بیعت سے متعلق فرماتے ہیں:

”لولا حضور الحاضر، و قيام الحجه بوجود الناصر، و ما اخذ الله
على العلماء لا يقاروا على كثرة ظالم، و لا سغب مظلوم، لالقيت جbelها
على غاربها و لسيقت آخرها بكاس اولها و لالفيتهم؟ دنياكم هذه ازهد
عندى من عفطة عنز“ (وہی خ، ۳-۷).

امیر المؤمنین علیہ السلام پوری حیات طیبہ اسلام ہی کی سر بلندی کے لئے وقف رہی۔

ہر دور میں علماء کا کردار بھی اتحاد قائم کرنے میں قابل ستائش رہا ہے۔ اس دور میں نے، سب سے زیادہ جس شخص نے اتحاد کا نعرہ پاند کیا اور اس نعرے کو عملی جامہ پہنایا، وہ امام خمینیؑ کی ذات ہے، آپ نے مسلمانوں کو ایک حقیقی اتحاد کا تصور دیا۔ اتحاد کے بارے میں آپ کی بیشتر تقریریں اور مکتوبات موجود ہیں۔

ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں: ”هم اسلام اور اسلامی ملکوں کی حفاظت اور استقلال کے واسطے، ہر حال میں (ان سے) دفاع کے لئے تیار ہیں۔ ہمارا منشور، وہی اسلام کا منشور ہے ہمارا منشور اتحادِ کلمہ اور اسلامی ممالک کے درمیان اتحاد قائم کرنا ہے۔ ہم تمام مسلمان مکاتب فکر کی بہادری چاہتے ہیں۔ ہم اسرائیل کے مقابل، دنیا کے گوشہ گوشہ، میں رہنے والی مسلمان حکومتوں کے ساتھ انہیں بھی چاہتے ہیں۔ ہم استعماری حکومتوں کے مقابل تحدی ہونا چاہتے ہیں۔“ (خمینیؑ، ۱۳۷۸: ۱۵۸)

آپ کے جانشین حضرت آیہ اللہ خامنہ ای (مدظلہ العالی) اتحاد مسلمین سے متعلق فرماتے ہیں: ”هم اتحاد کے بارے میں پر عزم ہیں، ہم نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا معنی اور معنوں پیان کیا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا معنی یہ نہیں ہے کہ مسلمان اور مختلف مکاتب فکر اپنے مخصوص کلامی اور فقہی عقیدے سے منصرف ہو جائیں، اتحاد کے دو اور معانی ہیں کہ جسے پورا ہونا چاہئے۔ پہلا یہ کہ مختلف مکاتب فکر، حقیقی دشمنوں کے مقابل ہو دلی، ہم فکری اور بابی تعاون کے ذریعے ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔ دوسرا یہ کہ مختلف مکاتب فکر کی یہ کوشش ہو کہ ایک دوسرے کے قریب ہوں اور آپس میں ایک تفاہم ایجاد کریں اسی طرح فقہی ممالک کا ایک تطبیقی موازنہ ہو۔ اگر تحقیقانہ طور پر بحث ہو تو بہت سارے فقهاء اور علماء کے فتاوی، جزی تغیری کے ساتھ ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔“ (حدیث ولایت، ۱۳۷۵: ۲۲۹)

شیعہ علماء اور مفکرین ہمیشہ اتحاد کی بات کرتے ہیں اس راہ میں قدم اٹھانا، دراصل قرآنی ا مقاصد کی سیکھی کی راہ میں قدم اٹھانا ہے دونوں مکتب فکر (شیعہ، سنی) کے پیروکار صدیوں سے اتحاد قائم کی تلاش میں سرگرم رہے ہیں اور اس راہ میں ہر قریم کی قربانی دیتے آئیے ہیں۔ بہت سارے اہل سنت علماء اتحاد اسلامی کی خاطر اپنے ثابت اور قابل تحسین کردار ادا کرتے رہے ہیں۔

مصر کے جامعہ الازہر کے سابق چانسلر مفتی شیخ محمود شملتوت کہتے ہیں: ”میں اور میرے جو ساتھی جامعہ الازہر کے تھے، مختلف فقہی امور میں فتوی دیتے ہوئے فقہ جعفری سے بھی بھر پور فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ بعض امور میں شیعہ نقطہ نظر کو اہل سنت مذاہب پر ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ ہم سنی ہیں۔ مصر کے ”سول لاء“ میں طلاق کے مسئلہ میں شیعہ نقطہ نظر کے مطابق فیصلہ دیا جاتا ہے، نہ کہ اہل سنت کے مطابق۔ اسی طرح رضاعت کے مسئلہ میں،



میں بذات خود شیعہ فقہ نظر کو ہی قوی جانتا ہوں، لہذا اسی کے مطابق فتوی دیتا ہوں۔ ایک منصف مزاج فقیہ جہاں بھی شیعہ نقطہ نظر کو دوسرے نظریات کے مقابلے میں دلیل و استدلال کے اعتبار سے قوی دیکھتا ہے اسی کے مطابق فتوی دیتا ہے، مبہی وجہ ہے کہ، آج میں اپنی ذمہ داری اور فریضہ جانتا ہوں کہ الازہر یونیورسٹی کے اسلامی لاکائج میں شیعہ سنی فقہ پر مشتمل فقہ تطبیقی کا شعبہ قائم کروں، اس کام سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ صحیح اسلامی احکام و مختلف اسلامی فرقوں کی فقہ سے اخذ کر سکیں، اس سلسلے میں شیعہ فقہ یقیناً سب سے آگے ہے۔“ (ر. ک: بی آزر شیرازی، ۱۳۰۳: ۱۰)

جناب شیخ محمود شلتوت نے تمام اسلامی ممالک کے نام ایک تاریخی فتوی جاری کیا جس میں فقہ جعفری کی پیروی کو بھی دوسرے اسلامی فرقوں کی طرح جائز قرار دیا ہے (ر. ک: وہی) اس فتوی کی تائید بہت سارے اہل سنت علماء نے کی، جن میں شیخ عبدالجید سلیم، شیخ محمد حمام، شیخ عبدالحیم محمود (الازہر کے سابق چانسلر)، (اسی طرح استاد شیخ محمد غزالی اور عبدالفتاح عبد المقصود و قابل ذکر ہیں (ر. ک: وہی) آج تمام مسلمانوں، خاص کر دانشوروں، علماء، زعماء اور جوانوں کا فریضہ ہے کہ باہمی اتحاد کو مضبوط بنائیں اور، فروعی اور جزوئی اختلافات کو بالای طاق رکھتے ہوئے، قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے مکرم کریں۔ کافی ہے اس سلسلے میں وہی تین بنیادی اصولوں کی پاسداری کریں۔

اصل توحید:

تمام اسلامی فرقوں کا ایک مشترک اصول، توحید ہے، نظریہ توحید پر سب کا اتفاق ہے نظریہ توحید کی اپنی کمیں میں:

ا۔ توحید ذاتی:

خدا اکیلا ہے، کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے ”قل هو الله حد“ (توحید ۱) اور کوئی دوسرا اس جیسا نہیں ہے ”لیس كمثیلہ شيء“ (شوری ۱۱) کوئی وجود اس سانہیں ”ولم يكُن له كفوا احد“ (توحید ۲)

۲۔ خالقیت میں توحید:

حقیقی خالق فقط خدا ہے۔ اس کے سوا کوئی مستقل وجود نہیں ہے کائنات کی ہر چیز اسی کے فرمان، اذن اور ارادے سے اثرگزار ہے: ”قل الله خالق كل شيء و هو الواحد القهار“ (رعد ۱۶)



۳:- ربوبیت میں توحید:

عالم کا ایک ہی رب اور ایک ہی مدرس ہے۔ کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں، مختلف امور میں ملائکہ کی تدبیر سمیت دوسرے سارے اسباب اسی کے فرمان اور اذان سے ہے:-

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفَاعَةٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَرَكُونَ﴾ (یونس/۳)

خدا کے سوا کوئی دوسرا حقیقی سبب موجود نہیں، البتہ کہی خدا خود ہی دوسروں کو اذن دیتا ہے۔

۴:- تشریع میں توحید:

حاکیت تہا خدا کے لئے ہے صرف وہی قانون وضع کر سکتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا امر، نہیں، حرمت و حلیت کا اختیار نہیں رکھتا:-

﴿إِنَّ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمْرًا لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (یوسف/۲۰)

۵:- اطاعت میں توحید:

خدا کے علاوہ کسی اور کسی اطاعت بالذات واجب نہیں۔ نبی اور دوسرے حضرات کی اطاعت کو اس نے خود ہی واجب قرار دیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیا کی اطاعت، خدا کی اطاعت کے مقابل نہیں ہے، بلکہ اسی کی اطاعت کے ذیل میں قابل تصور ہے۔

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا أَسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَاطِّبِعُوا﴾ (تغابن/۱۶)

۶:- حاکیت میں توحید:

خدم اطلاق لوگوں پر ولايت رکھتا ہے۔ اس کی ولايت اور حاکیت ذاتی ہے جبکہ دوسروں کی ولايت، اس کی اجازت اور اذن کے بعد متصور ہے:-

﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ يَقْصُدُ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَالِصِّلِينَ﴾ (انعام/۵۷)

۷:- شفاعت اور مغفرت میں توحید:

مغفرت اور شفاعت خدا ہی مختص ہے وہی غافر الذنب ہے:-

﴿وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (آل عمران/١٣٥).

دوسرا آیت میں آیا ہے ﴿قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاةُ جَمِيعًا﴾ (زمر/٣٣) -

شفاعت خدا کا ذاتی حق ہے، اور اسی سے مختص ہے، لیکن دوسرے لوگ اس کی اجازت اور اذن کے بعد ہی، اس حق کے مستحق بنتے ہیں:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (بقرہ/٢٥٥)

۸: عبادت میں توحید:

خدا کے علاوہ کوئی عبادت کے لاائق نہیں، اس کے سوا کوئی معبد نہیں، کوئی چیز، کوئی شخص عبادت میں اس کا شریک نہیں۔ اسی حقیقت کا اعتراف بندہ، سورہ حمد میں خدا کو مخاطب قرار دے کر کرتا ہے ﴿إِنَّا نَعْبُدُ﴾ (حمد/۵) کوئی مسلمان توحید کے بارے میں اختلاف نہیں کرتا۔ شہید مطہری عبادت میں توحید کے بارے میں کہتے ہیں: عبادت میں توحید، ایک فتح کی عملی توحید ہے اور یہ ایک فتح کی حرکت ہے کمال تک پہنچنے کے لئے خدا ہی کا انتخاب، کمال تک جانے کے لئے، عبادت میں توحید سے ہے۔ دوسری ساری ادعائی چیزوں کو ترک کر کے خدا ہی کے لئے جھکنا، اٹھنا، اسی کے لئے قیام کرنا، اسی کے لئے جینا اور مرننا۔ (مطہری/۱۳۵، ۳۷۹: ۱۳۵) عبادت میں توحید کے ذیل میں، مسلمانوں کا ایک فرقہ، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء الہی کے سامنے خصوص اور تدلیل (جو ایک فتح کا امر الہی ہے) (یوسف/۱۰۰، اسراء/۲۳، مائدہ/۵۷) کو شرک قرار دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص، تین اوصاف کو مدنظر رکھ کر ایسا کرتا ہے تو وہ خطا پر ہے اور یہ عمل موجب شرک ہے۔ اور وہ تین اوصاف حسب ذیل ہیں:

۱:- کوئی شخص کسی نبی یا ولی کو خدا سمجھ کر اس کی الوہیت کا قائل ہو کر ایسا کرے۔

۲:- کوئی شخص کسی نبی یا ولی کی رو بوبیت کا قائل ہو کر ایسا کرے۔

۳:- کوئی شخص کسی نبی یا ولی کو خدا کے مقابل بے نیاز جان کر ایسا کرے۔

میرے خیال میں کوئی مسلمان شخص، ایسا عقیدہ نہیں رکھتا۔ یہ تینوں اوصاف، صرف خدا ہی کی ذات با برکت کے ساتھ مختص ہیں۔ لہذا اصل توحید کو سب مانتے ہیں۔ البتہ بعض جزوی مسائل میں بعض مختلف نظریات ہیں جو اصل ہدف سے نہیں روکتے۔ حیات انسانی کی ترقی اور کمال یا بی میں، توحید مرکزی کردار ادا کرتی ہے، توحید سعادت دارین اور معنوی و مادی اہداف میں اساسی کردار، ادا کرتی ہے۔ توحید انسان کو مقصد خلقت سے متصل کرتی ہے۔ انسان خدا کی طرف سے آیا ہے اور اسی کی طرف اسے لوٹ کر جانا ہے اور یہ بشریت کے لئے ایک

جاوداں تو حیدی منتشر ہے جس کا اعلان قرآن کر رہا ہے: ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (بقرہ/۱۵۶)

تو حیدی رنگ، انسانی حیات کو تمام جہتوں سے تبدیل کرتا ہے اور انسان کو کمال مطلق کی طرف را ہمای کرتا ہے۔ الٰہی رنگ میں رنگنے کے بعد، انسان ہر دوسرے رنگ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ رنگ لگانے کا ایک مطلب ہوتا ہے جس جانور پر رنگ لگے، وہ اسی رنگ لگانے والے کا ہو جاتا ہے رنگ شخص کی ملکیت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح جس شخص پر رنگ الٰہی لگ جائے، وہ خالص تو حیدی کا بن جاتا ہے۔ ﴿صِبْغَةُ اللَّهِ وَمِنْ أَحْسَنِ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةٌ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ﴾ (بقرہ/۱۳۸)۔ جب انسان تو حیدی رنگ میں رنگا جاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ؛ اس کی ہر حرکت الٰہی بن جائے گی۔ خدا کی راہ میں قیام اس کا مقصد و ہدف بن جائے گا اور وہ اس راہ میں خدا کے سوا، کسی کی پرواہ نہ کرے گا:

﴿قُلِ اِنَّمَا اَعْظَمُ بِوَاِحِدَةِ اَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مُشْنِي وَ فَرَادِي﴾ (سبار/۲۶)

اسلام، اصل تو حید کی بناء پر اتحاد چاہتا ہے۔ توجہ کی بات یہ ہے کہ اسلام ایسا اتحاد نہ تھا مسلمانوں کے بدر میان چاہتا ہے بلکہ اس اتحاد کے دائرہ کو اہل کتاب اور دوسرے ادیان تک پھلاتا نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند اصل تو حید کو بنیاد بنا کر اہل کتاب کو اتحاد کی طرف دعوت دینے کی سفارش کرتا ہے:

﴿فُلِّيَّاَهَلَّ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ يَبْيَنُّا وَيَبْيَنُّكُمْ أَلَّا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نُشَرِّكُ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (آل عمران/۲۶)

اسلام، تو حید کو اصل قرار دے کر، پوری انسانیت کو اتحاد اور امن کی طرف بلاتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے ہی پیروکاروں کو ظلم، فساد، جہالت اور ناصافی کی طرف بلائے؟ اسلام کسی صورت ان چیزوں کو نہ فقط برداشت نہیں کرتا، بلکہ انہی چیزوں سے معاشرے کو پاک کرنا، اولین ترجیح دیتا ہے۔ خدا نے تمام انبیاء علیہم السلام معاشرے میں عدالت اجتماعی قائم کرنے کی غرض سے مبعوث کئے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (حدیر/۲۵)

لہذا تو حید ایک ایسی اصل ہے کہ جو پورے انسانی معاشرہ کو امن و سکون دے سکتی ہے۔
قرآن کی آیتوں اور مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایتوں اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی پاکیزہ



سیرت سے یہ چیز عیاں ہو جاتی ہے کہ تو حیدہ اصل و اساس دین ہے۔ اسی کو تحداد کے لئے اصل فردا یا جاسکتا ہے۔
جو شخص تو حید کا اقرار کرتا ہے وہ اختلاف سے قُل سکتا ہے قرآن کا اقرار انسان کو دوسروں سے بے نیاز کرتا ہے:

﴿وَيَدْعُونَا رَغْبًا وَرَهْبًا وَكَانُوا لَنَا خَاطِئِينَ﴾ (انبیاء/۹۰)

خداوند عالم دوسری آیت میں خشیت اللہ کو، ایمان کے لئے شرط جانتا ہے ”فالله حق ان تخشوہ
ان کنتم مومین“ (توبہ/۱۲) اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے مقابل خشیت کا حکم دیتا ہے ”
فلا تخشوهם و اخشون“ (ماکہ/۳۳) جب کسی دل میں خوف خشیت اللہ آجائے تو یقیناً اس دل سے
غیروں کا خوف نکل جائے گا۔ وہ دل تو حید کا مرکز بنے گا خدا اس دل پر خاص عنایت کرے گا خوف و حزن اس دل
سے نکل جائے گا، اس کے فرشتے، اس دل پر نازل ہوں گے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَنَزَّلَ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَا تَحَافُوا

وَلَا تَحْرِزُنَا وَأَبْشِرُونَا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ (فصلت/۳۰)

اگر کسی معاشرے میں، تو حید حکم ہو جائے، تو ایسے معاشرے میں موجود تمام اشیا، خود بخود رنگِ اللہ
اختیار کر لے گی جس کے نتیجے میں سانی، نسلی، علاقائی اور حزبی بتگر جائیں گے یہی وہ تہبا صورت ہے کہ جس کے
نتیجے میں، معاشرے کے اندر وحدت و اتحاد قائم ہو گا اور ایسا ہی معاشرہ، تو حید پرستی کی طرف رواں دواں ہو سکتا ہے۔

اصل نبوت:

ایک اور اصل کہ جو تمام اسلامی مکاتب فکر کے اندر اتحاد و قائم کر سکتی ہے، وہ اصل، اصل نبوت ہے تمام
مکاتب کا اس پر اتفاق ہے کہ معاشرے میں، ایک شخص ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دے اور خدا
کے پیغامات کو بندوں تک لے آئے، ایسے شخص کو ہادی کہا جاتا ہے۔ نبی منصب نبوت کا حامل ہوتا ہے۔ جو نبی
عالیٰ ملکیت کے لئے ہوتا ہے، وہ عالیٰ ملکیت کے لئے ہدایت کا مرکز ہوتا ہے۔ تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہے کہ اسلام ایک
عالیٰ دین ہے جو جامع اور کامل نظام حیات پر مشتمل ہے۔ اس بات کی دلیل قرآن میں ہے ”یا یہا الناس“ ()
بقرہ/۲۱، نساء/۷۱۔۷۲، فاطر/۱۵) ”یا بینی آدم“ (اعراف/۲۸۔۲۹) اور ”یا یہا الانسان“ (انفطار/۶)
(یا اس جیسے خطابات ہیں جن کی دلالت یہ ہے کہ قرآن تمام بشریت کے لئے ایک ابدی نظام زندگی ہے۔ قرآن
تمام انسانوں کے لئے ہدایت لے کر آیا ہے اور یہ کسی ایک زمانہ سے مختص نہیں، بلکہ یہ نظام تمام فکری نظاموں پر
 غالب آئیے گا: ”لِيُظَهِّرَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ“ (توبہ/۳۳)

اس آیت میں دین اسلام اور اس کے پیروکاروں کی فتح کو نوید سنائی گئی ہے اسی طرح بعض آیتیں اصل دین کے ایک جامع نظام پر مشتمل ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ”ما فرطنا فی الکتابِ مِن شَيْ“ (انعام ۳۸)، ”وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْ“ (خلیل ۸۹) ”وَ لَا رِطْبٌ وَ لَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ“ (انعام ۵۹) اسی طرح یہ حدیث ”وَ حَلَالٌ مُحَمَّدٌ حَلَالٌ إِلَيْهِ يَوْمُ الْقِيَامَةِ“ و حرامہ حرام ایلی یوم القيامت“ (بروجردی ۱۳۹۹: ۱۳۲)، دین کی ابدیت پر دلالت کرتی ہیں۔ انسانی معاشرہ کے لئے نبوت کے بلند ترین اہداف میں ایک بہف، اجتماعی طور پر عدالت کا قیام ہے ”لَقَدْ أَرْسَلْنَا رَسُولًا بِالْبَيِّنَاتِ وَ نَزَّلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ“ (حدیث ۲۵)

اس آیت کے تحت رہبر کا کام سب سے پہلے، معاشرے میں ایک اجتماعی نظام عدل کا قیام ہے۔ عدالت خود بخوبی قرآنی ہوتی، بلکہ کوئی عادل، با بصیرت رہبر ہو جو اسے برقرار کرے۔ معاشرتی مسائل سے واقف ایک رہبر کا وجود معاشرے کے لئے ضروری ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں، عدالت کا نفاذ انتہائی لازمی امر ہے۔ اجتماعی روابط ہوں یا فردی، یا کوئی اور مسئلہ، ہر ایک عدالت کے محتاج ہیں۔ اسی طرح مختلف مکاتب فکر کے درمیان بھی عدالت قائم ہو۔ مختلف فرقوں کے باہمی روابط کی بنیاد عدالت پر ہو۔ اگر ہماری گفتار، کردار اور طرز زندگی پر عدالت حاکم ہو تو بہت سارے اختلاف کا خود بخوبی خاتمه ہو جائے۔ آج اگر ہمارے معاشرے میں مختلف گروپوں کے درمیان قومی، اسلامی، صوبائی اور مذہبی تصادم نظر آتا ہے تو اس کی وجہ عدالت سے دوری ہی ہے۔ اسلام افراط اور تفریط کی نہ مت کرتا ہے۔ افراط اور تفریط کی بنیادی وجہ، عدالت سے روگردانی ہے۔ اگر معاشرے میں عدالت قائم ہو تو قتل و غارتگری، ظلم و تجاوز اور تمام اخلاقی برائیوں کا خاتمه ہو جائے گا۔

مختلف مکاتب فکر کی گفتار پر عدالت کی بالادستی ہو تو ایک دوسرے کی توہین نہیں کریں گے، ایک دوسرے کو کافرنہیں کہیں گے۔ مسلمانوں کی کمر انھیں چیزوں نے ختم کر دی ہیں اب مسلمان کا پورا زور، ترقی اور اجتماعی منصوبوں کی طرف توجہ دینے کے بجائے، اپنا اسلام ثابت کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ اگر عدالت حاکم ہو تو زبان عمل کے ٹکڑاؤ کا خاتمه ہو جائے گا۔ نبوت کا دوسرا فائدہ بشریت کے لئے، فطرت کی بیداری ہے رہبر معاشرہ کو نظری اصولوں کے مطابق چلاتا ہے۔ نبوت پر اعتقاد و اتحاد کا سبب بنتا ہے۔ نبی اپنے پیروکاروں کو ہمیشہ دعوت اتحاد دیتا ہے جب لوگ رہبر کے فرائیں پر عمل کرتے ہیں تو رہبر فطرت اور عقل کے مطابق دستور دیتا ہے اور عدالت کی نورانی شاہراہ پر معاشرہ کو چلاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فلسفہ بعثت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”فَبَعَثْتُ فِيهِمْ رَسْلَهٖ وَ وَاتَرَ

اللَّهُمَّ أَنْبِئْهُ لِي سَتَادُوهُمْ مِثْقَافُ فُطْرَتِهِ وَيَذْرُوْهُمْ مَنْسَى نَعْمَتِهِ وَيَشِّرُوا لَهُمْ دَفَائِنَ الْعُقُولِ” (دُشْتِيٰ، خ/۱)۔ جہالت کا تاریک پر دہ عقل سلیم پر چھایا ہوا اور بہت سارے لوگ جہالت کی تاریکی میں ڈوب چکے ہوں تو ایسے حالات کو بدلنے انبیاء علیہم السلام آتے ہیں جو ہنکئے انسانوں کو دوبارہ فطرت کی راہوں پر چلانے کے لئے انبیاء علیہم السلام آئے ہیں۔ بیان سے لوگوں کو معارفِ الہی کے جتنے سے سیراب کرنے رہا ان الہی آئے ہیں۔ ایسا لیا کے اسکا لرجناب ”کونت ادوا رو گیو جیا“ کہتے ہیں: میں قدیم اور جدید ادیان سے متعلق بہت زیادہ گہری تحقیق کر چکا ہوں اور سارے ادیان کا مطالعہ کر چکا ہوں جس سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تھا اور حقیقی آسمانی آئیں، اسلام ہے اس دین کی آسمانی کتاب یعنی قرآن مجید انسانی تمام مادی اور معنوی حوانج کو پورا کرنے کی ہمانت لیتا ہے، اسے اخلاقی اور روحی کمالات کی طرف لے جاتا ہے اور اس کی رہبری کرتا ہے۔ (ر.ک: قرمаз، ۱۳۸۲: ۲۲۸)

قرآن، لوگوں کی ہدایت کے ساتھ ساتھ، سائنس کی دنیا میں بھی اپنا کردار ادا کر رہا ہے یہی وجہ ہے ایک مغربی دانشور جناب دینورت اس بارے میں یوں کہتے ہیں: واجب ہے ہم یہ اعتراف کریں کہ علومِ طبیعی، بحومی، فلسفہ، اور ریاضی جو یورپ میں عروج پر پہنچے، عمومی طور پر قرآن سے لئے گئے ہیں۔ (ر. ک: وہی، ۲۵۵) ایک عیسائی مفکر جناب لامارٹین کہتے ہیں: محمد، مادون خدا و مافق بشر خصیت ہیں، پس وہ بغیر شک، شیخُر اور خدا کا بھیجے، ہوئے ہیں۔ (ر. ک: وہی، ۲۵۹)

اللَّهُمَّ نَمَأْنَدُ، بَهِيشَهُ لَوْكُوںْ كُوْلُمْ، فَكُرْ، عَقْلُ وَشُعُورُكَ دَعْوَتْ دَيْتَهُ ہیں۔ اتحادِ کسی قوم کے اجتماعی شعور کا پتہ دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا کام فقط ابلاغ و تبلیغ ہے ”وَ مَا عَلِي الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ“ (نور/۵۷) وہ لوگوں کو ظلم، شرک اور جہالت کی تاریکی سے توحید، ایمان اور علم کی روشنی کی طرف بلاتے ہیں ”هُوَ الَّذِي يَنْزَلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بِيَنَاتٍ لِيَخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلْمَاتِ إِلَى النُّورِ“ (حدیر/۹) نبی کسی شخص کو بزر و شمشیر دیندار نہیں بناتے۔ اس دینداری اور ایمان کا جو جبراکراہ کے نتیجے میں حاصل ہو، کوئی فائدہ نہیں ہوتا مصلحت کی ایمان ہے نہ حقیقی ایمان۔ دین اختیاری امر ہے جو ہر انسان کا حق ہے کہ وہ جس دین پر مطمئن ہو اسی کو اپنالے: ”لَا إِكْرَاهٌ فِي الدِّينِ“ (بقرہ/۲۵۶)۔ اللَّهُمَّ نَمَأْنَدُ، بَنَدوںْ پر خدا کی جنت اور گناہ گاروں اور سرکشوں پر اتمام جنت ہوتے ہیں: ”وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَسَّىٰ يَعْتَقُ فِي أَمْهَالٍ رَسُولاً يَتَلَوَّ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ“ (قصص/۵۹)۔ ان کے کام معاشرہ میں، انزار و تبشير ہوتے ہیں ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَةً لِلنَّاسِ بَشِّرًا وَنَذِيرًا وَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ“ (سبأ/۲۸)۔ وہ سرکش افراد جو اپنی فطرت مسخ کر چکے ہیں: ”اَفْرَأَيْتَ مِنِ اتَّخَذَا إِلَهَهُ هُوَاهُ“ (جاشیہ/۲۳) اور معاشرہ میں انتہائی

برائی پر اترے ہیں، تجاوز و غیان ان کا مزاج بن چکا ہے: ”إِنَّ الْإِنْسَانَ لِيُطْغِيَ أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَ“ (علق ر-۷۔۲)۔ ایسے ناپاک نفوس کو علم و حکمت اور تلاوت کے نور سے بھر کے، تزکیہ و تعلیم سے آراستہ کر کے، پاکیزہ بنا البی نمائندہ کی ذمہ داری ہوتی ہے: ”هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأَمَمِينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَنْذُلُ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِجْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ“ (جمعہ ۲۷) اگر معاشرہ، فلسفہ نبوت سے واقف ہو جائے، تو پھر اختلاف کا تصور ہی ختم ہو جائے گا۔ انشا اللہ ہبہت جلد میں پر خدائی حکومت قائم ہو گی اور الہی نمائندے، خدا کی نیابت میں پوری انسانیت کو بعثت نانبیا علیہم السلام کی حقیقی شہراہ پر چلانیں گے۔

اصل معاد

ایک اور اصل کہ جو تمام اسلامی مکاتب فکر کے اندر اتحاد قائم کر سکتی ہے، وہ اصل، اصل معاد ہے۔ جس طرح سارے اسلامی مسالک کے پیروکار مبداؤ اور خالق ہستی پر اعتماد کرتے ہیں اسی طرح یہ لوگ معاد پر اعتقاد و اتفاق رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی پر مبدأ و معاد کا گہرا اثر حکم فرماتا ہے۔ معاد پر اعتقاد کے حوالے سے لوگوں کی کئی تسمیں ہیں:

ایک گروہ معاد پر مکمل ایمان رکھتا ہے۔ یہ گروہ کی زندگی گزارنے کا طریقہ دوسروں سے مکمل جدا اور مختلف ہے۔ معاد کی یاد نے ان کی زندگی بدل کے رکھ دی ہے۔ اس گروہ کی بعض خصوصیت سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتوں میں ذکر ہوئی ہے۔ یہ گروہ بطور دائم، غیب پر ایمان رکھتا ہے اسی طرح ان لوگوں کی صفت، دائم نماز قائم کرنا، خدا کی راہ میں انفاق کرنا، گزشتہ کتابوں اور ما انزل اللہ پر بطور مطلق ایمان رکھنا ہے ”الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمَمَّا رَزَقَنَا هُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُونَ“ (بقرہ ۲۷-۳۰)۔ اسی طرح یہ گروہ بطور دائم آخرت پر یقین رکھتا ہے۔

قرآن میں مختلف مقامات پر اس گروہ کے اوصاف کو خدا نے بیان کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ جس طرح اس گروہ کا اعتقاد مبدأ و معاد وغیرہ پر دائم ہے ”وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُونَ“ ویسا ہی اس گروہ کے کردار و افعال بھی داگی ہیں ”يُوْقِنُونَ بِالنَّدْرِ وَيَحْافُنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى جُبْهِ مِسْكِينًا وَيَتَیِّمًا وَأَسِيرًا“ (انسان ۸۷-۸۸)۔ وفاۓ عہد اس گروہ کا طرہ امتیاز ہے اور مسلسل طور پر آخرت کا خوف یہ گروہ دل میں رکھتا ہے یہی خوف معاد ہے کہ جس کی وجہ سے ان کی زندگی ایثار و قربانی سے لبریز نظر آتی ہے۔ اور یہ

لوگ محتاجوں کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں یطعمون، گویا یہ ان کی زندگی کا ایک مستقل حصہ بن چکا ہے۔ اخلاص عمل ان کی نشانی اور علامت ہے۔ ان کا ہر عمل اخلاص پر مشتمل ہے۔ حتیٰ ان کی نیت اور ضمیر ان کے عمل سے مختلف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم ان کے درونی احساس کی خبر دیتے ہوئے اس کو آیت کی صورت میں پیش کرتا ہے：“إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا تُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمَطْرِبًا ۝” (آل عمران ۹-۱۰)۔ آئیوں کے سیاق و سبق سے پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ معاد کس طرح اس گروہ کی زندگی پر چھایا ہوا ہے۔ ان کے تمام اعمال، افکار اور نیوں کے پیچھے عقیدہ معاد کی ایک خاص کارفرمائی ہے۔

بعض دوسرے گروہ معاد پر ایمان تو رکھتے ہیں، لیکن پہلے گروہ کی مانند نہیں۔ بعض تہذیب بان کی حد تک ایمان کا اظہار کرتے ہیں، لیکن دل نور ایمان سے خالی نظر آتا ہے۔ “وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدُعُونَ إِلَّا أَنفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝” (بقرہ ۸۷-۸۸)۔ اسی طرح جس شخص کی زندگی میں آخرت کا کوئی حصہ نہیں اور وہ آخرت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اس کے تمام اعمال باطل ہوں گے اور وہ دونوں جہانوں میں خسارے میں رہے گا۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنْ وَالْأَذْيَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِنَاء النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانِ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَأَبْلَى فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْفَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝” (بقرہ ۲۲۷)۔ اس کا دل شیطانی و سوسوں کا مرکز ہو گا اور غلط تبلیغات کی طرف مائل ہو گا۔ ”وَلَتَصْنَعَ إِلَيْهِ أَفْيَدَةُ الَّذِينَ لَا يُوْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضُوهُ ۝“ (انعام ۱۳۶) ایسا شخص ہمیشہ غلط کاموں کا مرتكب ہوتا رہے گا، خدا پر جھوٹ باندھنا، لوگوں کو راہ الہی سے روکنا اور اسے مشکوک دیکھانا اس کی عادت بن جائے گا اس پر خدا کی لعنت ہو: ”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَئِكَ يُعَرِّضُونَ عَلَى رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هُؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ الْأَلْعَنةُ اللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَعْنَوْنَهَا عَوْجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝“ (ہود ۱۸-۱۹)۔ قرآن ایسے گروہوں کا اور بہت سارے اخلاقی برائیوں کا ذکر متعدد آئیوں میں کرتا ہے جیسے: ابراہیم آیت ۲۹-۲۲؛ بقرہ، ۱۰؛ اسراء ۳۵-۲۲؛ نہیں ۹۷-۹۸؛ ہمیں ۵-۲۲؛ روم ۱۲؛ سبا ۲۵؛ زمر ۲۵؛ فصلت ۲-۵ و حم ۲۷-۲۸۔

یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ایسے عذاب میں گرفتار نہ ہوں، اور معاشرہ اور مسلم ام کو ایسی ہلاکت اور تفرقہ کی آگ سے نجات دیں۔ اسلامی تمدن کی عمارت کو اتحاد کی بنیاد پر تعمیر کرنے کے لئے اپنی تمام توانائیوں کو بروئے کار لائیں۔ اور ان مشترکہ اصولوں پر کار بندر ہیں۔ یقیناً آفتاب عدالت طلوع کرنے ہی والا ہے ہمیں پورے

معاشرے اور سماج کو اس سے روشنی لینے کے لئے تیار کرنا ہے۔ یہ مقصد تب پورا ہوگا، جب معاشرے میں ایک دوسرا ہے کا احترام ہوگا۔ کم از کم ہم دوسروں سے متعلق، انسانی بنيادوں پر سوچیں گے اور خود انسان بننے کی کوشش کریں گے۔

منابع:

قرآن۔

نیج البالغہ، ترجمہ دشتی۔

ابن حبان، صحیح ابن حبان، موسسه الرسالۃ، بی، جا، ۱۳۱۲ق۔

احمد بن حبل، المسد، بیروت: دارصادر، بی تا۔

آوای وحدت، مجمع جهانی تقریب مذاہب، ۷۲۷۱۳ش۔

بروجردی، حسین، جامع احادیث الشیعہ، قم: المطبعة العلمية، ۱۳۹۹ق

بروجردی، حسین، جامع احادیث الشیعہ، قم: منتشرات مدینۃ العلم، ۱۳۱۰ق۔

بی آزار شیرازی، عبدالکریم، توحید کلمہ، تهران: دفتر نشر ہنگ اسلامی، ۱۴۰۳ق۔

حدیث ولایت، تهران: سازمان مدارک فرهنگی انقلاب اسلامی، ۱۳۷۵ق۔

دروزة، محمد عزت، التفسیر الحدیث، قاهرہ: دار حیاء الکتب العربیہ، ۱۳۸۳ق۔

صدر الدین، شرف الدین، حلیف مخزوم (عمار یاسر)، ترجمہ غلام رضا سعیدی، تهران: انتشارات جعفری، ۱۳۲۵ش۔

طبری، محمد بن جریر، جامع البیان، بیروت: دار الفکر، ۱۳۱۵ق۔

قرماز، فرمان، اثبات جامعیت دین اسلام، قم: پایان نامہ کارشناسی ارشد جامعہ المصطفی العالمیہ -

مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت: موسسه الوفاء، ۱۴۰۳ق۔

مطہری، مرتضی، سیری در نیج البالغہ، تهران: دارالتبیغ اسلامی، ۱۳۵۶هـ، ۱۳۵۷ق۔

وحدت از دیگاه امام خمینی، تهران: موسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ۱۳۷۸ق۔

ہندی، مقتی، کنز العمال، بیروت: موسسه الرسالۃ، ۱۳۰۹ق۔



کلام علیؐ میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل

سید نجیب الحسن زیدی

خلاصہ:

پیش نظر مقالہ میں مسلمانوں کے موجودہ مسائل پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے اور اقوال امام علیؐ کی روشنی میں ان کے حل کو پیش کیا گیا، مسلمانوں کا درخثان ماضی اور ان کا موجودہ احاطہ ان کی ترتیلی و ابتری، میں دھیل مسائل، مسلمانوں کی تعلیمی پسمندگی، حصول علم کی ضرورت، جہالت فقر و ناداری اور اس سے بچنے کے طریقے، اختلاف و افتراق اور ان کا حل، بدعتوں کا رواج اور ان سے مقابلہ وغیرہ وہ مسائل ہیں جنہیں اس مقالہ میں تجزیاتی طور پر پیش کرتے ہوئے یہ کوشش کی گئی ہے کہ امام علیؐ کے ارشادات و فرمائیں کی روشنی میں مسلمانوں کے ان مسائل کو بیان کیا جاسکے جو ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں، تاکہ مسلمان اپنے درخثان ماضی سے عبرت لیتے ہوئے امام علیؔ علیہ السلام کے اقوال و سیرت کی روشنی میں ایک تاباہک مستقبل کو تعمیر کر سکیں۔

کلیدی الفاظ: علم، معیشت، فقیری، بدعت، قرآنی تعلیمات، سیرت علوی، اتحاد اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ آج مسلمانوں کا درخثان دور ختم ہو گیا اور کل یورپ کے گھٹتے ہوئے ماحول میں علم و حکمت کے چار غروشن کرنے والے آج اپنے گھروں سے تاریکی کو دور کرنے کے

لئے دے دیئے کے محتاج ہیں۔ کل جنہوں نے اپنے کرشناتی ذہنوں کو بروئے کارلا کر مغربی ممالک کو نور کی روشنائی سے نہلا دیا آج وہی اپنے سماج کی تاریکیوں کو ختم کرنے کے لئے انہیں ممالک کے محتاج ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب اہل یورپ جہل و ظلمت سے بھرے معاشروں میں حیران و سرگردان تھے اور مسلمانوں کو لاٹھ بھری نظروں سے دیکھتے تھے وہ مسلمانوں کی کتب کا ترجمہ کرتے جوان کی درسگاہوں کی زینت نہتی۔ لیکن آج مسلم معاشرے کی ثقافتی و تعلیمی پسماندگی، اخلاقی بدحالی اور معاشری احتصال کو فراموش نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اغیار کی طرف سے سیاسی اور فوجی یلغار کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبال

دیر و ز مسلم از شرف علم سر بلند

امروز پشت مسلم و اسلامیاں خم است

اب سوال یہ ہے کہ یہ سب کیسے اور کیوں کر ہوا؟ اور اس کا علاج کیوں کر ممکن ہے؟

اس لئے کہ جو ہوا سو ہوا اب اس کی وجہ ہماری غفلت رہی ہو یا اسلام سے دوری رہی ہو یا آپسی اختلافات، لیکن اب اس کا علاج کیا ہے اس لئے کہ آج کے دور میں جو حالات ہیں وہ بہت ہی سمجھیں صورت حال اختیار کر کچے ہیں آیت اللہ العظمی خامنہ ای آج کل کے حالات کا مقایہ حضرت علیؑ کے دور سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (آج کے دور کے حالات وہی ہیں جو حضرت علیؑ کے دور میں تھے ہم موجودہ دور میں آپ کی نظر سے دنیا کی حقیقت اور سماج کی واقعیت کو دیکھتے ہوئے بے شمار مسائل کو حل کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں اس زمانے میں ہم ہر وقت سے زیادہ فتح البلاغہ کےحتاج ہیں ۱

حضرت آیت اللہ العظمی خامنہ ای کی اس فرمائش کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مقالہ میں ہم نے کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کو درپیش بنیادی مسائل کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تاکہ فتح البلاغہ اور سیرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی روشنی میں ان مسائل کا قابل قبول حل پیش کیا جا سکے جو آج کے مسلمانوں کو درپیش ہیں۔

مسلمانوں کے موجودہ مسائل:

۱) تعلیمی پس ماندگی اور جہالت:

یہ اک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قوموں کے عروج و زوال میں جو چیز کلیدی حیثیت کی حامل ہے وہ ان کی تعلیم ہے۔ اور ہمارا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ جس قوم نے تعلیمی میدان میں قدم آگے بڑھائے ہیں اس نے اپنی تعلیم کی روشنی میں ترقی کی منزلوں کو بھی کیے بعد دیگرے طے کیا ہے اور جو قوم جہالت کا شکار رہی ہے وہ ہمیشہ پس ماندہ

رہی ہے تعلیم کی کس قدر اہمیت ہے؟ اور تعلیم قوموں کے لئے کون سا سرمایہ حیات ہے؟ اس چیز کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ خود قرآن مجید کی بیشور آیات اسکے والا مقام کا پیچے دے رہی ہیں تعلیم کی اہمیت اور اسکی افادیت کو جقد رکتب اسلام نے بیان کیا ہے شاید ہی کوئی ایسا دین ہو جس نے تعلیم کے سلسلے میں اس قدر تاکید کی ہو۔ لیکن افسوس جس قدر تعلیم کی تاکید اسلام کے اندر ہے اسی قدر مسلمان تعلیم سے بیگانہ ہیں۔

۲) فقر و ناداری:

تعلیمی پسمندگی اور جہالت کے علاوہ مسلمانوں کا دوسرا سب سے اہم مسئلہ فقر و ناداری ہے۔ ایک ایسا مرض ہے جو پورے مسلم معاشرہ کو متاثر کئے ہوئے ہے اور اگر جلد اس کا اعلان نہیں کیا گیا تو اسکے منتوں میں بہت ہی زیادہ نگین ہو گئے اس لئے کہ "علم اقتصاد کے ماہرین کا خیال ہے کہ جس معاشرہ کی اکثریت فقیر ہو وہ معاشرہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔"

۳) اختلاف و افتراق:

کسی بھی قوم کی نابودی کے لئے اس سے زیادہ عذاب اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو وہ جہالت او ر غربت و افلاس سے جو جھہ ہی ہو دوسری طرف آپس میں اختلاف و افتراق کا شکار ہو۔ وہ چیز جس نے آج مسلمانوں کو بالکل بے بس بنا دیا ہے وہ آپس کا اختلاف ہے جسے قرآن نے کتنی اچھی تجویز استعمال کی: اگر تمہارے اندر اختلاف رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ضعف و سستی تمہارے اندر پیدا ہو جائے گی اور تم کسی قبل نہ رہو گے۔ مگر آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے قرآنی دستورات کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے اپنے اندر اس قدر اختلاف پیدا کر لیا ہے کہ ہمارے اختلاف کی آگ میں استھنا پنی روٹیاں سینک رہا ہے اور ہمیں دکھاد کھارہ بھاڑا ہے اور ہم فقر و ناداری میں تڑپ رہے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ یہ سب اختلافات کی وجہ سے ہو رہا ہے بقول سید جمال الدین اسد آبادی: "اسلامی ممالک کو جو مرض لاحق ہے اسکی تشخیص کے لئے میں نے بہت فکر کی اور بہت سوچا آخرا کار میں نے پایا کہ مہلک ترین مرض تفرقہ اور اختلاف ہے لیکن گویا کہ مسلمانوں نے تنہ اس سلسلے میں اتحاد کیا ہے کہ مخدنے ہوں۔"

امام ثعلبی اسی تفرقہ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "تفرقہ آج کے دور میں اسلام سے خیانت ہے چاہے وہ کسی بھی عنوان کے سے ہو۔"

۲) قرآنی تعلیمات سے دوری:

پہلی تحریر

مسلم معاشرہ آج جن انگلیت مسائل سے دوچار ہے ان میں ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ بدعتوں کو ہم نے اپنے پورے سماج میں یوں رچا بسا لیا ہے کہ گویا ہمارے لئے کوئی ایسی کتاب نازل ہی نہیں ہوئی جو ہمارے لئے آئین زندگی کی حیثیت رکھتی ہو جو ہمارے لئے مشعل راہ ہو بلکہ جو کچھ ہے وہ تمام کی تمام وہ چیزیں ہیں جنہیں ہمارا تقلیدی ذہن ہمیں انجام دینے پر اکساتا ہے اور ہم دین سے بے خبر بنا سوچے سمجھے انہیں شریعت کا جز بنا کر انجام دینے لگتے ہیں چنانچہ شہید مطہری اسی مشکل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "تحریفوں میں سب سے خطرناک تحریف، دینی اسناد آسمانی کتب، احادیث اور سیرہ پیغمبرؐ میں تحریف ہے" ۸

ہمارا حال یہ ہے کہ جس جگہ بھی کسی بھی عنوان سے کوئی ایسا نعرہ بلند ہوتا ہے جو ہمیں اچھا لگتا ہو تو ہم فوراً اسے اپنا لیتے ہیں حتیٰ اسے دین میں داخل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اور بے جا تخلیل اور تفسیر کر کے یہ ثابت کرنے پر تلر ہتے ہیں کہ یہ چیزوں پہلے سے ہی اسلام میں موجود تھی کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اسلام اس طرح کی چیزوں کو شدت کے ساتھ حکوم کرتا ہے۔^۹

ان تمام مسائل کو دیکھنے کے بعد ہر احساس رکھنے والا انسان جو ایسے سماج اور معاشرہ سے تعلق رکھتا ہے کہ جس کے اندر لا تعداد ایسے مسائل ہیں جو سماج کو آگے بڑھنے سے روک رہے ہیں لیکن ان کا کوئی حل کمیں نظر نہیں آتا تو وہ جی ان وسر گردان اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہے کہ کل کیا ہوگا؟! آج ہمارا یہ معاشرہ اور سماج یوں افسرده و ساکت ہے جیسے فرشتہ موت نے اسے دیکھ لیا ہو دوستک لاقلتی اور لا پرواہی کا ساتھ چھایا ہوا ہے! ظلمت و تاریکی کا سایہ ہر طرف چھایا ہے لیکن اسی تاریکی ظلمت کے مہیب سنائے میں ایک آواز ہے جو بار بار ہمیں اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے گویا کوئی چاغ تارتخ اور زمانے کے دیپز پر دوں کے پیچھے سے ہماری حالت دیکھ رہا ہو اور اپنے نور سے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھانا چاہتا ہے "میں تمھارے درمیان اس چاغ کی مانند ہوں کہ تاریکی میں بھی اگر کوئی اس سے قریب ہوتا ہے تو اس کے نور سے استفادہ کرتا ہے اے لوگو! میری یاتوں کو سنبھاو رہا د

رکھو اور دل کے کانوں کو کھول کر سامنے لا دتا کہ سمجھ سکو۔ میں "آواز کسی اور کی نہیں بلکہ اس چراغ ہدایت کی ہے کہ
علمتوں نے نہ کر جس کا گلا گھونٹا چاہا لیکن ناکام رہیں لیکن افسوس کا مقام اس وقت ہو گا جب اس چراغ ہدایت سے
ہم کچھ حاصل نہ کر سکیں تو آئیے چلتے ہیں در بابِ العلم پر اور اپنے مسائل کا حل ڈھونڈتے ہیں

ہمارے مسائل کا حل

۱۔ تخلصیل علم:

یہی وہ راہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی تعلیمی پس ماندگی کو دور کر سکتے ہیں اور معاشرے میں سراٹھا کر
جی سکتے ہیں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

العلم اصل کل خیر ۱، علم ہر اچھائی کی بنیاد ہے۔

اکتسیبوا العلم یکسیبکم الحیات ۲ لی تم علم حاصل کرو علم تھیں زندگی عطا کرے گا۔

ایہا الناس اعلموا ان کمال الدین طلب العلم والعمل به ۳ اے لوگو! جان لو کہ دین کا کمال یہ ہے کہ علم
حاصل کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

الحكمة ضالة المؤمن فخذ الحكمه ولو من اهل النفاق؛ لـ حکمت مؤمن کی گمشدہ چیز ہے پس حکمت کو
لے لو چاہے اہل نفاق سے ہی کیوں نہ لینا پڑے۔

اور خود حضرت علی علیہ السلام کی سیرت یہ رہی ہے کہ آپ نے بے شمار شاگردوں کی تربیت کی بقول ابن
ابی الحدید: "علوم کے سارے سرچشمے آپ ہی کی ذات پر مرتبت ہوتے ہیں ۵" آپ تعلیم و تعلم کے اس قدر شیدا تھے کہ
تاریخی کتب میں ملتا ہے کہ میدان جنگ میں بھی اگر کوئی سپاہی آپ سے کوئی سوال کرتا تو آپ اسے فورا جواب
دیتے اور اسکے فکری شہبات کا ازالہ کرتے ۶ حتی اگر ایک ہی سوال آپ سے کئی بار بھی ہوتا تو بھی آپ جواب
دینے میں کوئی تأمل نہیں کرتے اور جس حالت میں ہوتے اسی حالت میں جواب دیتے چنانچہ جنگ جمل میں
ایک سپاہی نے آپ سے خدا کی وحدانیت کے بارے میں سوال کیا جب کہ لوگوں نے اسے ٹوکا اور کہا یہ کون ی
سوال کرنے کی جگہ ہے؟ تو امام نے جواب دیا: دعوه فان اللہ یبریدہ الاعرابی هو اللہ نریدہ من

القوم ۷ اسلو نی سلو نی قبل ان تفقدونی "مجھ سے پوچھو مجھ سے پوچھو اس پہلے کہ مجھے تنوادہ" یہ وہ جملہ
ہے جسے تاریخ بکھی نہیں بھلا پائے گی، آپ کی نظر میں تعلیم کس قدر اہم ہے اس کا اندازہ ان روایات سے لگایا جاستا
ہے اللف. آپ سے کسی نے سوال کیا خیر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: خیر مال کی زیادتی نہیں ہے بلکہ خیر علم کا زیادہ

ہونا ہے۔ ۱۸۔ اے لوگو! ک حق میرا تمہارے اوپر ہے اور ایک حق تمہارا میرے اوپر ہے تمہارا حق جو میرے اوپر ہے وہ یہ کہ میں تحسین نصحت کروں اور تمہاری معیشت کو نظم بخشوں اور تحسین تعلیم دوں تاکہ تم جاہل سہ رہ جاؤ۔ ۱۹ ان روایات سے بخوبی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ علی کی زندگی میں تعلیم اولین درجہ کی اہمیت رکھتی ہے نیز یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ حاکم کا جس طرح اپنی رعیت پر حق ہوتا ہے اسی طرح رعیت کا حاکم پر بھی حق ہوتا، جن میں سے ایک تعلیم ہے، علم کی اس قدر تاکید کی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ ایک عالم انسان کا علم اسے افراط و تفریط کا شکار ہونے سے روکتا ہے کیوں کہ افراط و تفریط دو ایسی آفات ہیں جو انسان کو اس کی اصلی راہ سے ہٹا کر دین کی نابودی کا باعث نہیں ہیں اور افراط و تفریط وہیں ہوتی ہے جہاں جہل ہوتا ہے لاتری الجاہل الْ مُفْرَطَا أو مفرطاً۔

تعلیم کے لئے سب سے مفید وقت

نہ صرف یہ کہ مولائے کائنات علیہ السلام نے تعلیم کی افادیت کے پیش نظر اپنے حکیمانہ اقوال سے بنی نوع بشر کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ تعلیم و تربیت کے لئے سب سے اچھا وقت کون سا ہو سکتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں "جو ان کا دل ایک خالی زمین کی مانند ہے جو دنہ بھی اسمیں ڈالیں وہ اسے قبول کر لے گا۔" ۲۰

امام عجیب علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں "میں نے تمہاری تعلیم و تربیت میں جلدی کی اس سے قبل کہ تمہارا قلب سخت ہو گائے اور تمہاری عقل تمہاری فکر کو دوسرا امور میں مشغول کر دے۔" ۲۱ حضرت علی علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات ان تمام افراد کے لئے مشعل راہ ہیں جو اپنے بچوں کے لئے ایک خشگوار مستقبل کا خواب دیکھ رہے ہیں اس سے قبل کہ ان کے بچوں کے دل سخت ہو جائیں دینی معارف اور تمام امر وہ باتیں جو انکے مستقبل کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہیں انہیں تعلیم دے دینی چاہیے۔

۲. سام و اور بہتر معیشت کے لئے جدوجہد :

آج ہمارے سماج اور معاشرے میں کچھ ایسے افراد بھی ہیں کہ جو معیشت کو بہتر بنانے کے لئے بھاگ دوڑ کو دنیاداری سے تشبیہ دیتے ہیں اور انکا خیال یہ ہے کہ اس چند روزہ زندگی کے لئے بھاک دوڑ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے تو جو کچھ بھی روکھی سوکھی ملے اسی پر گزر بسر کر لینا بہتر ہے اور اپنے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہی زہد ہے جبکہ انکے لئے بہترین ذریعہ معاش کا سامان فراہم ہے اگر وہ چاہیں تو ایک خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں لیکن وہ اسے دنیاداری سے تعبیر کرتے ہوئے فرار اختیار کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے امام ارشاد فرماتے ہیں: "لیس منا من ترك الدنيا لآخره..." وہ شخص ہم سے نہیں ہے جو دنیا کو



آخرت کے لئے ترک کر دے۔ ۲۳ اور حقیقی زہد کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الرہد بین کلمتين من القرآن قال اللہ سبھنہ۔ لکی لا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتا کم ومن لم يائس علی الماضی ولم یفرح بالآتی فقد اخذ الزهد بطرفیہ ۴۱ بلکہ ان افراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنہوں نے دنیا کی نعمتوں سے بھی استفادہ کیا اور اپنی آخرت بھی سواری آپ فرماتے ہیں: ان المستقین ذہبوا بعاجل الدنيا آجل الآخرہ۔۔۔ سکونا الدنيا فافضل ما سکنت واکلوها ما اکلت فحظوا من الدنيا بما حظی به المعترفون ۵۵

جہاں کچھ ایسے افراد دین کے جو زہد کے معنی کی غلط تفسیر کرتے ہوئے دنیا کی نعمتوں کو خود پر حرام کر لیتے ہیں اور نتیجہ فقر و ناداری میں زندگی بر کرتے ہیں وہیں کچھ ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو اپنے لئے بڑے کام کا تصور ہن میں لئے بیٹھ رہ جاتے ہیں اور معيشت کی طرف توجہ نہیں دے پاتے کیونکہ وہ چھوٹے موٹے کاموں کو اپنے لئے بے عزتی کا سبب سمجھتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے کام کی تلاش میں یوں ہی بیٹھے بیٹھے عمر گزر جاتی ہے اور کوئی بھی کام ہاتھ نہیں آتا ہے جب کہ یہی افراد اگر حضرت علی علیہ السلام کی سیرت کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ آپ معيشت کو ہبھر سے بہتر بنانے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے تھے۔
جب ہم حضرت علی کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ملتا ہے کہ:

● "علی علیہ السلام ببلچہ چلاتے اور زمین کی نعمتوں کو آشنا کرتے تھے۔ ۲۶۔

● درخت کاری اور زراعت کرتے تھے اور کنوئیں کھو دتے تھے۔ ۲۷۔

● "کسی نے آپ کے ہاتھوں میں ایک من خرے کی گھٹلیاں دیکھیں تو سوال کیا یا علی ان کا کیا مصرف ہے آپ نے جواب دیا خداوند متعال کے اذن سے ان گھٹلیوں سے خرے کے درخت تیار کروئے اور پھر آپ نے ان سے ہی ایک نخلستان بنایا اور اسے راہ خدا میں وقف کر دیا۔ ۲۸۔

● ایک بوڑھا شخص فقیری کر رہا تھا آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملanchرانی ہے آپ نے حکم دیا اسے بہت المال سے خرچ کیوں نہیں دیتے۔ ۲۹۔

● آپ کی حکومت کے دوران عمومی رفاه کا یہ حال تھا کہ کوئی میں رہنے والا غرب سے غریب شخص بھی گیہوں کی روٹی کھاتا اور اسکے سر پر چھٹ کا سایہ تھا۔ ۳۰۔

فقر و ناداری کے بارے میں آپ کے اقوال یقیناً ہمارے معاشرے کے لئے رہگشا ثابت ہو سکتے ہیں کہیں آپ نے فقیری کو موت سے تعبیر کیا ہے تو کہیں فقیری کو اپنے وطن میں غربت قرار دیا ہے۔ آپ کی نظر وہ میں

معیشت اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ جہاں آپنے اپنی وصیت میں اور دوسری باتوں کی طرف اپنے فرزندوں کو متوجہ کیا ہے وہیں اس طرف بھی انکو متوجہ کیا ہے کہ انکی معیشت بھی خراب نہ ہو۔۳۴

فقیری سے کیسے بچا جائے؟

آپ فرماتے ہیں جو شخص بھی میانہ روی اختیار کرتا ہے میں اس کی صفائح لیتا ہوں کہ وہ بھی فقیر نہیں ہو سکتا۔

آپ فقیری سے بچنے کا علاج بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اتجروا بارک اللہ لکم ۳۲ تجارت کرو اللہ تحسین برکت دے گا۔

تجارت کرو کہ تجارت تحسین لوگوں سے بے نیاز کر دے گی حتیٰ ذریعہ معاش کے اقسام کو بیان کرتے ہوئے آپ ذریعہ معاش کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ۳۳

علیٰ علیہ السلام کی زناہ میں فقر کے عوامل:

- کوئی بھی فقیر اپنے معاش سے محروم نہیں ہوتا مگر یہ کہ ایک اس غنی کامال ہڑپ کر لیتا ہے۔۳۴
- جو شخص اپنے کام کی رحمت کو برداشت نہیں کر سکتا وہ فقیری کو تل کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔۳۵
- اوقات کو تنظیم نہ کرنا اور کسی وقت جو دل میں آئے وہ کام کرنا فقر لاتا ہے۔۳۶
- سوء تدبیر فقر پیدا کرتی ہے۔۳۷

علیٰ علیہ السلام کی زناہ میں غربت کے اثرات:

- خوارت! لوگ فقیر کو فقر کی بنا پر حیر سمجھتے ہیں۔۳۸
- فقیر کو بہت جھوٹا سمجھا جاتا ہے اور اس کی بات ان سی کردی جاتی۔۳۹
- فقیری ایک انسان کو استدلال کے وقت گنگ بنادیتی ہے۔۴۰

جهاں حضرت علیٰ کی پوری زندگی فقر و ناداری کے خلاف جہاد میں گزری وہیں آج مسلم معاشرے کی اکثریت فقر و ناداری کا شکار ہے جس کی ایک وجہ خود ہماری سستی اور کام سے فرار ہو سکتا ہے جب کہ حضرت علیٰ معیشت کو سدھارنے کے لئے سخت سخت کام انجام دینے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ آپ لوگوں کی معیشت کو سنوارنا خود پر لوگوں کا حق سمجھتے تھے۔۴۱ اب یہ ہمارے معاشرے کے پڑھے لکھے طبقے کا کام ہے کہ آئیں اور بیٹھو۔



مشکل حل نہیں ہوتی ہے معاشرہ مزید فقر و ناداری کے دلدل میں پھنستا جائے گا اس لئے کہ ماہرین اقتصادیات کے بقول فقر، فقر پیدا کرتا ہے۔ ۲۴) لہذا اس کا ایک حل ہونا چاہیے جب کہ فقیری ضعف ایمان کا باعث بھی ہے۔ ۲۵) اس لئے کہ اگر اس کا حل خود قوم کے افراد نہیں کریں گے تو پھر کون کریگا؟ خدا نے علیؐ کی آواز صدابہ صحر اہو کر رہ جائے جس میں انہوں نے فرقا کی دسترسی اور ایک دیکھ بھال کے لئے فرمایا：“اللہ اللہ فی الطبقة السفلی من الدین لا حیلة لهم” ۲۶) ”دیکھو نچلے طبقہ کا خیال کرنا جس کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا“

۳۔ اتحاد و هم دلی

امام حنفیؓ فرماتے ہیں: اگر مسلمان خداوند متعال کے اس فرمان کے مطابق کہ جس میں کہا گیا ہے：“واعتصموا بحبل الله جمیعاً و لا تفرقوا ” پر عمل کریں تو ان کی تمام مشکلات حل ہو جاتیں اور کوئی بھی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ۲۷) اپنی صفوں کے اندر یک جہتی اور آپسی رواداری کو فروغ دے کر بھی ہم آپ کے اختلافات کو ختم کر سکتے ہیں اس لئے کہ افتراق و اختلافات کسی بھی طرح ہمارے فائدے میں نہیں ہے اور اگر ہم حضرت علیؐ کی سیرت کا اس زاویہ سے جائزہ لیں کہ آپ نے اس سلسلے میں کیا اقدامات کئے ہیں تو ہمیں آپ کی زندگی سراپا ہذا نظر آئے گی آخر ہم کب تک تفرقہ و آپسی اختلافات کے نتیجے میں ایک دوسرے کا خون بھاتے رہیں گے کیا ہماری زندگی یوں ہی اختلافات میں گزر جائے گی؟ اگر ہم علیؐ علیہ السلام کے ماننے والے ہیں تو ہمارا تعلق چاہے جس مسلم سے ہو اگر ہم آپ کی زندگی سے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں دشمن کی نتیجی چالوں سے بچنے کے لئے اپنے اندر اتحاد پیدا ہی کرنا ہو گا ورنہ دشمن ہمیں گروہوں اور فرقوں میں باشتر ہے گا اور ہمارے درمیان وہ اپنے تحنت و تاج کی خاطر بغرض و عناد کی اوچی دیواریں چھٹا رہے گا اور ہمیں اس قدر بے بس کر دے گا کہ ہم اسی میں مخصوص ہو کر رہ جائیں اس لئے کہ اتحاد وہ طاقت ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے ہر طرح کے دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی ہر دھمکی کا جواب دے سکتے ہیں چنانچہ حضرت علیؐ فرماتے ہیں: ”دیکھو وہ آپس میں متعدد تھے تو ان کی حالت کتنی بہتر تھی ان کا مقصود وہ دلف ایک تھا، دل آپس میں ملے ہوئے تھے تمام تواریں ایک ہی راہ میں اٹھ رہی تھیں ان کے پاس بصیرت تھی مضبوط ارادے تھے آیاں وقت وہ دنیا پر حکم نہیں تھے؟“ ۲۸)

گزشتہ امتوں کی عزت و شوکت کا راز بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تم پر لازم ہے کہ تفرقہ و اختلاف سے دوری اور ایک دوسرے کو اتحاد کی ترغیب دو اور ان تمام امور سے اجتناب کرو جن سے قدرت ضعیف ہو جائے و..... یعنی ایک جگہ آپ فرماتے ہیں: جو تفرقہ اندازی کرے وہ قتل کا سزاوار ہے چاہے یہ تفرقہ اندازی مجھ سے ہی

کیوں نہ سرزد ہو^{۲۸} خودا پی عملی زندگی میں اتحاد کی خاطر جوفدا کاریاں انجام دیں وہ کسی بھی صاحب بصیرت کے لئے پوشیدہ نہیں آپ کا ۲۵ سالہ تلخ سکوت خود پکار کر آواز دے رہا ہے کہ میری خاموشی کا راز اتحاد ہے۔ چنانچہ جب ابوسفیان نے آپ سے کہا کہ علیؑ اپنے حق کے لئے کھڑے ہو کہ تو میں مدینہ کی گلیوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے^{۲۹} حضرت علیؑ کی سیرت اور آپ کے اقوال کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ اتحاد کس قدر اہمیت کا حامل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے اتحاد کے لئے کس قدر قربانیاں دیں ہیں اب ہمارے اوپر ہے کہ ہم علیؑ کی قربانیوں کو کس قدر محترم سمجھتے ہیں؟ اگر ہمیں علیؑ کی قربانیوں کا کچھ پاس و لحاظ ہے تو آج ہمیں ایک پرچم تلے جمع ہو کر علیؑ علیہ السلام سے وفاداری کا اعلان کرنا چاہئے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے پاس ایک مرکزیت ہو، امام فرماتے ہیں: ”امت میں حاکم کا مقام دھاگے کی طرح ہے جو سارے دانوں کو پروئے ہوئے اور متحد کئے ہوئے ہے لیکن جب یہ رفتہ اتحاد ٹوٹ جاتا ہے تو سارے دانے بکھر جاتے ہیں اور پھر کسی صورت جمع نہیں ہو سکتے۔^{۳۰} حضرت علیؑ علیہ السلام کے اس حکیمانہ قول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرہ و سماج ایک سر پست و رہبر کا تھانج ہے جو لوگوں کو نظریاتی و طبقاتی اختلاف اور تفرقہ وجود انی کے عوامل سے نجات دلا کر ایک محرور پر جمع کر سکے اور افراط و اختلافات کے شکافوں کو پر کر کے طبقاتی دیواروں کو تدبیر کی تیشوں سے ڈھا کر تو حیدر کی فضای میں اتحاد کا پرچم لہرا سکے۔ ہمیں یہ راہ مل مل گئی لیکن اب ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟

۳. قرآنی تعلیمات پر عمل

آج جس قرآن کو ہم نے غلافوں میں بند کر کے الماریوں اور طاقوں کی زینت بنادیا ہے اس کے بارے میں ہمارے دشمن کا خیال یہ ہے کہ ”ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم اسلام کے مہلک ترین اسلئے قرآن کی خدمات حاصل کر سکیں تاکہ اسلام کو مٹایا جاسکے، ایک گلاد سڑوں برطانیہ کا یہودی لنس سابق وزیر اعظم پارلمینٹ میں یہ جملہ کہتا نظر آتا ہے کہ: اسلامی دنیا پر سلطے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دو چیزوں کو نابود کریں۔ قرآن۔۲۔ کعبہ۔۵۵۔ وہ کتاب جس کے لئے خداوند متعال فرمara ہے ﴿کتاب انزلناه علیک ل الخرج الناس من الظلمات الى النور﴾ یہ کتاب جسے ہم نے آپ پر نازل کیا تاکہ آپ انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر کروشنی کی طرف لاے۔^{۳۱} آج دشمن اسی کتاب کو اسلام کو مٹانے کے لئے استعمال کر رہا ہے اور ہم اسلام بچانے کے لئے اس کتاب کا صحیح استعمال نہیں کر پا رہے ہیں جب کہ اگر ہم اس کا صحیح استعمال کریں تو ہمارے معاشرے سے برا بیان خود بخود ختم

ہو جائیں گی اس لئے کہ قرآن ہر درد کی دوا ہے۔ امام فرماتے ہیں: قرآن سے اپنی بیماریوں کے لئے شفاف طلب کرو اور اس کی مدد سے اپنی مشکلات حل کرو اس لئے کہ قرآن بڑے بڑے دردوں کی دوا ہے قرآن درد کفر درد ملالت اور در گمراہی کی دوا ہے^{۵۵} دوسری جگہ فرماتے ہیں: ﴿اللَّهُ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ لَا يَسْبُقُكُمْ بِالْعَمَلِ بِهِ غَيْرُكُمْ﴾^{۵۶} ”دیکھو قرآن پر توجہ دو، ایسا نہ ہو کہ تم حاراً شمن اس پر عک کے ذریعہم پر سبقت لے جائے“

(۵) بدعتوں سے مقابلہ

آپ نے اس وقت بدعتوں سے مقابلہ کے لئے کمر ہمت باندھی جب عالم یہ تھا کہ دین اشرار کے ہاتھوں میں کھپتی بنا ہوا تھا^{۵۷} آپ بذلت کے بارے میں فرماتے ہیں: کوئی بھی بذلت پیدا نہیں ہوتی مگر یہ کہ ایک سنت ترک کرنے کا باعث ہوتی ہے^{۵۸} حسن بصری کو حضرت علیؑ نے بدعتوں کے رواج ہی کی بنیاد پر مسجد سے نکال دیا تھا اور اسی بنیاد پر آپ نے اسے اپنی امت کا سامری اور شیطان کا بھائی کہا تھا۔^{۵۹}

بدعتوں کو کیسے ختم کیا جائے؟

امر بالمعروف و نهى از مکر اسلام کا ایسا حکم ہے جس پر اگر صحیح صورت میں عمل ہو تو ہمارے سماج سے بدعتوں کا رواج ختم ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ وہ فریضہ ہے جس کے بارے میں مولا فرماتے ہیں امر بالمعروف و نهى از مکر کو ترک نہ کرو! اس لئے کہ یہ فریضہ اگر ترک ہو گیا تو اشرا تحرارے اور مسلط ہو جائیں گے اور پھر تحراری دعا کیں قبول نہ ہوں گی^{۶۰} ایک اور جگہ فرماتے ہیں خداوند منوال نے گذشتہ اقوام پر اس لئے ملامت کی کہ انہوں نے امر بالمعروف و نهى از مکر کو ترک کر دیا تھا۔

یہ چندوہ بنیادی مسائل تھے جن کا حل سیرت امیر المؤمنین اور ان کے اقوال کی روشنی میں ہم نے پیش کیا لیکن اگر دیکھا جائے تو مسلمانوں کے مسائل اس سے کہیں زیادہ ہیں لیکن اگر مسلمانوں کے تمام مسائل کی اصل وجہ ڈھونڈی جائے تو شاید جب تجو اور تحقیق کے بعد یہی وجہ کھل کر سامنے آئے کہ مسلمانوں کے تمام مسائل کی اصل وجہ مکتب اہل بیت علیہم السلام سے دوری ہے اسی لئے کسی اور کے پاس جانے کے بجائے ہم اپنے تمام مسائل کا حل اس ذات کی زندگی میں تلاش کریں جس کی زندگی کی ہر سانس نمونہ عمل اور زندگی بخش ہے اور جس کا کلام رہتی دنیا تک بنی نوع بشر کے زخموں کے لئے مرہم بنتا رہے گا۔

اب تک ہم نے جن مسائل کا تذکرہ کیا وہ ایسے بنیادی مسائل تھے جن کا تدارک ہم سیرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی روشنی میں خود با آسانی کر سکتے ہیں لیکن چند ایک ایسے مسائل بھی ہیں جن کے تدارک کے لئے ضروری

ہے کہ ہم اپنی صفوں کو ان ظالم حکام سے جہاد کے لئے آمادہ کریں جو اسلامی معاشروں کی زبوبی کے اصلی ذمہ دار ہیں اگر ان کے سیاہ کرتوت نہ ہوتے تو شاید ہمارے مسائل اتنے زیادہ نہ ہوتے کچھ ایسے ہی افراد کے بارے میں مولاۓ کائنات فرماتے ہیں: ".....لیکن مجھے افسوس ہے اس بات کا کہ امت کے اقتدار کی باغ ڈور کوڑھ مغز اور بدکردار لوگ اپنے ہاتھوں میں لے لیں گے اور اس طرح اللہ کے مال کو اپنی الملک اور اس کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں گے خدا کے صالح بندوں سے برس پیکار ہیں گے اور بدکرداروں کے ساتھ اپنا گروہ تشکیل دیں گے" ۵۹

مولہ کے ان حکیمانہ کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ خیانت کار حاکموں کی دو خصلتیں ہوں گی، جہالت و محاقبت، فشق و فجور اور یہ افراد قوم کو تاراج کرنے کے بعد بیت المال اپنا مال سمجھیں گے اور بساط عیش طرب بچا کر اپنے آقاوں کے حضور سجدہ ریز ہو کر دنیا کی تباہ کاریوں کے ترانے گائیں گے اور خدا کے نتوں بندے ان کے غلام ہوں گے اب ہمیں سوچنا چاہئے ایسے افراد کیوں کر مند حکومت پر پھوٹھے؟ اور ہم ان کے خلاف کیا کر سکتے ہیں اس لئے کہ اگر ہم نے ایسے طالبوں کے خلاف کوئی رو عمل نہیں کیا تو اسکے کیا نتائج ہو سکتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک بار پھر مولا کی یہ تعبیر عملی ہو جائے جس کے لئے آپ نے فرمایا: "اس زمانے کے لوگ بھیڑیے ہو جائیں گے اور بادشاہ و حکام درندے متوسط طبقہ شکم پر ہو گا اور غریب و پست طبقہ کے افراد مردہ ہو گے، صداقت ناپید ہو جائے گی اور جھوٹ کا بول بالا ہو گا..... اور لوگوں کے قلوب ایک دوسرے سے کشیدہ ہونگے" ۶۰

راہ حل:

جب ماحول اس قدر غنیمین صورت حال اختیار کر جائے گا تو اس کا حل کیا ہو گا؟ امام علیہ السلام راہ حل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "دیکھو! ایسے بے غیر توں کی اطاعت سے گریز کرو کہ اپنے صاف پانی کے ساتھ تم نے جن کا گندہ پانی پیا اور ان کی خرابیوں کو اپنی اچھائیوں میں ملا دیا اور انکے باطل کو اپنے حق کے ہمراہ شامل کر لیا یہ فشق و فجور کی بنیادیں اور انکا منبع ہیں اور عصیان و نافرمانی کے دلدادہ ہیں۔ ایسیں نے انہیں اپنی سواری اور گمراہی کا جانور بنالیا ہے اور ان سے فون ج درست کر لی ہے جنکے ذریعہ وہ لوگوں پر حملہ کرتا ہے، انکی زبانوں سے حملہ کرتا ہے تاکہ تمہاری عقل اور تمہارے افکار تم سے چھین لے اور تمہاری آنکھوں میں اتر جائے اور تمہارے کانوں میں وسو سے پھونک دے اور اسکے بعد اپنے زہر آنکھیں تیروں سے تمہیں نشانہ بنائے تمہارے سروں پر اپنے قدم رکھے اور آخر کار تمہیں اپنا آله کار بنا لے ۔ ۔ ۔ کیا آج مشرق و سطی کے مسلمان سلاطین و حکام اس روشنی میں نظر نہیں آتے؟

ظالم و جابر حاکموں کی ناہنجاریوں کے اثرات بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کس طرح انسانیت کو نابود کر سکتے ہیں لہذا آپ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا فریضہ ہے کہ ذلت و خواری اختیار نہ کریں اور ایسے افراد کے آگے سرتسلیم ختم نہ کریں بلکہ ایسے غاصبوں کے حلق میں اپنا ہاتھ ڈال کر اپنا حق نکال لیں جیسا اس مسئلہ کا حل ہے نتیجہ بحث:

حضرت علی علیہ السلام کی سیرت آئینہ کی طرح شفاف ہے جس میں ہم اپنے اندر موجودہ نقص کو آسانی کے ساتھ تلاش سکتے ہیں لیکن صرف تلاش کرنے ہی کافی نہیں ہو گا جب تک ہم انہیں دور کرنے کی کوشش نہ کریں اس لئے کہ آئینہ صرف نقص کی طرف متوجہ کرتا ہے اب اگر ہم متوجہ ہو کر بھی کوئی اقدام نہ کریں اور اپنے مسائل کے حل کرنے کے لئے تگ دوونہ کریں تو پھر اپنی تمام تربیتیوں کے ذمہ دار ہم خود ہوئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی انہیں افراد کی طرح ہو جائیں جن کے بارے میں مولانے فرمایا: "جب میں نے تحسین تھا رے بھائیوں کی طرف دعوت کے لئے بلا یا تو تم زخم خورده شتر کی طرح نالہ و شیون کرنے لے گے اور مجروح اونٹ کی طرح حرکت سے باز آئے اور زمین سے چپک کر بیٹھ گئے اور پھر چند متر لازل و ناتواں افراد کے گویا جنہیں موت کے منہ میں ڈھکیل دیا گیا ہواں طرح انہوں نے حرکت کی (اور یہ بھی کیا حرکت تھی) کہ انہوں نے محض دیکھنے پر اتفاقہ کی اس سے پہلے کہ سب کچھ دیکھنے اور کف افسوس ملنے میں ختم ہو جائے اٹھیں اور کہ ہمت باندھ کر اپنے مولانے کی سیرت کو اپنا آئینہ بناؤ کر تمام مسائل کو خود ہی حل کریں اس لئے کہ: "اَنَّ اللَّهَ لَا يَغِيْرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يَغِيْرُوْ مَا بِأَنفُسِهِمْ" ۳۷

خدا نے بھی کبھی اس قوم کی حالت نہیں بدی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بد لئے کا

حوالے و حواشی

۱. سنگره بین المللی نجاح الملاح نمایا صفحہ ۵۲

۲. هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون زمرہ ۹

۳. نگاتی به فقر و فقر زدائی از دیدگاه اسلام نقل از تحقیقی کتاب سر ظہور و سقط لیبرالیزم صفحہ ۳۷۴

۴. واطیعوا اللہ ولا تنازعوا فتفسلوا و تذهب ریحکم انفال ۴۷

۵. یادنامہ سید جمال الدین، حج امثالہ دکٹر عثمان امین، ص ۲۳۹

۶. صحیفہ نور حج ص ۲۳۸

آل أبي طالب ، ج ٢ ص ٩٩

٢٩. مناقب ، ج ١ ص ٣٢١

٢٨. وسائل الشيعة ، ج ١٣ ص ٢٠٣

٢٧. فروع كافني ، ج ٥ ص ٢٥

٢٦. كان أمير المؤمنين يضرب بالمرء ويستخرج الأرضين فروع كافني ، ج ٥ ص ٢٧

٢٥. فتح البارق في فضائل الإسلام مكتوب

٢٤. فتح البارق في فضائل الإسلام حكم

٢٣. من لا يحضره الفقيه ج ٣ ص ١٥٢

٢٢. فبادرتك باللادب قبل ان يقصو قلبك ويشغل لبك تستقبل بجد رأيك من الأمر وبي مدرك

٢١. وانما قلب الحدث كالارض الخالية ما القى فيها من شيئاً قبلته امام علي وامور معنوي وعبادي محمد وشقيقه

٢٠. فتح البارق ، حكمت ٢٧

١٩. ايها الناس ان لى عليكم حقاً ولكم على حق فاما حكمكم على فالنصيحة لكم وتوفير فیئكم عليكم وتعليمكم

١٨. سئل عن الخير ما هو فقال عليه السلام ليس الخير ان يكثر مالك و ولدك ولكن الخير ان يكثر علمك فتح البارق ، حكمت ٩٢

١٧. امام علي ومباحث اعتقدادي محمد وشقيقه

١٦. وبي مدرك

١٥. ابن أبي الدنيا شرح فتح البارق ،

١٤. امام علي ومباحث اعتقدادي محمد وشقيقه

١٣. غرراكم بباب علم

١٢. الكافي ج ١ ص ٣٥

١١. ابي العذر شرح فتح البارق ،

١٠. انما مثل بيكم مثل السراج في الظلمة يستضيئ به من ولجهها فاسمعوا ايها الناس وعوا واحضروا آذان قلوبكم

٩. تفهموا شرح فتح البارق علامتي جعفرى ج ٩ ص ١٣٧ فتح البارق ترجمة وحواشى علامه مفتى جعفر حسين ص ٥١٣

٨. آسيب شناس فرنجى جوامع اسلامي ص ٢٩

٧. اذا ظهرت البدعة في امتى فليظهر العالم علمه والفعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين ، آسيب شناس فرنجى

٦. جوامع اسلامي نقل از سفیره الماجار ج ١ ص ٢٣

٥. شناخت کشورهای اسلامی ، غلام رضا ، ص ٣٦

٤. آسيب شناس فرنجى جوامع اسلامي ص ٣٦

٣. اذا ظهرت البدعة في امتى فليظهر العالم علمه والفعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين ، آسيب شناس فرنجى

٢. جوامع اسلامي نقل از سفیره الماجار ج ١ ص ٢٣

- ٣٣- الفقر موت الأكبر ، نجح البلاغة، كلكم ١٢٣

٣٣- وسائل الشيعي، ج ١٢ ص ٨ (أن معاishi الخلق خمسة الامارة، والعمارة، والتجارة، الاجارة، و الصدقات...)

٣٣- ما منع فقير الآباء مما متّع به غنى علامي علّاقبى جعفرى شرح نجح البلاغة ج ١٠ ص ٢٦

٣٥- الحيات ج ٢ ص ٣١٩

٣٦- الحيات ج ٢ ص ٣٣

٣٧- الحيات ج ٢ ص ٣٢

٣٨- الحيات ج ٢ ص ٣٢

٣٨- ٣٩- الحيات ج ٢ ص ٢٨٦

٣٩- علامي جعفرى شرح نجح البلاغة ج ٩ ص ٢٥

٣٩- ٤٠- بگاهی پر فقر و فرزدگی از دیگاه اسلام ص ٣٢

٤٠- الحيات ج ٢ ص ٣٠٩

٤١- نجح البلاغة مكتوب ٥٣

٤١- ٤٢- شاخت كشور های اسلامی ص ٣٦

٤٢- فانظروا كيف كانوا حيث كانت الأملاء مجتمعة والأهواء مُوْتَلِفَة و القلوب معتدلة ... ألم يكونوا أرباباً في اقطار الأرضين و ملوكاً على رقاب العالمين ؟ نجح البلاغة خطبة ١٩٢

٤٢- (...من الاجتناب الفرقة و اللزوم الألفة و التخاض عليها و التواصي بها و اجتنبوا كلَ أمر كسر فقرتهم ...) وهي درك

٤٢- (...فاقتلوه ولو كان تحت عمانته هذه ...) نجح البلاغة خطبة ١٢٧

٤٢- طبرى ج ٢ ص ٣٣٩ ، خلافت و ملكيت أبو الاعلاء مودودي ص ١٠٣

٤٢- نجح البلاغة خطبة ١٣٢

٤٣- التبشير والاستعمار فى البلاد العربية ص ٤٠

٤٣- شاخت قرآن سيد على كمالى ص ١٨

٤٣- ٤٤- ابراهيم ١

٤٤- (...فاستخفوه من عدوائكم واستعينوا به على الآئمَّةِ فانَّ فيه شفاء من اكبر الداء و هو الكفر و النفاق الغنَّى و الضلال ...) نجح البلاغة خطبة ١٧٣

٤٤- نجح البلاغة خطبة ١٧٤

٤٤- فانَّ هذا الدين كان اسيراً في أيدي الاشرار يعلم فيه بالهوان و تطلب به الدنيا ... نجح البلاغة خطبة ١٢٢

٤٤- (...و ما أحدهُت بدعة الآترَك بها السنة ...) علامي جعفرى شرح نجح البلاغة ج ٢٢ ص ١٦٦

٤٤- الكثاني التراتيب الادارية ص ٢٧٢ . ٥٨- ٥٨- ٥٨-

٥٩. (... ولكن آسى أن يلى أمر هذه الأمة سفهاءها و فتجارها فيتخذوا مال الله دولا و عباده خولا والصالحين حربا و الفاسقين حربا فان منهم الذى قد شرب فيكم الحرام ...) **نحو البلاغة** مكتوب . ٢٢

٦٠. (... و كان أهل ذلك الزمان ذئابا و سلاطين سباعا و أوساط أكالا و فقراء امواتا...) خطبه ١٠٨

٦١. (... و لا تطيعوا الأدباء الذين شربتم يصفوكم كدرهم و خلطتم بصحبتكم مرضهم و أدخلتم فى حقكم باطلهم و هم أساس الفسق و احلاس العقوق اتخاذهم ابليس مطايضا ضلال ...) خطبه ١٩٢

٦٢. (... فما يدرك بهم ثار و لا يبلغ بهم مران دعوتكم الى نصر أخوانكم فجررتم جرحة الجمل الأسر و تناقلتم ...) علام تقي جعفرى شرح **نحو البلاغة** ج ٩ ص ٢١٠

٦٣. **قرآن مجید ایت... رعد ١١**

منابع و مأخذ:

- ١- قرآن کریم
- ٢- **نحو البلاغة**
- ٣- **نحو البلاغة فیصل الاسلام**
- ٤- شرح **نحو البلاغة**، علام محمد تقی جعفری
- ٥- شرح **نحو البلاغة**، جعفر شہدی
- ٦- من لاصح ضرہ الفقیر
- ٧- اصول و فروع کافی
- ٨- وسائل الشیعہ
- ٩- الحیات
- ١٠- زیارتی به فقر و فقر زدائی از دیدگاه اسلام



اتحاد کے ملکہ دار



سید محمد تقیٰ حکیم تقریب کے ایک محقق

عز الدین رضا نژاد (حوزہ اور یونیورسٹی کے استاد، مرکز جهانی علوم اسلامی کی علمی کمیٹی کے رکن)

ترجمہ: کرار حسین اظہری

مقدمہ

تقریب مذاہب اسلامی صرف ایک نعرہ نہیں بلکہ ایک اجتماعی، سیاسی، علمی حقیقت ہے جس کے لئے دنیوں مسلمان علماء تاکید کرتے رہے ہیں۔ معاصرین میں تقریب کے ایک زبردست عالم آیت اللہ سید محمد تقیٰ حکیم ہیں جنھوں نے علمی تحقیق و تحلیل کے دریچے سے تقریب مذاہب اسلامی کے مسئلہ پر غور و فکر کی اور اس کے لئے بہت سے علمی طریقے پیش کر کے اس راہ میں ایک موثر قدم اٹھایا ہے۔

جو کچھ اس مقالہ میں بیان کیا جائے گا وہ ان بزرگوار عالم دین کا مختصر تعارف ہے اور آپ کی علمی خدمات کا ذکر ہے جن کا بیان کتاب ”أصول الفقه المقارن“ میں ہے۔ یہ بات بالکل واضحات سے ہے کہ اگر سارے مسلمان علماء تحقیقی نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر توجہ دیں تو تمام مسلمانوں کے لئے بہترین نتائج برآمد ہوں گے اور تقریب مذاہب اسلامی کے سلسلہ میں موثر اقدام ہو گا۔

ولادت اور وفات

سید محمد تقیٰ حکیم ۱۹۲۱ء میں نجف اشرف (عراق) میں ایک مذہبی اور اہل علم و فضل خاندان میں پیدا ہوئے

آپ کی عشرت ریف کی ۸۱ بہاریں جب تحریص علم، تحقیق و تالیف میں تقویٰ و پرہیز گاری اور عبادت الہی میں بسر ہو چکیں تو ۱۴۲۳ھ مطابق ۳۰ نیسان ۲۰۰۲ء میں صحیح کے وقت دیار باقی کی طرف چل پڑے۔

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے پدر بزرگوار سید سعید حکیم (متوفی ۱۳۹۵ھ) اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کے زیرگرانی حاصل کی اور علوم عربی، منطق، بلاغت، اصول فقہ، فلسفہ اور تاریخ کا درس ان بزرگ علماء سے حاصل کیا جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: آپ کے بھائی سید محمد حکیم (متوفی ۱۴۰۱ھ)، شیخ نور الدین جزائی، سید صادق سید یاسین، شیخ علی ثامر، سید یوسف حکیم (متوفی ۱۴۰۱ھ)، سید حسن حکیم (متوفی ۱۳۹۲ھ)، سید محمد علی حکیم، شیخ محمد رضا مظفر اور سید موصیٰ بحسنی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

فقہ اور اصول کے دروس خارج جن بزرگ علمائے دین اور آیات عظام سے حاصل کئے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: سید حسن حکیم، (متوفی ۱۳۹۳ھ) سید ابو القاسم خوئی (متوفی ۱۴۰۳ھ)، شیخ حسین حلی (متوفی ۱۳۹۵ھ) اور سید میرزا حسن بجنوردی (متوفی ۱۳۹۵ھ) آپ نے شیخ محمد رضا مظفر اور سید میرزا حسن بجنوردی سے فلسفی تعلیم حاصل کی۔

مدرسیں:

آپ نے مسلسل کئی برسوں تک حوزہ علیہ نجف اشرف کے دینی طلاب کو فقہ اور اصول کی اعلیٰ تعلیم دی۔ آپ نے شیخ مرتضی انصاری کی کتاب مکاسب کے متن کو بنیاد بنا کر فقہی مباحث کا درس دیا اور شیخ محمد کاظم خراسانی کی کتاب کفایۃ الاصول کے متن کی بنیاد پر اصول کا درس دیا۔

سید محمد تقیٰ حکیم کی دوسری علمی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے درس خارج میں اصول فقہ مقارن کو پڑھایا جس میں مذاہب اربعہ کے نظریات کو بیان کرتے تھے بعض محققین نے ان کی تقریرات کو لکھا ہے۔ اسی طرح آپ نے ۱۳۸۵ھ سے کئی برسوں تک فقہی قواعد کا بھی درس دیا۔

آپ نے کچھ بزرگوں کو اپنے ساتھ لے کر ”جمعیۃ منتدى النشر“ کی بنیاد رکھی جس نے ۲۵ سال سے زیادہ خدمات انجام دیں ۱۴۲۳ء سے منتدى النشر کے کالج میں خو، صرف، بلاغت، ادبیات، تاریخ، فقہ، اصول، روان شناسی اور جامعہ شناسی کا درس دیا۔ آپ ۱۴۲۳ء میں ”ابجع الشافعی لمنتدى النشر“ کی تاسیس کے رکن تھے اس کے علاوہ ۱۴۸۵ء میں فقہ کالج کی بنیاد رکھی اور وہاں مختلف علوم و موضوعات کی تعلیم دی۔ آپ پانچ سال سے زیادہ



نقہ کالج کے مسوں رہے اور ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۶ء تک ”محمد الدراستات الاسلامیۃ العلیا“ کے شعبہ میں بغداد یونیورسٹی میں اصول نقہ مقارن کی تدریس کی اور پھر ۱۹۷۶ء میں بغداد یونیورسٹی سے ”استاد“ (یونیورسٹی میں تدریس کے پانچویں مرحلہ) کا درجہ حاصل کیا اور اسی سال ”اجماع علمی العراقي“ کے رکن بن گئے اس کے بعد آپ نے عراق کے اندر اور باہر بہت سی علمی کانفرنسوں میں شرکت کی نیز مصر و شام اور اردن کی متعدد علمی کمیٹی کے کرن بنے۔

تایففات:

سید محمد تقی حکیم کے نام علمی آثار جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں انھیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:
کچھ کتاب کی صورت میں شائع ہوئے ہیں کچھ ابھی تک طباعت کی زینت سے آراستہ نہیں ہیں، خطی صورت میں ہیں اور بعض مقالات کی صورت میں ہیں آپ نے دوسروں کی کتابوں پر مقدمے جو شائع ہوئے ہیں۔

مطبوعہ کتابوں کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ مالک اشتر
- ۲۔ شاعر العقیدہ (سید حیری)
- ۳۔ الاصول العامة للفقة المقارن
- ۴۔ الزواج الموقت ودورہ فی حل مشکلات الحبس
- ۵۔ فکرة التقریب بین المذاہب
- ۶۔ منهج البحث فی التاریخ
- ۷۔ تاریخ التشریع الاسلامی
- ۸۔ من تجارب الاصولیین فی المجالات اللغوية
- ۹۔ عبد اللہ بن عباس --- حیات و سیرتہ، تحقیقیہ و آثارہ (<http://www.14masom.com>)

علمی تحقیق کے ساتھ تقریب کو بارور کرنا:

تقریب مذاہب اسلامی کے سلسلہ میں سید محمد تقی حکیم کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے بہت سی علمی تحقیقات انجام دیں اور مختلف مذاہب کے متنکرین کے نظریات پیش کر کے ان سب کی ایک جامع تخلیل بیان کی ہے جب ۱۹۸۳ء میں آپ کی کتاب ”الاصول العامة للفقة المقارن“ بیروت میں شائع ہوئی تو بغداد یونیورسٹی نے کچھ اساتذہ کی ایک کمیٹی تشکیل دی انھوں نے اس کتاب کی تحقیق کی اور پھر اسے پی، ایچ، ڈی کے رسالہ کے عنوان

سے منتخب کیا اور آپ کو فخری ڈاکٹریٹ کی سند دی جب کہ کوئی داعیہ جلسہ منعقد نہیں کیا گیا اور آپ کو بغداد یونیورسٹی کے ادبیات کالج میں ایک استاد کے عنوان سے چون لیا گیا۔

آقا نے حکیم کی کتاب ”اصول فقہ مقارن“ کی بنیاد پر مسئلہ تقریب پر ایک علمی نظر ڈالنا ایک ایسا دریچہ ہے جسے تقریب کے اس عالم دین نے کھول رکھا ہے آپ نے اس کتاب میں تقریب کے تحقیق کی راہ میں جن اصول و قواعد کو استعمال کیا ہے انھیں تقریب کی بنیادوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جن کا اجمالی یوں ہے۔

(الف) کتاب اصول فقہ مقارن کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں انھیں بالائے طاق رکھ کر لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے قریب کیا جائے اور تفرقة انداز اسباب و عوامل کی جو تاثیر ہے اسے بیان کیا جائے، جن میں سب سے اہم اور تو قیچیز یہ ہے کہ بعض مذاہب کے علماء دوسرے مذاہب کے قواعد و ضوابط سے بے خبر ہوتے ہیں اسی وجہ سے جب دشمن ایک کو دوسرے کے سامنے پدنام کرنے کا پروپیگنڈا کرتے ہیں تو اسی کا اثر ہوتا ہے ہے لوگ کہ ایک دوسرے کے صحیح نظریات کو معلوم نہیں کر سکتے آپس میں ایک دوسرے پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ فلاں کا عقیدہ باطل و غلط ہے۔

(ب) فقہی اختلاف کے عوامل و اسباب کے بارے میں تحقیق و تحلیل کہ آیا یہ اختلافات امور جیسے ظہور قرآن و سنت کی جیت یا قیاس کی جیت کے صغیریات کے بیان میں کوئی اثر رکھتے ہیں یا یہ کہ بحث کے نتائج یعنی اصول فقہ میں اختلاف ہے۔ یہ ایسا عظیم کارنامہ تھا جس کے ذریعہ آقا نے حکیم نے اختلاف کے دامن کو تک کر کے فقہی مذاہب کے درمیان تقریب کا کام انجام دیا اسی طرح مباحث فقہی کے نتائج کے اختلاف کا ایک دوسرا منبع و مأخذ، ادله کی ترتیب اور ان کی طرف رجوع کی کیفیت میں ہے۔ آیت اللہ آقا نے فقہ امامیہ کی دو خصوصی اصطلاح یعنی ”وروڈ“ اور ”حکومت“ کے بارے میں بحث کے بعد اس کی بنیاد پر ادله کی ترتیب کو درج ذیل صورت میں بیان کی ہے:

۱۔ وہ ادله جو امارات میں شمار ہوئی ہیں (ادلة الواقع)

۲۔ جو ادله واقع نمائی کرتی ہیں جیسے استصحاب

۳۔ شرعی وظیفہ کے ادله

۴۔ عقلی وظیفہ کے ادله

آپ کا نظریہ تھا کہ جب ادله کی طرف ترتیب کے ساتھ پر غور کیا جائے گا تو کافی حد تک فقہی مباحث کے نتائج ایک دوسرے سے قریب ہوں گے پھر اس طرح اسلامی مذاہب کے اچھے خاصے اختلافات ختم

ہو جائیں گے۔

۳۔ تحریف قرآن کا مسئلہ جو اسلامی مذاہب کی جانب سے شیعہ مذاہب سے تعلق رکھتا ہے یہ بھی آیت اللہ حکیم کے تقریبی مبانی میں سے ہے۔ آپ اسلامی امت کی جانب سے قرآن کریم سے استدلال پر تاکید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دوسرے تمام مذاہب کی طرح شیعہ امامیہ مذہب بھی اس اصل پر تاکید کرتا ہے اور اصولی طور پر جو روایت بھی قرآن کی معارض ہوتی ہے اسے ٹھکرایا تا ہے۔ ایسے نظریہ کے ساتھ تمام اسلامی مذاہب کو چاہئے کہ قرآن مجید سے استدلال اور اسی کی طرف رجوع کرنے کے سلسلہ میں اہتمام کریں اور اسی کے ذریعہ اپنے آراء و نظریات کو قریب کریں۔ فریقین کی کتابوں میں کچھ ایسی ضعیف و شاذ روایات ہیں جو قرآن مجید میں تحریف واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان روایات میں دو خمیاں ہیں: یہ روایتیں سورہ جر کی آیت نمبر ۹ کی مخالفت کرتی ہیں جس میں خدا کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْكِتَابَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

”بیشک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں“

۲۔ دوسری ایسی روایات بھی ہیں جو قرآن میں تحریف واقع نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ روایات ان روایات کی معارض ہیں۔ تمام مذاہب کے علماء (جن میں خود شیعہ علماء بھی شامل ہیں اور شیعوں کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ) اسی موجودہ قرآن سے استناد و استدلال کرتے چلے آئے ہیں۔ پس اس جہت سے بھی تحریف مذاہب پر غور کیا جاسکتا ہے۔ جب تحریف کا شیبہ تم ہو جائے گا اور کوئی مذہب دوسرے پر تہمت نہیں لگائے گا تو مسلمانوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے میں موثر قدم اٹھے گا۔

۳۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی سنت و روایت پر عمل کرنا تقریب کے لئے مانع و رکاوٹ ہے ان لوگوں کا تصور یہ ہے کہ حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے ہوتے ہوئے دینی امور کو درک کرنے کے لئے کسی دوسرے منع کو دلیل قرار دینا ایسے نتائج کا باعث بنے گا کہ طبع طور پر اختلافات میں کثرت ہوگی۔ آیت اللہ حکیم نے اس بات پر زور دیا کہ اہل بیت علیہم السلام کی سنت و روایت پر عمل کرنا نہ صرف یہ کہ اتحاد کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا بلکہ یہ تو خود اتحاد کے عوامل و اسباب میں سے ایک ہے اور یہ بھی نبی ہی کی سنت ہے آپ نے اپنے نظریہ و دعویٰ پر قرآن مجید کی ان آیات و روایات کو دلیل کے عنوان سے پیش کیا ہے: آیت تطہیر، روایات نبوی مسندہ روایت ثقلین جو تو اتر کے ساتھ شیعہ و سنی دونوں کی کتب روائی میں موجود ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ سنت نبوی ہمیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ ہم اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام کی

سنت پر بھی عمل کریں اور جب بات یوں واضح ہو گئی تو اختلاف ختم ہو گا اور اتحاد کی رح زندہ ہو جائے گی۔

۵۔ جن اصول و قواعد میں اختلاف ہے ان کے بارے میں تحقیق و تحلیل کی جائے جیسے: قیاس، احسان، مصالح مرسلہ، سدالذرائع وغیرہ اس سے تقریب کا زمینہ و مقدمہ فراہم ہو گا پھر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ اصول بعض لوگوں کے قصور کے برخلاف اس قدر وسیع نہیں ہیں کہ اسلامی مذاہب کو ایک دوسرے سے دور کر دیں کیون کہ کبھی صرف لفظی اختلاف ہی ہوتا ہے مثترک تحلیل کے ذریعہ اس کے بعض حصہ پر اکتفا کی جاسکتی ہے۔

آیت اللہ حکیم نے مذکورہ اصول کے بارے میں اسی تحلیل پیش کی ہے جس کے ذریعہ آپ نے تقریب قائم کرنے کی سماں بلیغ کی ہے اور آپ نے یہ واضح و ثابت کر دیا ہے کہ یہ سارے اصول و قواعد، اتحاد کے لئے رکاوٹ نہیں ہیں۔ ان سارے امور کے مطالعہ کے لئے کتاب ”اصول الفقہ المقارن“ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔



اسلامی مذاہب کی تقریب میں مجاہد شہید ما موستا

شیخ الاسلام کا کردار

رحمان غربی

ترجمہ: کرام حسین افہمی

خلاصہ:

گزشتہ صدی میں مسلمان اور عالم اسلام میں موجودہ مذاہب کے درمیان ”وحدت“ کے بجائے جو لفظ استعمال ہونے لگا ہے وہ ”تقریب“ ہے۔

تقریب مذاہب اپنی پوری تاریخ میں بہت سے نشیب و فراز سے دچار ہوئی ہے، بعض اوقات انحراف کا شکار ہوئی اور بعض اوقات اس نے بہت اچھی طرح اپنی ذمہ داری بھائی ہے۔

چوں کہ تقریب سے ہمیشہ اسلام کے دشمن ناامید و مایوس ہوئے ہیں لہذا ان کی توجہ اس کی طرف بہت زیادہ رہی ہے اور دنیا کے جس علاقے میں آزادی کا مطالبہ کرنے والوں اور دین اسلام کے اتحاد پسند افراد کی آواز سنی فوراً اس آواز کو بنانے کی کوشش میں لگ گئے۔

ایسے لوگوں کے درمیان اور موجودہ دور میں جس نے اپنی دور میں نگاہوں سے اس حقیقت (عالم اسلام میں تفرقہ اندازی) اور اس کی مشکلات کو درک کیا شہید حاج

ماموستا محمد شیخ الاسلام تھے جنہوں نے اپنے فکری علمی خیالات کو بڑی کثرت کے ساتھ
اسلامی مذاہب کی بآہمی تقریب میں صرف کیا۔

ہم نے اس مقالہ میں یہ کوشش کی ہے کہ اجمالی طور پر تقریب مذاہب کے سلسلہ میں
اس شہید برزگوار کی کوششوں کا ایک جائزہ لیں۔

اس تحقیق کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس راہ میں شہید عزیز کی مسلسل رحمتوں اور کوششوں کا اندازہ ہو سکے
اس تحقیق کے تمام فرضیات، توصیفی و تحلیلی صورت میں کتب خانوں کی شکل میں اور مشاہدہ کی صورت ہیں۔ (ظاہری
۱۳۸۰ آئشی) ہندا پہلے تقریب مذاہب کی (کیفیت، مقصد، مختصر تاریخ، موانع و مشکلات اور موقع) کا ایک جائزہ
پیش کیا جائے گا پھر اس سلسلہ میں شہید شیخ الاسلام کے موثر کردار تحقیق پیش کی جائے گی۔

کلیدی الفاظ: تقریب مذاہب، محمد شیخ الاسلام، وحدت، سنت اور کردستان۔

مقدمہ:

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ عالم اسلام کے لئے آج کل جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور
سارے دینی علماء کی توجہ جس کی طرف ہے وہ اسلامی وحدت ہے ہندا ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں اور
اس کے خصوصیات کے متعلق تحقیق کی جائے تاکہ بحث کی اہمیت واضح ہو سکے۔

بلائیک ایران کے اسلامی انقلاب کا سب سے اہم نتیجہ، سیاسی اور رشافتی ہے اسی وجہ سے دور حاضر میں
دنی و مذہبی قوتوں کے ذریعہ ملک کی حکومت کا چلانا بالکل ایک نیا نظریہ تھا جو دنیا کی بہت سی حکومتوں سے ٹکراؤ
رکھتا تھا کیوں کہ اس اصول و نظریہ کے بہت سے نتائج تھے جن میں اہم نتائج درج ذیل ہیں:
۱۔ دنیا کی تمام مسلمان قوموں میں اس کا راجح ہونا اور ان کا اس نعمت و برکت سے بہرہ مند ہونا۔ ۲۔ اس
اصول و نظریہ کے راجح ہونے کے نتیجے میں تمام آزادی پسند تحریکیں خصوصاً اسلامی آزادی پسند تحریکیں اس انقلاب کی
تاسی و پیروی کرتے ہوئے غلط حکمرانوں کے خلاف اور ان میں سب سے زیادہ مسٹکبرین کے خلاف اٹھ کھڑے
ہوئے۔ (اسپوز ۲۶ ۱۳۸۷ء، ص ۲۷)

ان تحریکیوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ اسلامی اتحاد قائم ہو اور سارے مذاہب اسلامی ایک دوسرے سے
قریب ہوں۔

ان باتوں کے پیش نظریہ کا جا سکتا ہے کہ تمام اسلامی ممالک کے علماء کی طرح ہمارے ملک کے علماء بھی



تقریب مذاہب کی راہ میں پیش پیش رہے ہیں ان میں سے ایک شہید بزرگوار محمد شیخ الاسلام تھے اس راہ میں آپ نے بہت سی زحمتوں کا سامنا کیا۔

آپ ۱۳۱۵ء میں کردستان صوبہ کے ”بانہ“ شہر میں ایک مذہبی خاندان میں پیدا ہوئے اپنے والد عالم گرانقدر محمد شیخ الاسلام سے تربیت حاصل کی آپ نے ایسی فضائیں تربیت پائی جس میں آپ سے پہلے تیرہ (۱۳) نسلیں دینی امور میں سرگرم رہی تھیں، آپ نے کردستان کے بزرگ علمائے علم فقہ اور دیگر اسلامی علوم سے تعلیم حاصل کی ۱۳۲۶ء میں بزرگ استاد ملا باقر مردی سے اجازہ حاصل کیا شافعی مذہب کے مفتی منتخب ہوئے اور فتویٰ دینے والی کمیٹی کے سکریٹری بن گئے۔

آپ نے ”سفر“ نامی شہر میں ۲۰ سال اور مذاہب اسلامی یونیورسٹی نیز تہران یونیورسٹی میں شافعی مذہب کی بنیاد پر فقہ اور اصول کی تعلیم دی، ۱۵ برسوں تک ”سنندج“ میں دینی طلب کی تعلیم و تربیت انجام دی اس دوران علاقہ کے بہت سے علماء و فضلاء کو اجازہ دیا اسی طرح آپ نے بارہ (۱۲) سال سے زیادہ کردستان صوبہ کی یونیورسٹی میں تدریس انجام دی آپ مجلس خبرگان رہبری کے تیسرے اور چوتھے مرحلہ میں کردستان کے لوگوں کے نمائندہ کے عنوان سے منتخب ہوئے۔ آپ مجع جہانی تقریب مذاہب اسلامی کی شورائے عالی میں ایک فعال رکن تھے آپ مقام معظم رہبری حضرت آیت اللہ العظیمی آفای خامنہ ای مدظلہ العالی سے بہت محبت کرتے تھے جیسا کہ آپ کی تمام تقریروں اور بحثوں سے یہ بات ثابت ہے اور اس کی شہرت بھی ہے، آپ ایک نہایت فعال رکن تھے اور اسلامی وحدت کے سلسلہ میں بہت کوشش رہتے تھے نیز ولایت فقیہ کی پیروی کرتے تھے جس کی وجہ سے وہمنان اسلام کی آنکھوں میں چھتا ہوا کائنات گئے تھے، اسی لئے ماہ رمضان المبارک ۱۴۸۸ھ میں انتشار کے ہاتھوں شہادت کے درجہ پر فائز ہو گئے آپ کی وصیت کے مطابق جنازہ کو سنندج میں شیخ محمد باقر کے میلہ پر دفن کیا گیا جو شہر کا ایک اندر وہی قبرستان ہے۔

تقریب مذاہب اسلامی کیا ہے؟

تقریب مذاہب اسلامی، ڈھانچے کے لحاظ سے ایک اضافی ترکیب ہے جو دونوں لغوی تقریب اور مذاہب سے تشکیل یافتہ ہے۔

الف:- تقریب کی لغوی تعریف

لغوی لحاظ سے تقریب بروزن تفعیل اور مصدر ہے جس کا مادہ ”ق، ر، ب“ ہے جو عربی لفظ ہے جس کے

معنی یہ ہیں:

گھوڑے کی ایک قسم کی دوڑ اور اس طرح دلیل قائم کرنا جو متلزم مقصود ہو۔ (المجد، ج ۱، ۳۸۶، ۱۳۸۶ھ)

ب:- تقریب کی اصطلاحی تعریف

اس تحقیق میں تقریب کے اصطلاحی معنی ہمارے مذکور ہیں اور وہ یہ ہیں: نزدیک ہونا، فاصلہ نہ ہونا اور بہ طور سے حد میں۔ (لاروس، ج ۱، ۲۷۶، ۱۳۷۶ھ)

اب ”تقریب“ اور ”مذاہب“ ان دونوں الفاظ کی ترکیب اضافی ”تقریب مذاہب“ سے یہ معنی مراد لئے جاتے ہیں:

سارے مذاہب کا ایک دوسرے سے نزدیک ہونا۔

تقریب مذاہب اسلامی کا مقصد:

اسلام ایک آسمانی دین کا نام ہے جو خدا کی جانب سے تمام بشریت کی ہدایت کے لئے آیا ہے انسانوں کی ترقی و سر بلندی اور انسانی معاشرہ میں سعادت و مسرت قائم کرنے کے لئے آیا ہے جو بات بالکل مسلم ہے۔ وہ یہ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی جانب سے مختلف اسلامی مذاہب نہیں لائے ہیں بلکہ آپؐ نے تمام انسانوں کے لئے صرف ایک ہی دین پیش کیا ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی لفظ دین حجع کی صورت میں استعمال نہیں ہوا ہے اسی سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم ادیان کے نام سے جانتے ہیں خداوند عالم ان سب کی ماہیت و حقیقت کو ایک ہی جانتا ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد طبعی طور پر اختلافات پیدا ہو گئے اور کسی نہ کسی وجہ سے صحابہ کے نظریات میں اختلاف ہو گیا پھر بعد کی صدیوں میں مختلف مذاہب ایجاد ہو گئے وہی باعث بن گئے کہ تمام اسلامی فرقوں میں تفرقہ پیدا ہو جائے سب کے نظریات الگ الگ ہو جائیں اور یہ عالمی انتکبار کے ہاتھوں میں ایک ہتھکنڈا ہو گیا کہ وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی پیدا کریں۔ (اندیشہ تقریب، پائیزے ۸ شمشی)

بہت سے دینی علماء و فضلاء کے نظریے کے برخلاف تقریب یعنی المذاہب اسلامی کا مقصد نہیں ہے کہ سارے مذاہب ایک ہو جائیں اور صرف ایک ہی مذاہب باقی رہے کیوں کہ یہ ایسا کام ہے جو ناممکن بھی ہے اور نا معقول بھی کیوں کہ بعض مذاہب جو وجود میں آئے ان کی علت ان کے جغرافیائی حالات و شرائط تھے، وہاں کے



ماحول آب وہ انجیز اتفاق وغیرہ الگ تھے لہذا ان سب کا ایک ہو جانا ایک ناممکن تی بات ہے۔ پس تقریب یہ یہ
نمذہب اسلامی کا مقصد یہ ہے کہ تمام نمذہب کے درمیان جو اختلافات و موانع ہیں انھیں دور کیا جائے اور ان کو ایک
دوسرا سے قریب کیا جائے مقصد یہ نہیں کہ ان سب کو ایک کر دیا جائے۔
دور حاضر میں تقریب کی رواد

دور حاضر میں اتحاد کی رواد ایک جدید مرحلہ میں داخل ہو گئی ہے یعنی اس سے پہلے سارے خالف یا
موافق اسلامی معاشرہ کے اندر سے ابھرتے تھے اور وہ سارے کے سارے مسلمان ہوا کرتے تھے لیکن اس مرحلہ
میں اکثر مخالفین مسلمانوں کی سرحدوں کے باہر سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں ان میں سے ایک استعمار ہے جس کا
نظریہ یہ ہے کہ تفرقہ اندازی کے ذریعہ تمام قوموں کو غارت کرو انھیں تباہ و بر باد کرو صہیونیست کے پانچویں پروٹکل
میں آیا ہے: ہم نے ۲۰ صدیوں کے دوران لوگوں کے درمیان اختلاف کا فتح بویا ہے، ان کے درمیان دینی، قومی،
نسلی، انفرادی اغراض اور قبیلہ ای تعلقات پیدا کئے ہیں اور اس طرح سے ہم اس حقیقت کو پہنچ چکے ہیں کہ کوئی
حکومت اکیلی رکراپنے پڑو سیوں کو ہمارے خلاف نہیں بھڑک سکتی اور ان سے مدد نہیں لے سکتی۔۔۔” (جناتی، ۱۳۸۱،
شمسی، ص ۲۰۱) اس لئے بہت زیادہ ضرورت ہے کہ سارے روشن فکر افراد اور اسلامی علماء اس حساس صورت حال کو
درکرتے ہوئے استعمار کی سازشوں کا پتہ لگائیں اور وحدت پر زور دیں اور جو باتیں مسلمانوں کے درمیان تفرقہ
کا باعث نہیں ہیں انھیں بیان کرنے سے پر ہیز کریں۔ آیت اللہ عظیٰ آقا نے بروجردی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ یہ تھا کہ
آج کل اسلامی معاشرہ کے لئے یہ بحث کرنا کہ ”کون خلیفہ ہے، کون برحق ہے اور کون باطل پر ہے؟ یہ سب بے
فائدة اور بے کار کی باتیں ہیں آپ شیعہ علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے تھے: آج کل خلافت کا مسئلہ
مسلمانوں کے لئے نہیں کہ ہم آپ میں اختلاف کریں۔

اس زمانے کے تقریب کے دوسرے علمبردار یہ افراد ہیں: سید جمال الدین اسد آبادی، سید حسن امین،
سید عبدالحسین شرف الدین یہ حضرات شیعہ علماء میں سے تھے اور اہل سنت سے یہ علماء تھے: شیخ محمد عبدہ، عبد الجید
سلیم، شیخ محمد شلتوت، اہل سنت کے ان علماء میں شیخ محمد شلتوت کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ انھوں نے مورخہ اور بیچ
الاول جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت با سعادت کا دن ہے نمذہب شیعہ امامیہ، زیدی شیعہ اور اہل

سنت کے چار مذاہب کے نمائندوں کے سامنے یہ فتویٰ صادر کیا کہ شیعہ فقہ کی پیروی کرنا جائز ہے۔
 تقریب مذاہب اسلامی کے جلوے اور ان میں شیخ الاسلام کا موثر کردار:
 تقریب کے بلند اور مقدس نصب اعین کو عینی طور پر درکرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم بعض وسائل
 اور طریقوں سے استفادہ کریں۔

یہاں تقریب مذاہب اسلامی کے ان طریقوں اور مظاہر کو الگ الگ بیان کیا جائے گا ان کی تشریح کی
 جائے گی اور شہید شیخ الاسلام نے اس کے متعلق جو موثر کردار ادا کیا ہے اس کی تحلیل پیش کی جائے گی۔ اس تحلیل میں
 تحریری، شفاہی اور دیگر مستندات سے استناد کیا جائے گا۔ شہید شیخ الاسلام نے ان سارے اسباب و عوامل میں موثر
 کردار ادا کیا ہے۔ تقریب مذاہب کے سلسلہ میں سب سے اہم عامل جس سے شہید شیخ الاسلام نے استفادہ کیا وہ
 حسب ذیل ہیں:

ا:- قرآن کریم

دنیا کے ہر فرقہ و مذهب کے سارے مسلمان قرآن کریم کو کلام الہی کے عنوان سے تسلیم کرتے ہیں اور
 سب کا اتفاق ہے وہ آسمانی کتاب ہے وہ لوگ اپنے تمام دینیوی امور میں اس سے تمسک کرتے ہیں۔

قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو تمام مسلمانوں، فرقوں اور مذہبوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر کھڑا کر سکتی ہے
 ۔ قرآن تقریب مذہب و مسلمین کا ایک کامل مظہر ہے جو کم سے کم دو صورتوں میں عمل کر سکتا ہے۔

۱۔ آیات قرآنی: تمام قرآنی آیات کا جائزہ لینے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ ایسی آیات ہیں جو تقریب،
 ہم آہنگی وحدت اور عدم تفرقہ سے مخصوص ہیں چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۳۰ میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے
 : ”اللہی رسی کو مضبوطی سے تھام لواور تفرقہ سے پرہیز کرو“ اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ میں بھی ہے، نیز
 ان تین حروف ”ق، ر، ب“ کے مشتقات قرآن مجید کی متعدد آیات میں ۹۶ مرتبہ مکر رطور پر آئے ہیں اس سے تقریب
 کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (عبدالباقي، ۱۳۸۲، ۱۳۷۴)

۲۔ خود قرآن: جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کا
 بہترین وسیلہ ہے یہ سب سے اچھا مشترک نفع اور تقریب نیز وحدت کا عامل ہے۔



شیخ الاسلام ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ ایک دوسرے سے نزدیک ہونے کے لئے اور اسلامی
نمایب کے درمیان تقریب کے لئے سب سے اچھا عامل قرآن اور اس کے مستورات و احکام کی پیروی کرنا ہے۔

۲۔ سنت

تقریب نمایب کا ایک طریقہ یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ اور اہل بیت
علیہم السلام کی سنت اور ان کے طور طریقے سے تمسک کیا جائے کیوں کہ اس سنت میں بہت سے مشترک امور پائے
جاتے ہیں جو تمام مسلمانوں کے لئے باہمی تقاضا اور ان کے نظریات کی پرائنگی سے حفاظت کا سبب بنی سکتے ہیں۔
شہید شیخ الاسلام نے اپنی خاص تدبیر و بصیرت کے ذریعہ سنت و روایت سے استفادہ کرتے ہوئے تقریب کے سفینہ
نجات کو پرستکون ساحل کی طرف ہدایت کی مثلاً جس وقت آپ شہر قروہ (شہر قروہ کے شال میں ۳۰ کلو میٹر کے فاصلہ
پر گلکلو نامی دیہات) کے ایک دیہات میں گئے جہاں شیعہ اور سنی دونوں کی آبادی تھی وہاں کے وہاںوں نے
دیہات کی مسجد کے دروازے پر سنگ مرمر کی جوختی لگی ہوئی تھی اور جس پر اہل بیت علیہم السلام کے امامے مبارک
نقش تھے اسے توڑ دیا تھا تو آپ نے اپنی کوشش سے اپنے سادہ لیکن علمی بیان کے ذریعہ مشترک اسلامی احادیث و
روایات کا سہارا لے کر ان لوگوں کے درمیان صلح کو برقرار کیا۔

۳۔ حج

حج جو دین میں اسلام کے فروعات سے ایک فرع میں ہے اس کا عظیم اجتماع دیگر تمام فروعات کے
درمیان ایک خاص اہمیت و فضیلت رکھتا ہے چنانچہ حج کے دوران دنیا کے سارے مسلمان مختلف رنگوں، نسلوں،
قوموں، زبانوں اور اپنے اپنے طور طریقوں کے ساتھ ایک مرکزی جگہ جمع ہوتے ہیں جو تمام مسلمین کا مرکز کہلاتا
ہے۔ شہید شیخ الاسلام اس عظیم اجتماع میں کئی بار حاضر ہوئے اور ان پروگراموں میں شرکت کی جو تقریب نمایب
کے سلسلہ میں جو دار التقریب نمایب مصر، جمع جهانی تقریب نمایب جمہوریہ اسلامی ایران یا دوسرے ملکوں کی
جانب سے منعقد کئے تھے آپ ان تقریبوں میں بہت سرگرم رہے۔ اور ان پروگراموں میں ایسی ایسی تقریبوں
کیں کہ دوسرے اسلامی ملکوں کے مسلمانوں نے آپ کو ”تقریبی مرڈ“ کہنا شروع کر دیا۔

۴۔ مجلس خبرگان رہبری

وشنوں کی ایک سازش یہ بھی ہے کہ وہ مجلس خبرگان اس کے شرائط و فرائض اور اختیارات کے متعلق بہت سے شبہات ایجاد کرتے ہیں جب کہ یہ ایک بے انہا اہم اور موثر کمیٹی ہے۔ ادھر آخری برسوں میں مجلس خبرگان پر بہت زیادہ کچھ اچھا لے جانے لگے ہیں بات تو بالکل واضح ہی ہے کہ اس سے مجلس خبرگان کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہوتا ہے جس سے ولایت فقیہ کا اقتدار کھل کر سامنے آتا ہے۔ (نمازی ۱۳۸۵، ص ۱۲) صوبہ کردستان جو ملک میں جغرافیہ کے لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے اس کی موقعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وشنوں کی جانب سے اس پر برابر یلغار ہوتی رہتی ہے وہ لوگ اس عنوان سے اسلامی نظام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، اسلام کے دشمن مختلف الیکشنوں میں مجلس خبرگان کے ایکشن کے دوران لوگوں کو بھڑکاتے اور انھیں ووٹ دینے سے روکتے ہیں، اسی طرح خاص افراد کو حکمی دیتے ہوئے منع کرتے ہیں کہ مجلس خبرگان کے امیدوار نہ بنیں۔

شہید شیخ الاسلام دوبار مجلس خبرگان رہبری میں کردستان کے لوگوں کے نمائندہ تھے۔ اور انہوں نے دو طریقوں سے یہ کوشش کی تھی کہ تقریب میں نماہب اسلامی کے سلسلہ کو آگے بڑھائیں اور اسلامی نظام کے تمام وشنوں کو حکم اور دنдан شکن جواب دیں۔

۱۔ ایکشن میں ایک امیدوار کی حیثیت سے اسلامی نظام کی آواز پر بلیک کہیں۔

۲۔ نمائندوں کی اکثریت جو شیعہ ہے ان کے درمیان برابر بیٹھ کر مذہبی امور پر غور و خوض کریں، فقہی، مذہبی، نظریات کو بیان کریں۔

ساتھ ہی یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ مجلس خبرگان ذاتی طور پر ایک تقریبی مظہر ہے اور اس میں جو بھی ہوتا ہے وہ تقریبی ہی ہوتا ہے۔

آپ کی شہادت کے بعد ارکین خبرگان رہبری کے اجتماع میں رہبر معظم حضرت آیت اللہ العظمی آقاۓ خامنه ای دامت برکاتہ نے فرمایا: ”اس عالم شہید کا دنیا سے گزر جانا حقیقت میں ایسا خسارہ ہے جو کردستان کے لئے بھی ہے اور ہمارے لئے بھی میں آپ سب کو حضرات کو تہنیت، تسلیت پیش کرتا ہوں، برادران اہل سنت اور ان تمام لوگوں کو تسلیت پیش کرتا ہوں جن کو ملک سے محبت ہے اور وہ لوگ ملک کے اندر اتحاد کو پسند کرتے ہیں آپ وحدت کے پرچمدار تھے“ (پیک تقریب، نیمسہ اول مہر ۸۸، ص ۱۲)



۵۔ رہبر معظم انقلاب دامت برکاتہ

رہبر انقلاب حضرت آیت اللہ العظیمی آقاؑ خامنہ ای دامت برکاتہ تقریب مذاہب کے سلسلہ میں عالمی پیمانہ پر پوری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں، آپ اس میدان کے پرمحمدار ہیں آپ کو ہمیشہ اس بات کی فکر لاحق رہتی ہے کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان وحدت اور تقریب مذاہب اسلامی قائم ہو اور تمام لوگ تفرقہ سے محفوظ رہیں چنانچہ آپ نے جب مورخ ۱۳۸۸/۲/۲۲ انسٹیشی میں صوبہ کردستان کا بابرکت سفر کیا تو ”میدان آزادی“ میں ”سنندج“ کے لوگوں کے درمیان فرمایا: ”جو شخص مذہبی بہانہ بنا کر شیعہ و سنی کی طرفداری کرتے ہوئے ملی و قومی وحدت کو مجروح کرے وہ دشمن کا کارندہ ہے اور اسلام کا دشمن ہے چاہے شیعہ ہو یا سنی اور جان بوجھ کر ایسا کرے یا نادانی میں“ رہبری معظم مظلہ العالی اس میدان میں ذاتی طور پر بہت آگے رہے اور مختلف طریقوں سے اس کے علمبردار رہے آپ نے بہت سے بنیادی و کلیدی اور نمایاں کارنا مے انجام دیے ان میں سے بعض یہ ہیں:

- ۱:- انقلاب اور نظام کی رہبری اور قیادت۔

۲:- مجلس خبرگان رہبری کے ذریعہ اسلامی نظام کے رہبر کے عنوان سے آپ کا انتخاب۔ اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ تقریب مذہب کے سلسلہ میں خود مجلس خبرگان بھی بہت سرگرم رہتی ہے۔

۳:- آپ نے ملک کے اندر اور باہر بہت سے ایسے اداروں کی بنیاد رکھی جن کا تعلق تقریب مذہب سے ہے مجملہ مجمع جهانی تقریب مذہب اور مجمع جهانی اہل بیت علیہم السلام وغیرہ۔

۴:- حج کے عظیم اجتماع میں جب تقریب کے منادی جمع ہوتے ہیں اور وحدت اسلامی کانفرنس میں آپ کی ہدایات۔

۵:- ملک کی تینوں طاقتوں کے تمام ذمہ داروں اور حکومت سے وابستہ تمام لوگوں کو برابر قومی و مذہبی اتحاد کی تاکید۔ اس پر ایک گواہ یہ ہے کہ آپ نے ملک کے ایک مشتمی (ایرانی) سال کا نام ”اتحاد ملی و انجام اسلامی“ رکھا۔

۶:- آپ تمام اسفار، کانفرنسوں اور تقریبات میں تقریب مذہب اسلامی کے بارے میں تقریب کرتے ہیں۔

شہید شیخ الاسلام بھی ملک میں بلکہ ملک کے باہر بھی تقریب بین مذاہب اسلامی کے ایک منادی تھے:

- ۱۔ تقریب بین مذاہب کے سلسلہ میں آپ علاقہ کے تمام علماء کے قائد تھے۔
 - ۲۔ صوبہ کردستان کے عوام کے نمائندہ کے عنوان سے آپ مجلس خبرگان میں دوبار سرگرم رکن رہے۔
 - ۳۔ جمیع جهانی تقریب بین مذاہب میں ایک زبردست فعال عالم کی حیثیت سے تھے۔
 - ۴۔ ملک کے اندر اور دنیا بھر میں آپ تقریب بین مذاہب اسلامی کے بانی و مردوج تھے۔
- رہبر معظم مذہلہ العالی نے بھی آپ کی شہادت کے بعد آپ کو وحدت کے علیبردار کے عنوان سے یاد کیا۔

(پیک تقریب، شمارہ ۸۳، ص ۱۲)

۶۔ مہدویت

تمام اسلامی فرقوں اور مذہبوں کے درمیان ”مہدویت“ کی کلامی و اعتمادی بحث مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان کی گئی ہے چنانچہ ہر مذہب و فرقہ مہدویت اور مجی (حضرت مہدی علیہ السلام) کی بحث میں آپ کی ولادت، ظہور، محل ولادت، محل ظہور وغیرہ کے سلسلہ میں ایک خاص عقیدہ رکھتا ہے اگر عالم اسلام کے سارے علماء اس بحث سے اچھی طرح استفادہ کریں تو یہ عقیدہ تقریب بین مذاہب اسلامی کا ایک سبب بن سکتا ہے اور ایسا ہانے کرنے کی صورت میں تخریب پیدا کر سکتا ہے اور تمام اسلامی فرقوں کے درمیان فاصلہ ایجاد کر سکتا ہے۔ شہید شیخ الاسلام دوسرے تمام اہل سنت علماء جیسے محمد سفی، ملا سعد رفتازانی، امام شوکانی اور سید محمد بروزجی کی طرح مکمل طور سے اس بات سے آگاہ تھے کہ ایک شخص مہدی و مجی کے نام سے ظہور کرے گا اس سلسلہ میں تمام علماء کا اثناعشری فرقہ کے ساتھ اشتراک ہے لہذا اس سے تمکن تقریب بین مذاہب اسلامی کا سبب بن سکتا ہے۔

۷۔ مذاہب اسلامی یونیورسٹی:

اسلامی انقلاب کی زبردست کامیابی کے بعد اس مقصد کے پیش نظر مذاہب اسلامی یونیورسٹی قائم کی گئی کہ علوم انسانی کے سلسلہ میں فقہ، مبانی، اصول، حقوق وغیرہ کے بارے میں کچھ ماہر اور تجزیہ کار افراد کی تربیت کی جائے واقعایہ اسلامی انقلاب کا ایک شرین ثمرہ و نتیجہ ہے کیوں کہ اب تک اس یونیورسٹی نے علمی اور اکیڈمک صورت میں آج کل کے رائج علوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقریب بین مذاہب کے سلسلہ میں بہت سے نمایاں امور انجام



دیے ہیں۔

جب سے اس کی بیاد پڑی ہے شروع ہی سے اس کے تمام بانی اور اساتذہ تقریب مذاہب کے نقطہ نظر اس میں اسلام اور تمام مسلمانوں کی خدمت انجام دے رہے ہیں اسی لئے اس میں جو اسٹوڈنٹ داخل کئے جاتے ہیں ان کا بھی بھی نظریہ ہوتا ہے۔ اس یونیورسٹی کے ایک استاد شہید شیخ الاسلام بھی تھے جو تقریب کے بارے میں بلند خیالات رکھتے تھے آپ اسی نظریہ و عقیدہ کے ساتھ مدرس میں مشغول تھے۔

۸۔ شہید شیخ الاسلام کی پارسائی و کشادہ روی:

شہید شیخ الاسلام کے اچھے اخلاق سے تمام لوگ بہت متاثر تھے آپ ان سب کے لئے نمونہ شمار ہوتے تھے۔

آپ نے اپنے پندیدہ اخلاق سے کمل طور سے استفادہ کیا اور تقریب مذاہب کے سلسلہ میں موثر ثابت ہوئے چنانچہ آپ کے ساتھ بارہا ایسا اتفاق پیش آیا کہ تقریر کے دوران یا کسی جلسہ میں شرکت کے وقت آپ ناشناس افراد اور کبھی فتنہ پرست افراد سے رو برو ہوتے تو اپنے نبی جیسے اخلاق حسنے کے ذریعہ ان کے غصہ پر کنٹرول کر لیتے صرف یہی نہیں بلکہ انھیں تقریب مذاہب کی راہ پر لگادیتے۔

۹۔ تقریب بین مذاہب کے بارے میں شیخ الاسلام کے انوکھے اور غالص نظریات:

شہید شیخ الاسلام نہایت ہوشیار انسان تھا اپنی ہوشیاری کو بروئے لاتے ہوئے اجتماعی و دینی مسائل میں بہت موثر ثابت ہوئے یہ بات آپ کے اہم خصائص میں سے تھی۔

جس وقت انقلاب اور اسلامی نظام کے سارے دشمن اس کے سیاسی مسائل پر یلغار کر رہے تھے تو اس وقت بھی آپ اتحاد اور تقریب مذاہب کا نعرہ بلند کر رہے تھے اور نہایت جانفشنی کے ساتھ برابر مسئلہ کو حل کرنے کے درپے رہتے تھے بعد میں آہستہ آہستہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ علاقہ کے بہت سے علماء آپ کے بلند خیالات سے باخبر ہوئے اور وہ بھی آپ کی روشن پرچلنے لگے۔

۱۰۔ تقریب بین مذاہب کے سلسلہ میں شہید شیخ الاسلام کی مسلسل جدوجہد

تقریب بین مذاہب کے سلسلہ میں بہت زیادہ اور مسلسل صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔ آپ کی مسلسل جدوجہد قبل توصیف نہیں ہے۔ آپ اپنے طالب علمی کے دوران بھی بڑے صابر تھے ایک بار مجھ حیر سے نقل کیا: ”میں مطالعہ کے دوران اور کسی بات کو یاد کرنے کے لئے بعض اوقات اتنی دریک کھڑا رہتا تھا کہ میرے پیروں کے نیچے کی زمین کچھ گہری ہو جاتی تھی“

آپ عوام اور معاشرہ کے خاص افراد کو سمجھانے اور ان کے افکار کو روشن کرنے میں نہایت بصیرت اور صبر سے کام لیتے تھے اور تقریب بین مذاہب اسلامی کی راہ میں اپنی جان کی بازی لگادیتے تھے۔

نتیجہ:

اس مقالہ میں یہ کوشش کی گئی کہ شہید ماموستہ سید محمد شیخ الاسلام نے تقریب بین مذاہب اسلامی کے سلسلہ میں جوانا اثر چھوڑا ہے ہم اس کے بارے میں تحقیق پیش کریں اسی مقصد کے پیش نظر شروع میں تقریب بین مذاہب اسلامی کی تعریف پیش کی گئی اس کے اغراض و مقاصد بیان کئے گئے اور وہاں تک رسائی کے طریقے بھی ذکر کئے گئے اور آخر میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ شہید شیخ الاسلام کا تقریب بین مذاہب اسلامی سے کیسا رابطہ تھا اور انہوں نے اس سلسلہ میں کیا کارنامیاں انجام دیئے۔

شہید شیخ الاسلام نے اپنی ہوشیاری، صبر بردا باری اور مقاومت کے ذریعہ ملک کے اندر بہت سے علاقوں اور دنیا میں بھی علمی و دینی کافر نسou میں تقریب بین مذاہب کی ترویج کی۔ آپ نے تقریب بین مذاہب تک رسائی کے لئے لوگوں کو جمع کر کے انھیں ہم فکر بنایا اور اپنے کو ایک یادگار خصیت کے عنوان سے پہنچوایا اسی وجہ سے اسلامی انقلاب کے منافقین آپ کے دشمن بن گئے اور شہادت کے درجہ پر فائز ہو گئے۔ آخر میں اس نکتہ کی طرف بھی توجہ دلانا ضروری ہے کہ آپ تقریب بین مذاہب ہی کی راہ میں شہید ہوئے ہیں کیوں کہ آپ کی آخری تقریب شہید ماموستہ برہان عالی کی شہادت کے بارے میں تھی۔ امام خمینیؑ نے کیا خوب فرمایا ہے: ”سارے انسانوں کو ایک دن دنیا سے رخصت ہونا ہے تو کتنی اچھی بات ہے کہ وہ خدا کی راہ میں فدا و قربان ہو جائیں“، (سازمان تبلیغات اسلامی کردستان، پائیز ۸۷ء، ص ۱۳)



منابع

۱-قرآن کریم

- ۲-ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دارصادر، بیروت، نج ۱۳۱۲، ۱۲/۱۴۰۵.
- ۳-اسپوز یتو، جان ال، انقلاب ایران و بازتاب جهانی آن، ترجمه داکٹر شانه پی، انتشارات مرکز بازشناسی اسلامی و ایران، چاپ دوم، ۱۳۸۶/۱۳۷۵.
- ۴-اسرا کینی، تاج التراجم فی التفسیر القرآنی، انتشارات علمی وزارت امور اقتصاد اسلامی، ۱۳۷۵/۱۳۷۴.
- ۵-ابحر المدید فی التفسیر القرآنی الجید، انتشارات دکتر حسن عباس زکی، نجرا، قاهره، ۱۳۱۹/۱۴۰۵.
- ۶-برنجکار، رضا آشتایی بافرق و مذاہب اسلامی، چاپ چهارم، ۱۳۸۱/۱۳۷۷.
- ۷-بندرریگی، محمد، مسجد الطلاق، انتشارات لوحه، تهران، ۱۳۷۷/۱۳۷۶.
- ۸-بیاتی، خان بابا، تاریخ نظامی ایران، جنگ‌های دوره صفوی، استاد ارشاد، ۱۳۵۳/۱۳۵۴.
- ۹-پیک تقریب، مجمع جهانی تقریب مذاہب اسلامی، ش ۸۳، مهر ۱۳۸۸/۱۳۸۹.
- ۱۰-تاریخ ایران دوره صفوی، پژوهشی از دانشگاه کمبریج، ترجمه دکتر یعقوب اثند، چاپ اول، ۱۳۸۰/۱۳۷۹.
- ۱۱-تحقیقاتی در تاریخ ایران عصر صفوی، ترجمه عباس قلی غفاری فرد و محمد باقر آرام، چاپ اول، ۱۳۸۲/۱۳۸۱.
- ۱۲-جناتی، محمد ابراهیم، هم‌بستگی ادیان و مذاہب اسلامی، انتشارات انصاریان، قم، چاپ اول، ۱۳۸۱/۱۳۸۰.
- ۱۳-راغب اصفهانی، المفردات فی غریب القرآن، دارالعلم الشامی، بیروت، ۱۳۱۲/۱۴۰۵.
- ۱۴-سازمان تبلیغات اسلامی کردستان، چاپ اول، پاییز ۸۷/۱۳۷۸.
- ۱۵-شعبانی، رضا، تاریخ تحولات سیاسی، اجتماعی ایران در دوره های افشاری و زندیه، انتشارات سمت، تهران چاپ دوم، ۱۳۷۸/۱۳۷۷.
- ۱۶-طاهری، ابوالقاسم، روش تحقیق در علوم سیاسی، نشر قوس، تهران، چاپ اول، ۱۳۸۰/۱۳۷۹.
- ۱۷-طبری، جریر، تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری) موسسه اسلامی، بیروت، نج ۲/۱۴۰۵.
- ۱۸-طربی، فخر الدین، مجمع ابحیرین، مترجم، تهران، نج ۲/۱۴۰۷/۱۳۵۷.





- ۱۹- عبدالباقي، محمد فواد، *للمجم المفہر*، انتشارات نوید اسلام، قم، ۱۳۸۳، ش.
- ۲۰- فراهیدی، خلیل بن احمد، کتاب اعین، انتشارات هجرت، قم، ح/ج ۱۳۱۰، هـ.
- ۲۱- فصلنامه اخوت، نمایندگی ولی فقیه در نمسا، ش ۱۴۰۲، بهار ۱۳۸۷.
- ۲۲- فصلنامه اندیشه تقریب، انتشارات مجتمع جهانی تقریب بین مذاہب اسلامی، ش ۱۶، پاییز ۱۳۸۷.
- ۲۳- قریشی، سید علی اکبر، قاموس قرآن، دارالکتب اسلامی، تهران، ۱۳۷۶، ش.
- ۲۴- لاروس، ترجمه سید حمید طبیان، انتشارات امیرکبیر، تهران، ح/ج ۱۳۷۶، ش.
- ۲۵- المجد، ترجمه قاسم بوستانی، انتشارات وفا، تهران، چاپ اول، ح/ج ۱۳۷۶، ش.
- ۲۶- نمازی عبد‌النبی، آشنایی با مجلس نجراگان، انتشارات منهاج، ۱۳۸۵، ش.

عالم اسلام کا تعارف



بھرین عہد قدیم سے اب تک

(گزشتہ سے پوستہ)

سید نجیب الحسن زیدی

خلاصہ:

گزشتہ قسط میں ہم نے بھرین کا اقیمی اور جغرافیائی جائزہ لیتے ہوئے وہاں کے تعلیمی اور سیاسی نظام پر ایک اچھتی ہوئی نظر ڈالی تھی اور عہد قدیم سے صفوی دور تک کے بھرین کے حالات کو بیان کیا تھا مقالہ کے اس دوسرے حصہ میں ہم نے صفوی حکومت کے زوال سے نادرشاہی حکومت کے زوال اور اس کے بعد سے لیکر آل خلیفہ کی حکومت تک کے بھرین کے مختصر حالات کو بیان کیا ہے، علاوہ ازاں پیش نظر تیریز میں بھرین میں شیعہ کے ماضی اور ان کی تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہوئے شیعہت کی میراث اور شیعہ علماء کے خدمات کو بیان کیا ہے اور اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اکثریت میں ہونے کے بعد بھی شیعوں کے ساتھ کس طرح سے زیادتی کی گئی ہے اور انہیں کس طرح زندگی کی دوڑ میں پیچھے کرنے کے بعد آج استعمار ان کے حقوق کی جدو جہد کو مسلکی رنگ دے رہا ہے نیز بھرین کی ایران سے علیحدگی کے پس منظر کو اس مقالہ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بھرین کی سیاست میں سعودی عرب، برطانیہ اور امریکہ کی مداخلت کے اوپر وشنی ڈالی گئی ہے۔

کلیدی الفاظ: حکومت صفوی، برطانیہ، شیخ عسیٰ، سعودی عرب، آل خلیفہ، عثمانی، انسانی حقوق کی نوشن

صفوی حکومت کے زوال سے حکومت نادر شاہ تک:

.... صفوی حکومت کے سقوط کے بعد جنوبی ایران کی ساحلی پٹی میں ایک سیاسی بھونچال آگیا جھوٹی جھوٹی مقامی حکومتیں سامنے آئیں ایران کے ساحلی علاقوں پر مختلف عرب قبائل نے ڈیرا ڈال دیا خاص کر ہولہ نامی عرب قبیلہ نے ایران کی آشنازتہ حالی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بحرین پر قبضہ جمالیا اور چند رسال تک بحرین پر قابض رہا البتہ ایران میں نادر شاہ کے حکومت میں آتے ہی چھوٹے چھوٹے قبیلیوں اور طائنوں کی حکومتوں کی اٹی گنتی شروع ہو گئی نادر شاہ نے بگڑتے ہوئے حالات کو بہت جلد اپنے قابو میں کر لیا۔ نادر شاہ نے فارس کے حاکم کو بحرین پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا (۳۰۹-۳۱۰) دائرۃ العارف بزرگ اسلامی جلد اص) جب فارس کی لگام محمد تقی خان کے ہاتھوں میں آئی تو اس نے بوشهر کی طرف اپنی فوج روانہ کی اسی دوران بحرین کا حاکم حج کے قصد سے مکہ کی طرف عازم ہوا جب محمد تقی کو اس بات کی اطلاع ملی کہ بحرین کے موجودہ حاکم شیخ جبارہ نے کسی کو بحرین میں اپنا نائب بنایا کر خود عزم سفر کیا ہے تو اس نے فوراً اپنی فوج کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا اور لطیف خان کی سربراہی میں اپنا شکر بحرین کی طرف روانہ کر دیا اگرچہ بحرین پر حملہ کے وقت نادر نے ہالینڈیوں سے مدد مانگی اور انہوں نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ (حوالہ سابق)

لیکن بعض منابع کے مطابق ہالینڈیوں نے اسلحے اور کشتیاں نادر شاہ کے حوالے کر کے اس کی مدد کی (دانش نامہ جہان اسلام، زیر نگرانی غلام علی حداد عادل حرف ب بحرین) اس کے باوجود ایران کی جانب سے بھی گئی فوج نے بحرین پر یلغار کر کے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا اور قلعہ بحرین کی چاپی نادر شاہ کے حضور روانہ کر دی ابھی بحرین پر نادر شاہ کے قبضہ کو تین سال بھی نہ گزرا تھے کہ سلطان امام مسقط کے بیٹے سیف نے بحرین پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا اور اتنا ہی نہیں چھروز تک بحرین کے لوگوں کا قتل عام کیا اس کے بعد نادر شاہ کے حکم پر محمد تقی خان یا بعض منابع کے مطابق کلب علی خان نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے مسقط پر حملہ کر دیا اور شورشیوں کو بری طرح کچل دیا ان حوادث میں امام مسقط کو بھی جان سے ہاتھ دھونا پڑا (حوالہ سابق) مسقط کے فتح ہو جانے

کے بعد نادر شاہ نے مسقط اور بحرین دونوں کی حکومت آں مذکور (شیخ نصر و شیخ غیث) کے حوالے کر دی ۔

بحرین، نادر شاہ کی موت کے بعد سے امام مسقط کی یلغاریک:

نادر شاہ کی زندگی میں تو زیادہ حالات خراب نہ ہوئے لیکن اس کی موت کے بعد پورے علاقے میں قدرت کی رسمی چالو ہو گئی خلیج فارس کے ساحلی علاقوں میں یعنی والے قبائل نے وہ حالات پیدا کیے جس نے پورے علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، ایران کے جنوبی مضائقی علاقے بندر عباس کے حد فاصل سے بحرین تک قبائل کے درمیان خونی جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کی وجہ سے علاقے کی دیگر طاقتیں بھی بحرین کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ (دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ ص ۳۱۰)

خلیج فارس میں حصول قدرت کی رقبابت قبائلی عناصر کی تجدید حیات کا سبب بنتا ہے، اور قبائلی عناصر نے ساحلی علاقوں میں اپنی طاقت کو قبل دیدہ تک کیجا کر لیا اسی دوران دریائی تجارت کے مرکز کو بوشهر کی طرف منتقل کر دیا گیا (دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ ص ۳۱۰) جسکی وجہ سے بوشهر اور اس کے مضائقات کے علاقوں میں بھی حصول قدرت کی رسمی شروع ہو گئی عتبی قبیلے نے بھی اس کشمکش کے دوران عرصہ وجود میں قدم رکھا یہ وہ قبیلہ ہے جسے بعض مورخین بحرین کی مستقل حاکیت کا معمار مانتے ہیں । دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ ص ۳۱۰) عتبی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اٹھارہویں صدی میں قحط کی بنا پر بندج سے کویت کی طرف ہجرت کی اور ۱۷۶۲ء میں محمد بن خلیفہ نے کویت کو زبارہ کے قصد سے ترک کر دیا محمد بن خلیفہ نے زبارہ کے علاقے میں اپنے قبیلہ کو ساکن کرنے کے بعد موتویوں کی تجارت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور خوب ثروت کمائی اور چھوٹی چھوٹی مال بردار کشتیاں خرید کر ۱۳۰۰ چھوٹی بڑی کشتیوں کے بیڑہ کامالک بن گیا، یہ وہ دور ہے جب بحرین شیخ ناصر کے دائرۃ حکومت میں آتا تھا ۱۷۶۲ء میں کریم خان نے جب بصرہ پر یلغار کی تو شیخ ناصر مارا گیا شہنشاہ ایران نے شیخ ناصر کی موت کے بعد اس کے بیٹے شیخ نصر کو حاکم بنایا (دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ ص ۳۱۰)

بحرین کے حالات میں ایک بڑا موڑ اس وقت آیا جب بوشهر کے حاکم اور قبیلہ عتبی کے اختلافات بڑھتے گئے اور انجام کا رعنیوں نے اس بات کو قبول کر لیا کہ مقررہ لگان ایران کو ادا کیا جائے گا چنانچہ ۱۸۲۳ء میں لگان کی داعیٰ کی قرارداد پر طرفین نے دستخط کیئے، لیکن آل خلیفہ کے نئے حاکم احمد بن محمد نے منظور شدہ قرارداد کو پیٹھے

دکھاتے ہوئے ایران کو مقررہ لگان دینے سے انکار کر دیا، جس کے نتیجہ میں شیخ نصر نے چڑھائی کر دی لیکن اسے کامیابی نہیں کی اور بو شہر کی طرف واپس پلٹنا پڑا۔ احمد بن محمد نے حاکم بو شہر کو شکست دینے کے بعد بحرین کا رخ کیا اور وہاں زمامِ امر کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

ادھر ایران میں آقا محمد خان قاجار اور لطف علی خان زند کے مابین ہونے والی رسہ کشی نے احمد بن محمد کو اور بھی بحرین میں اپنی طاقت کے پایے کو جمانے میں مدد کی اور احمد نے لطف علی خان زند اور آقا محمد خان قاجار کے درمیان بڑائی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی حکومت کو اور بھی مضبوط بنالیا، اگرچہ احمد بن محمد کے انتقال کے بعد جب اس کا بیٹا سلمان حاکم قرار پایا تو اس نے سلطنت قاجاریہ سے اپنے تعلق کو بحال کرتے ہوئے والی فارس میرزا حسین علی کو واپس سلطنت سے وابستگی پر مشتمل خطروانہ کیا اور یہ درخواست کی کہ قاجاری سلطنت کا حاکم وہاں کی شورش کو کچلنے میں اس کی مدد کرے (دارال المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱/۲۱۰)

بحرین کی داخلی اور خارجی مشکلات اور ایران کے اپنے مسائل سے جبو جھنے کی بنا پر امام مستقط سید سلطان نے موقع کو غنیمت جانا اور خلیج فارس تک اپنے قلعروں کو پھیلا دیا پیشتر امام مستقط نے بندر عباس، ہرمزا و رشم کو ۶/۲ ہزار تو مان سالانہ ادائیگی کے عوض ۵۷ سال کے لئے اپنے اختیار میں لیا ہوا تھا، امام مستقط نے بحرین سے حاصل ہونے والے خراج کی حصول یابی کے لئے اس علاقے پر حملہ کیا لیکن اسے کوئی نتیجہ ہاتھ نہ لگ سکا اور مستقط خالی ہاتھ ہی پلٹنا پڑا ۹۹ءی میں ایک بار پھر عمانیوں نے بحرین پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں سلمان بن احمد نے ایران کے دربار کی طرف رجوع کیا اور اس بات کو تسلیم کرنے کے عوض کہ گزشتہ ادائی ہونے والے خراج کو ادا کیا جائے گا احمد بن سلمان اس بات میں کامیاب ہو گیا سید سلطان کے ہاتھوں سے نفع سکے۔ (حوالہ سابق)

۸۲۰ء کی برطانوی قرارداد اور بحرین کے داخلی حالات میں نیا موڑ:

۸۲۰ء میں برطانیہ اور خلیج فارس کے قبائل کے سرداروں سے ہونے والے معاهدہ کے بعد بحرین کے حالات میں ایک نیا موڑ آیا اس لئے کہ یہ قرارداد ۸۱۷ء میں ہونے والی ایران و برطانیہ کے مابین قرارداد کے واضح طور سے خلاف تھی ۸۲۰ء اس قرارداد کے بوجب ایران اور روس کے درمیان جنگ کے چلتے برطانیہ کو اور بھی موقع فراہم ہوا کہ وہ ایران کے مسائل میں پہلے سے زیادہ دخل اندازی کر سکے جس کے نتیجہ میں بحرین، برطانیہ اور ایران

کے مابین ایک ممتاز صورت اختیار کر گیا۔ انجام کا رجزیرہ بحرین پر ایران کی حاکمیت کو ظاہری طور سے برطانیہ نے قبول کر لیا اور (بروس۔ زکی خان) کے ۱۸۲۲ء میں ہونے والے معاهدے میں اس بات کو تسلیم کیا گیا اور ایک بار پھر اسی سال برطانوی بحری فوج کے ایک افسروں تسلیم گرینٹ نے دفتری واداری کا رواوی کے لئے بھی اس پرستا کیا۔

(دائرة المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ احرف ب۔ ذیل بحرین)

اس معاهدے کے تحت قانونی طور پر بحرین کو ایران کا ایک حصہ تسلیم کیا گیا تھا برطانیہ نے اگرچہ ایران کے ساتھ اپنے تعلقات مستحکم کرنے کے لئے بحرین پر ایران کی حاکمیت کو قبول کر لیا تھا لیکن اسکی نظریں بحرین پر گڑی ہوئی تھیں جب شیخ محمد بن خلیفہ نے ۱۸۲۳ء میں اپنے بھائی علی بن خلیفہ کی مدد سے بحرین کے داخلی حالات پر قابو پالیا اور اس بات کو سمجھ لیا کہ برطانیہ بھی بھی بحرین کو اپنے مفادات کے چنگل سے باہر نہیں نکلنے دے گا تو اس نے ایران اور عثمانی سلطنت کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا لیکن ایران و عثمانی حکومت اپنے اپنے مسائل میں اچھے ہوئے تھے اس لئے جب اسے لگا کہ وہ کوئی بھروسہ مند پناہ گاہ کی صورت میں اس کے کام نہیں آسکتے تو برطانیہ کی طرف رجوع کیا۔ برطانیہ نے شیخ بحرین کے مدد کے لئے پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو پکڑنا اپنی سیاست کے عملی ہونے کے لئے ایک سنہرا موقع جانا اور امیر بحرین سے مفاہمت کر لی چنانچہ میں ۱۸۲۸ء میں امیر بحرین اور برطانیہ کے نمائندے کے درمیان ایک قرارداد ہوئی جس کے نتیجہ میں برطانیہ کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ شیخ بحرین یا یہاں کے لوگوں سے جڑی تمام اشیاء کی تقاضہ کر سکتا ہے۔ ان ہی ایام میں سلطان مراد میرزا حسام السلطنه نے بحرین اور ایران کے تعلقات کے استحکام کے لئے میرزا مہدی کو سفیر بنाकر بحرین بھیجا اور فارس حسام السلطنه کے سفیر کے محمد بن خلیفہ سے ہونے والے مذاکرات کا نتیجہ بحرین کو ایران کی کمل حمایت کی یقین دہانی کی صورت میں سامنے آیا۔ والی فارس کی جانب سے بھیج گئے سفیر کی کوششوں سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ ایک بار پھر بحرین کی جانب سے ایران کی حاکمیت کو صراحت کے ساتھ تسلیم کیا گیا اور والی فارس و حاکم بحرین کے درمیان ہونے والے مکاتبات میں واضح طور پر مانا گیا کہ بحرین ایرانی قلمرو کا ہی ایک حصہ ہے۔ جب یہ خبر برطانیہ کو ملی تو اس نے مخالفت کرنا چاہی لیکن محمد بن خلیفہ نے اس وقت ایران کا ساتھ دیتے ہوئے کیپن جوز کی ایک نہ چلنے دی (دائرة المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ ذیل بحرین)، جب برطانیہ نے اپنے مفادات کا خون ہوتے ہوئے دیکھا تو بحرین کے مقامی باشندوں کو

ورغایا اور محمد بن خلیفہ کا تختہ پلنے کے لئے سلطنت عثمانیہ کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ جب عثمانی سلطنت نے بحرین کے معاملہ میں برطانیہ کے اکسانے پر مداخلت کرنا چاہی تو ایران کے کمانڈر میرزا حسین خان نے اس پر شدید اعتراض کیا، اسی دورانِ محمد بن خلیفہ نے قطیف پر حملہ کر دیا جس کے عمل کی صورت میں خلیفہ کو ناگزیر میں موجود خلیفہ کی کشتبیوں کو برطانیہ نے اپنے قبضہ میں لے لیا اس جنگ و گریز کا انجام یوں ہوا کہ محمد بن خلیفہ کو ناگزیر ہو کر ۱۸۲۱ء میں برطانیہ کے ساتھ مذاکرات کی میز پر آنا پڑا اور برطانیہ کے ساتھ ۱۸۲۱ء کی قرارداد کو توسلیم کرنا پڑا۔ (دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ ارزیل بحرین)

۱۸۲۱ء میں محمد بن خلیفہ نے قطر کو اپنے قبضہ میں لے لیا جب اس کی اطلاع برطانیہ کو ہوئی تو اس نے تختی کے ساتھ محمد بن خلیفہ سے باز پرس کی اور اپنی فوجوں کو بحرین کی طرف روانہ کر دیا۔ محمد بن خلیفہ نے برطانیہ کی ناراضگی مولیٰ تواب اسے ایک پشت پناہ کی ضرورت تھی چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو بوشہر کی طرف روانہ کیا اور وہی فارس سے مدد کی گهارگائی لیکن جب تک فارس کی افواج بحرین تک پہنچنیں برطانیہ کے فوجیوں نے وہاں پر اپنے قبضہ جمالیا تھا برطانیہ کا قبضہ ہوتے ہی محمد بن خلیفہ بھاگ کھڑا ہوا جس کے نتیجہ میں علی بن خلیفہ نے اپنے بھائی کو معزول کر دیا اور حسامِ سلطنت کے پاس ایک وفرادانہ کیا اور کہا کہ جب ایران کی فوجیں بحرین پہنچ جائیں گی تو ہم بحرین پر قبضہ کر لیں گے بعد اسے ایران کے سپرد کر دیں گے لیکن علی بن خلیفہ کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ جب وہ ایران کی مدد سے نامید ہو گیا تو اس نے مجبوراً برطانیہ کے صلح نامہ پر دستخط کر دیئے۔ (دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ ارزیل بحرین)

شیخ عیسیٰ بن علی اور برطانیہ کا بحرین میں اثر و رسوخ:

حکومت شیخ عیسیٰ بن علی نے بحرین میں برطانیہ کے نفوذ کے ثابت میں اہم روں ادا کیا اور شیخ عیسیٰ کی حکومت کو ہی برطانوی حکومت کی اصل طاقت مانا جاتا ہے شیخ عیسیٰ نے ۱۸۹۲ء اور ۱۸۸۰ء میں دوالگ الگ معاهدوں میں اس بات کو توسلیم کیا کہ بغیر برطانیہ کی اجازت کے وہ کسی بھی حکومت سے کوئی معاهدہ نہ کرے گا اور جب تک برطانیہ کی رضا مندی شامل نہ ہوگی وہ کسی بھی حکومت کو سیاسی نمائندہ روانہ کرنے کی اجازت نہ دے گا نیز برطانیہ کے علاوہ کسی اور کوز میں بھی اسے نہیں ہوگا۔ اس کے بعد سے بحرین میں برطانیہ کا نفوذ بڑھتا گیا، حتیٰ سلطنت

برطانیہ نے امیر بھرین کو مشورہ دینے اور پردوں باشندوں کے مسائل سلیمانیہ کے لئے ایک دائیٰ نمائندہ بھی بھرین روائہ کر دیا اور اسی بنیاد پر ۱۹۲۳ء میں بھرین میں برطانیہ کی نمائندگی کا ایک دائیٰ آفس کھل گیا اس زمانے میں برطانیہ کے ممتاز افسروں میں سرچارلز بلگریو کا میر بھرین کے مشیر کے طور پر منتخب کر کے بھرین پہنچ دیا گیا، سرچارلز کے سخت اور شدت پسندانہ اقدامات سے نگ آ کر جب بھرین کے عوام نے شدید احتجاج کیا تو بعد میں مجبور ہو کر برطانیہ نے ۱۹۴۵ء میں سرچارلز کو بھرین سے نکل جانے کا حکم دیا یہ وہی آدمی ہے جس نے غلظت فارس کے نام کو تبدیل کرانے کے لئے بہت جدوجہد کی تھی۔ (دارۃ المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ ارذیل بھرین)

بھرین کی ایران سے خود مختاری اور اس کا پس منظر:

۱۹۴۷ء میں برطانیہ اور سعودی عرب کے بادشاہ ملک عبدالعزیز کے درمیان ایک قرارداد منظور ہوئی جس کے نتیجے میں برطانیہ کے سایہ میں زندگی گزارنے والے تمام ممالک نیز بھرین و قطر اور امارات کے درمیان گھرے تعقات کی بنیاد پڑی ایران کو اس قرارداد سے الگ تھلک کر دیا گیا تھا اس لئے ایران نے اسے اپنی قلمرو میں مداخلت گردانتے ہوئے اقوام متحده کو ایک رسی خط لکھا جس کے جواب میں برطانیہ کے اس وقت کے وزیر خارجہ چیبرلن نے لکھا کہ برطانوی حکومت کے پاس ایسے کوئی شواہد و قرائیں نہیں ہیں جن سے یہ پتہ چلے کہ بھرین ایران کی قلمرو کا حصہ ہے اس خط کے جواب میں ایران کے وزیر خارجہ نے جواب دیتے ہوئے ایران کی بھرین پر حاکیت کے دلائل و شواہد کو پیش کیا جس کے جواب میں برطانیہ کے وزیر خارجہ نے ایران کی بھرین پر حاکیت کی بات کو سرے سے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد سے ۱۹۴۸ء اش برطانوی حکومت نے یہ عجیب و غریب قانون بنایا کہ جتنے بھی ایسے لوگ تھے جن کے پاس برطانوی پاسپورٹ نہیں تھا انکی بھرین آمد و رفت پر پابندی لگادی ایران نے اس پر بھی اپنے رد عمل کا اظہار کیا لیکن اسے کوئی کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ ایران کو بھرین پر اپنی مالکیت کے اثاثات میں کامیابی تو نہ مل سکی اور نہ ہی برطانوی سیاست کے رخ کو ایران تبدیل کر سکا بلکہ اسی سال یعنی ۱۹۴۸ء اش میں ایران کو اس وقت ایک اور بڑا دھپکہ لگا جب برطانیہ کی تیل کی کمپنی نے بھرین میں تیل نکالنے کا ٹھیکیٹ اپنے نام کرا لیا اور بلا فاصلہ ایران کو اطلاع دیئے بغیر تیل نکالنے کے لئے کنوں کی کھدائی کا آغاز کر دیا ایران نے لاکھ اعتراض کیا لیکن برطانیہ کو امریکہ کی چوڑھہ حمایت کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ اسی کشمکش کے دوران ایران نے ایک تاریخی فیصلہ کرتے ہوئے

بھرین کو چودھویں صوبے کے طور پر منظوری دیتے ہوئے اس کے مملکت ایران کے چودھویں صوبہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس منظوری کے فوراً بعد ہی بھرین و شارجہ میں برتاؤی افواج میں اور اضافہ ہو گیا اور انہوں نے اپنی پوزیشن مضبوط بنالی۔

ایران کی تمام تدبیروں پر پانی پھیرتے ہوئے ۱۹۵۷ء میں سعودی عرب اور بھرین نے امریکہ اور برطانیہ کی حمایت کے زیر سای مشرکہ تیل کی درآمد کی قرارداد پر مستخط کر دیئے (دائرة المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ رذیل بھرین) جب سعودی عرب اور بھرین کے درمیان تیل نکالنے کی اس قرارداد کا علم اس وقت کے ایرانی وزیر خارجہ اردنان کو ہوا تو ایرانی وزیر خارجہ نے اس قرارداد کو بے اعتبار قرار دے دیا۔ ایران اور برطانیہ کے درمیان اس چیقش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ہی دنوں میں برطانیہ نے یہ فیصلہ کیا کہ بھرین کے اندر تمام ایرانی کلچر کی علامتوں کو ہٹا دیا جائے چنانچہ ایرانی وزیر خارجہ کے اس عمل کے بعد اس فیصلہ پر شدومد کے ساتھ عمل درآمد ہونے لگا۔

۱۹۶۲ء میں بھرین خلیج فارس میں برطانیہ کی بھری افواج کے اصلی مرکز میں تبدیل ہو گیا اس کے تین سال بعد بھرین اور ایران کی سرحدوں کی تعین کے سلسلہ میں ایران و برطانیہ کے درمیان ہونے والے مذاکرات ناکام ہو گئے ایران کو بھرین میں پہنچنا کامی کا سامنا تھا اور سعودی عرب کے بادشاہ نے اعلان کیا کہ برطانیہ حکومت کے تبادل کے طور پر اعراب کو اس علاقہ میں داخل ہو جانا چاہیے جس کا بھرین کے بادشاہ عیسیٰ بن آل خلیفہ نے جم کر استقبال کیا ان تمام شب و فراز کے درمیان امریکہ سے پہ پردا اتفاق کے چلتے شاہ ایران نے رسی طور پر یہ اعلان کر دیا کہ بھرین کے سلسلہ میں کسی بھی زور زبردستی سے کام نہیں لیا جائے گا اور تمام باقی گفتگو سے حل ہوں گی یہ پہلا ڈر اپ سین تھا۔ بھرین اور ایران کے ڈرامہ کا دوسرا پرداہ اس وقت اٹھا کہ جب ایران نے اقوام متحده سے بھرین کے سلسلہ میں اس کی نظر جانی چاہی اور اس سلسلہ میں اسے ایک رسی خط روانہ کیا جس کے بوجب اقوام متحده کے خصوصی نمائیدے نے بھرین پر ایران کی مالکیت کے دلائل و شواہد پر دو ہفتہ کی تحقیق کرنے کے بعد یہ فیصلہ سنایا کہ ”بھرین کی اکثریت ایران سے علیحدگی کے حق میں ہیں“ اس فیصلہ کے آنے کے بعد سلامتی کو نسل کا اجلاس بیٹھا اور پھر اقوام متحده کے نمائندہ خاص کی روپورث کی روشنی میں ۱۹۶۷ء کو ۲۸ نمبر کی معروف قرارداد سلامتی کو نسل کی جانب سے پیش کی گئی جس میں بھرین کو ایک مستقل ملک کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا تھا۔ اس طرح انجام کارکانی

شیب و فراز کے بعد ۱۹۷۶ء میں بحرین کو ایک مستقل ریاست کے طور پر مان لیا گیا۔ ((دائرة المعارف بزرگ اسلامی جلد اول / ذیل بحرین)

بحرین میں شیعیت کی تاریخ اور اس کا پس منظر :

صدر اسلام سے ہی بحرین شیعوں کے اہم مرکز کے طور پر جانا جاتا رہا ہے گیارہ بھری میں جب سے بحرین کے باشندوں نے امام علیؑ کی حقانیت کو سمجھا تب سے اب تک عقیدہ ولایت پر پابند رہے، ابان بن سعید سب سے پہلی وہ شخصیت تھی جس نے بحرین کی سر زمین پر ولایت اہلیت اطہار علیہم السلام کے گلشن کی آبیاری کی اور اس کے بعد سے علماء اور عرفاء نے اپنی زحمتوں سے اس گلشن کو باور (علامہ مظفر تاریخ شیعہ، ترجمہ، سید محمد باقر جنتی، ص ۳۲۷) بنایا۔ بحرین میں شیعیت کے روایج کا سہرا ابان بن سعید کے سرجاتا ہے جو عرصہ تک وہاں کے حاکم رہے اور بقول قاضی نور اللہ شوستری ”اہل بیت اطہار علیہم السلام کے ان محبوں میں تھے جو ہمیشہ علیؑ کے ساتھ رہے اور ان کے علاوہ کسی کی بیعت نہ کی ابان بن سعید کے علاوہ بحرین کے باشندوں کا مکتب اہلیت علیہم السلام کی طرف میلان صعصہ بن صوحان کے وجود کا بھی ریزن منت ہے جن کے لئے قدیم منابع میں ملتا ہے کہ امیر شام نے انہیں بحرین کی طرف ملک بدر کر دیا تھا اور انتقال تک آپ وہیں رہے (ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، ۹۲/۲۲) (مجلس المؤمنین، مجلس اول، ص ۳۳)

ابن بطوطہ جب اپنے تحقیقی سفر کے دوران بحرین پہنچ تو انہوں نے وہاں کی صور حال کے سلسلہ میں جو کچھ اپنے مشاہدے کی روشنی میں بیان کیا اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ بحرین کو ایک شیعہ ملک کی طور پر جانا جاتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ”بحرين میں خرماء، انار اور آم کی بیڈ اور ہوتی ہے اور یہاں کے باشندے راضی ہیں“ (ابن بطوطہ، سفرنامہ ابن بطوطہ، ترجمہ محمد علی موحد، تہران/۱۳۶۱) ایران میں شیعہ مذہب کو رسمیت ملنے کے بعد سے بحرین کے شیعوں کی طاقت میں خاصا اضافہ ہوا ۱۵۰۰ھ میں ایران میں حکومت کی جانب سے رسمی طور پر شیعہ مذہب کے اعلان کے بعد بحرین کے شیعوں نے اپنی بنیادوں کو مضمبوط کرتے ہوئے علیؑ مرکز قائم کیتے اس دور میں جہان عرب میں بحرین کو شیعیت کے ایک مرکز کے طور پر جانا جاتا تھا اور بحرین کا شمار لبنان کے جبل عامل، اور عراق کے کوفہ و نجف کے علیؑ مرکز میں ہوتا تھا... حتی سب سے پہلے صفوی بادشاہ کے بارے میں ملتا ہے کہ وہ اعتقادی مسائل

کی تائید نجف اور بحرین کے علماء سے لیا کرتے تھے۔)۔ Fuller, Graham, E, & Rend rahim

francke

The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

عراق اور ایران کے بعد بحرین کو جہان تسبیح کا سب سے بڑا مرکز جانا جاتا ہے۔ صدر اسلام سے لے کر اب تک بڑے بڑے جید علماء اس سر زمین نے عالم تسبیح کے حوالے کئے ہیں بحرین کے قدیم اور عظیم المرتبت شیعوں میں ایک تاریخی نام رشید بحری کا ہے جو میثم نمار کے طبقہ سے تھے اور امام علیؑ کے معروف صحابی کے طور پر جانے جاتے ہیں، امام باقر علیہ السلام و امام صادق علیہ السلام کے شاگرد، ابوالبید بحری، ولید بن عروۃ شیبانی، اور عبد اللہ بن کبیر بحری کا تعلق بھی بحرین ہی سے بیان کیا گیا ہے (رجال برقی، احمدص ۲۷۰ کلینی، جلد ۲، ص ۱۵۹، رجال شیخ طوی، ۱۳۸۹، ۱۳۸۸، ۱۳۸۱) امام کے ان دو شاگروں کے ساتھ ساتھ بحرین کی تاریخی شخصیتوں میں امام صادق علیہ السلام کے دو صحابیوں مسیع بن عبد الملک اور حکم بن علباء اسدی کے نام بھی لے جاسکتے ہیں جو کچھ مدت تک بحرین کی مند حکومت پر بھی رہے اور رقومات شرعیہ بحرین سے امام کی خدمت میں روانہ کرتے رہے۔ (کلینی محمد، اکافی، جلد اس ۲۰۸، کشی محمد، معرفۃ الرجال سعی و اہتمام، حسن مصطفوی، مشہد ص ۲۰۰) اس کے علاوہ سلسلہ رواۃ میں نصر بن نصیر بحرانی جیسی شخصیتوں کا نام نظر آتا ہے جن کا تعلق بحرین ہی سے تھا نصر بن نصیر بحرانی اور محمد بن سهل بحرانی کا مذکورہ شیخ صدوقد نے اعلیٰ میں بھی کیا ہے۔ (دائرة المعارف تشیع جلد سوم، ص ۱۱۹)

آٹھویں عیسوی صدی میں ابوالبید بحری، ولید بن عروۃ شیبانی، عبد اللہ بن کبیر بحری، جیسے امام محمد باقر و صادق علیہما السلام کے شاگروں (برقی۔ ۲۷۰، کلینی، ۱۶۹/۲، رجال شیخ طوی، ۱۳۸۹) اور مسیع بن عبد الملک و حکم بن اسی (کلینی محمد اکافی ص ۸۰۱، ۸۰۲) کے علاوہ نویں صدی میں محمد بن سہل کا نام لیا جا سکتا ہے جو شیعیت کی نظریاتی بنیادوں سے آشنا اور اسکی فکر کو سمجھنے والے جانے جاتے تھے (الخصال، ۲۷۲) ان تمام بالتوں کے باوجود یہ محسوس ہوتا ہے کہ شیعیت کے تاریخی ماضی اور لوگوں میں مکتب الہبیت اطہارِ یہاں علیہم السلام سے محبت کے بعد بھی یہاں شیعیت کے نام پر مختلف فرقوں نے اپنے پرستار بنائے۔ صاحب الزین کا تمنا عہ قیام شیعیت۔ سے مشاہد افکار کی بنیادوں پر قائم تھا جس کی بنا پر عام لوگوں نے خوب خوب اس کی حمایت کی (طبری، ۲۱۰/۹) یا پھر قرآن مطہرا قیام، خاص کریمی بن



مہدی کا بھرین آنا اور ”مہدی“ کے ظہور کے بارے میں لوگوں میں اشتیاق کا پایا جانا، ابوسعید جنابی کا قیام یہ تنام وہ شواہد و فرائیں ہیں جو اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ بھرین کے باشندوں نے جہاں بھی شیعیت کا بلکا سارگنگ پایا ادھر چل پڑے چاہے اٹھنے والی تحریک میں انحراف ہی کیوں نہ رہا ہو۔ شیعیت کے انقلابی طرز فکر کی بنابر جہاں بھی انہیں انقلاب کی آہست نظر آئی بھرینی عوام ادھر دوڑ پڑے اور انہوں نے یہ حقیقت جاننے کی کوشش نہ کی کہ ہر انقلابی نعرہ کی سمت اور جہت الہی نہیں یا اس کا تعلق مکتب اہلیت کی تعلیمات سے نہیں ہے۔ بہر کیف قرامط کے زوال کے بعد اصل مکتب شیعیت کو اپنا واقعی چہرہ سامنے لانے کا موقع ملا تو ابن شریف اکمل بحرانی جیسے افراد سامنے آئے اور اس کے بعد علمائے امامیہ نے شیعیت کے اصلی روپ کو واضح کرنے کے لئے بہت جدوجہد کی اس جدوجہد کے نتیجے کے طور پر قوام الدین محمد بن محمد بحرانی، ناصر الدین راشد بن ابراہیم، کمال الدین بحرانی (ابن سعادہ) وغیرہ کے دروس کے سلسلوں کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے جنہوں نے شیعی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے ایران و عراق کا سفر کیا اور سید فضل اللہ راوندی جیسے ممتاز علماء سے کسب فیض کیا، خاص کر راشد بن ابراہیم اور ان سے پیشتر ابن سعادہ اور ان کے شاگرد جمال الدین علی بن سلیمان کے سلسلہ میں معروف ہے کہ یہ لوگ علم کلام میں ماہر تھے اور انہیں لوگوں کی مسامی جیلہ کی بنیاد پر بھرین میں ایک ایسا حوزہ قائم ہوا کہ جس کو کلام امامیہ کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ کلامی میدان کی معراج کے دور کو کمال الدین ابن میثم بحرانی کے ساتھ منسوب کیا جا سکتا ہے جنہوں نے علم کلام پر متعدد کتابیں تالیف کیں اور اپنے عصر کے ممتاز متكلم کے طور پر جانے گئے۔ نہ صرف علم کلام میں مکتب امامیہ کے علماء نے اپنا وجود منوایا بلکہ فلسفہ میں بھی یہ طویلی کے مالک نظر آئے فلسفہ میں خاص کر جمال الدین کا نام لیا جا سکتا ہے جنہوں نے اشارات میں حکمت نظری سے متعلق مباحث کو واضح کیا۔

بھرین میں شیعہ علماء کی مذکورہ کاؤشوں میں ایک صدی پر مشتمل ہڑاؤ کے بعد پندرہویں صدی میں ایک بار پھر علمی رونق دیکھنے کو ملی۔ اس بار علمی رونق و گہما گہما کا میدان فتحہ اور تمام علمی کاؤشوں میں فتحہ کارنگ غالب تھا۔ فتحہ کے میدان میں رونق مجتنہ کا سہرا بن متوج بحرانی (۷۲۴ء) کے سرباندھا جا سکتا ہے جنہوں نے مکتب حلہ کی تحقیقات کو بھرین میں منتقل کیا اور فقہیات کے میدان کو بارور بنانے میں ممتاز روول ادا کیا۔ چنانچہ آیات الاحکام کے سلسلہ میں سب سے پہلی کتاب آپ ہی سے متعلق ہے آپ کے ہم عصر دیگر فقہیاں میں زین الدین علی بن حسن خطی اور ابن

فہد احسانی کا نام لیا جاسکتا ہے جن کی کوششوں کی بنا پر بہت جلد ہی فتحی میدان کو ایک اجتماعی اثر و رسوخ بنانے کا موقع فراہم ہوا۔ فقہ امامیہ معاشرہ کی ایک ضرورت بن گئی اور بہت سے مسائل فتنہ کی روشنی میں حل کیے جانے لگے۔ حسن صمیری نے این قرقو کی تکفیر کے سلسلہ میں جو کتاب لکھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس تکفیر کے اثرات کا دائرہ کس قدر وسیع تھا این قرقو ایک ایسا شخص تھا جو بحرین کے سرداروں میں تھا اور دین و مذہب کو اس نے مذاق بنا رکھا تھا۔ دین کے دستورات کے ساتھ کھلوڑ کرتا تھا۔ شرع مقدس کے فرایں کا مذاق اڑانے پر صمیری نے ایک رسالہ لکھا جس میں دین کا کھلوڑ کرنے والے کو دین سے خارج قرار دیا گیا تھا (مزید معلومات کے لئے رجوع کریں مدرسی، فتحی میلان ۱۹۳)

بحرین میں علماء نے فقہ امامیہ کو زندہ اور روزمرہ کے موضوعات سے جوڑ دیا تھا، جس کی وجہ سے علم فتنہ میں کافی گیرائی و گہرائی کے ساتھ علماء آگے بڑھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی میں جب صفوی سلسلہ حکومت کا آغاز ہوا تو بحرین میں فقہ کا میدان دوالگ الگ راستوں میں تقسیم ہو گیا محقق کرکی کے شاگردوں میں حسین بن علی اولی جیسی شخصیتیں حملہ کے اصولیوں کی روشن پر آگے بڑھیں، اسی کے مقابل ایک ایسا گروہ بھی وجود میں آیا جس کا میلان و رجحان حدیث کی طرف زیادہ تھا ان لوگوں کے افکار ایران کے اخباریوں سے زیادہ ملتے تھے ان لوگوں میں خاص طور پر ابراہیم بن سلیمان، کا نام لیا جاسکتا ہے فتنہ و کلام کے علاوہ علوم عقلی فلسفہ اور عرفان میں بھی شیعہ علماء کا بحرین میں عرصہ دراز تک چرچا پر رہا (دائرة المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱/۲۶)

لختصر بحرین علمی شخصیات و مراکز کے علاوہ ایسے مرکز بھی ہیں جو شیعوں کی بہت بڑی ثقافتی میراث ہیں جنہیں امام بارگاہوں کے طور پر جانا جاتا ہے اور مقامی زبان میں ماتم کہا جاتا ہے ان امام بارگاہوں ہی میں شیعوں کے بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں ماہ عز اور مذہبی مناسبوں کے تحت برپا ہونے والے مختلف پروگرام انہیں امام بارگاہوں میں ہوتے ہیں۔

سید حسن امین نے دائرة المعارف الاسلامیہ الشیعیہ میں دو تین دہائیوں قبل جن مشہور امام بارگاہوں کا مختصر طور پر تعارف پیش کیا تھا ان میں سے کچھ اہم یہ ہیں:

حسینیہ مدین، حسینیہ السما میک اور حسینیہ السنابس، یہ تین وہ امام بارگاہیں ہیں جو اپنے بڑے بڑے محلے گنبدوں کی بنیاد



پر جانی جاتی ہیں ان کے علاوہ حسینیہ الصفافیر، حسینیہ بن رجب، حسینیہ مدیفع، حسینیہ انعیم، حسینیہ الاحسانین، حسینیہ زین وغیرہ بھرین کی معروف امام بارگاہیں ہیں ۔

امام بارگاہوں کے علاوہ بھرین میں شیعوں کی ۲۶۰ سے زیادہ وہ مساجد ہیں جو وہاں کی وزارت اوقاف میں درج ہیں۔ (علم الحدی سید مرتضی کے شاگرد،

علم الحدی (دائرة المعارف تشیع جلد سوم، ص/ ۱۱۹)

بھرین کے بزرگ شیعہ علماء:

علم الحدی سید مرتضی کے شاگرد ابن شریف بحرانی، شیخ علی بن سلمان بحرانی، ابن میثم بحرانی صاحب شرح نسب البانع حنفی مازار بھرین میں معروف ہے، شیخ یوسف بحرانی، شیخ حسین آں عصفور، صاحب تفسیر برهان سید ہاشم بحرانی، شیخ بہائی کے والد ماجد شیخ حسین بن عبدالصمد بھرین کی معروف شیعہ ہستیاں ہیں جنکی خدمات اپنی مثال آپ ہیں (دائرة المعارف تشیع جلد سوم، ص/ ۱۱۹) بھرین کی بزرگ شیعہ ہستیاں میں سے کچھ اہم شخصیتوں کا اجمالی تعارف یہ ہے۔

● بحرانی احمد بن محمد بن یوسف بن صالح:

گیارہویں صدی میں بھرین کے بزرگ علماء میں شمار ہوتے ہیں مغربی بھرین کے شمال میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی چند سال اصفہان میں قیام کے دوران آپ نے محمد باقر مجتبی سے اجازہ لیا اور تحصیل علم کی غرض سے محمد باقر سبزواری کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اپنے بھائی کے ساتھ ۱۱۰۲ میں کاظمین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وہیں دار بقا کی طرف کوچ کر گئے، آپ اصول و فروع میں ممتاز جانے جاتے تھے عربی میں خاص سبک کے حامل تھے فتح میں آپ کی معروف کتاب ریاض الدلائل ہے، آپ کے فقہی آثار کے علاوہ منطق اور کلام میں بھی چند رسالے ہیں آپ غائب امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف میں بھی نماز جمعہ کو واجب مانتے تھے۔ (دائرة المعارف جهان اسلام، زینگرانی غلام علی حداد عادل حرف ب، ذیل بھرین)

● ہاشم بن سلیمان بن اسماعیل حسینی توبی (۱۱۰۵ء) سید مرتضی علم الحدی کے خاندان سے تعلق کی بنا پر علم و شرف میں آپ کو خاصی منزلت حاصل ہے سید مرتضی ہی کے ذریعہ آپ کا سلسلہ نسب امام کاظم علیہ السلام

تک پہنچتا ہے آپ نے ۱۹۵۰ء میں بحرین کے ایک حاکم روحانی خاندان میں آنکھیں کھولیں آپ کے اساتید و مشائخ کے بارے میں زیادہ معلومات فراہم نہیں ہو سکی ہیں، بظاہر ہاشم بحرانی نے زیادہ تر تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی اور اس سلسلہ میں نجف و مشہد کا بھی سفر کیا۔ مشہد میں شیخ بہائی کے شاگرد عبدالعزیز بن عباس استرآبادی، جیسی شخصیت کے سامنے زانوئے ادب تھے کیا، بحرین میں آپ ایک ممتاز شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے تالیف و تدریس کے علاوہ آپ نے دینی اور اجتماعی طور پر بھی قوم کی رہبری کی۔ آپ کے شاگردوں میں شیخ حرم علی، محمود بن عبد السلام، علی بن عبد اللہ بن راشد مقابی، سلیمان بن عبد اللہ سترادی، محمد عطار بغدادی، یہیک بن عبد علی اسدی، شیخ حسن بحرانی وغیرہ کا نام سر فہرست آتا ہے علمائے رجال کے درمیان آپ ایک بزرگ عالم دین کے طور پر جانے جاتے ہیں حتیٰ آپ کو معصومین علیہم السلام کے اقوال کے سلسلہ میں تحقیق و جتو کی بنیاد پر علامہ مجلسی کے ہم طرز بھی قرار دیا گیا ہے آپ کے پچھا ہم آثار یہ ہیں:

البرهان في تفسير القرآن، ترتیب التہذیب، حلية الابرار في احوال محمد وآل الاطهار، معالم الزلفي في
معارف النشأة الأولى والآخرى، غایي المرام و وجيه الاختمام في تعین الامام من طريق الخاص والعام، مدینۃ المعاجز، (

دارة المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ ص ۳۸۶)

- ابو علی جمال الدین ماجد بن ہاشم بن علی حسینی (۱۹۲۸ھ - ۱۹۱۹ھ) بحرین کے جد حفص نامی دیہات میں پیدا ہوئے۔ پہنچن میں ہی نایبنا ہو گئے لیکن اس کے باوجود حصول علم کے سلسلہ کوہ روا کا اور علوم دینیہ حاصل کرنے میں مشغول رہے نایبنا ہی کے باوجود اس قدر جدوجہد کی کہ بعض منابع میں آپ کو مختلف فقہی مذاہب میں مجتہد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، کچھ عرصہ تک بحرین کے امام جمعہ بھی رہے اور ساتھ ساتھ منصب قضاوت کو بھی سنبھالا اور پھر کچھ مدت بعد شیراز کوچ کر گئے اور وہاں جا کر جمعہ کے فرائض کے ساتھ قضاوت کی ذمہ داریوں کو بھی پورا کرتے رہے۔ قیام شیراز کے دوران آپ شیخ الاسلام کے طور پر جانے گئے آپ کے شاگردوں میں ملا محسن فیض کاشانی، زین الدین علی بن سلیمان بحرانی، احمد بن عبد السلام بحرانی، سید عبدالرضاء بحرانی، احمد بن جعفر بحرانی، جمال الدین فسالی، اور جعفر بن کمال الدین بحرانی کو ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ کے اہم آثار میں الرسالۃ الیوسفیۃ، رسالہ مقدمہ واجب المقامات، عام الخصوص، دیوان شعر وغیرہ ہیں۔

● ابواسن جمال الدین علی بن سلیمان ستر اوی تیر ہویں عیسوی صدی کے بزرگ علماء میں ہیں آپ بھرین کے معروف شہرستہ کے رہنے والے تھے آپ کے معروف استاد میں ابو حضرت مکال الدین بحرانی کا نام ذکر ہوتا ہے جن کے انتقال کے بعد آپ انکا علم و صفات اُبھی کے ۲۲ مسلکوں پر مشتمل رسالہ وضاحت اور شرح کے ساتھ سے خواجہ نصیر الدین طوسی کے پاس لے گئے اور خواجہ نصیر الدین طوسی نے آپ کے علمی مرتبہ کو سرا با آپ کے اہم آثار میں الاشارات، مقتاح الخیر، معراج الاسلام و منهاج الکرامہ وغیرہ ہیں (دائرة المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱ ص ۳۸۲)

بھرین میں شیعوں کی پرانی تاریخ اور انکے قدیم تمدن کی بنیاد پر مشرق وسطی میں بھرین کو شیعوں کا گڑھ جانا جاتا تھا اور یہاں کے شیعوں کا جذبہ دلا پرے خطے میں معروف تھا لیکن ۸۲ھ میں بھرین میں قطر سے آنے والے الخلیفہ خاندان نے جب حکومت پر قبضہ کیا تو بھرین کے مشرقی ساحل کے زیادہ تر شیعہ یا تو قتل کر دیئے گئے یا انہیں ملک بدر کر دیا گیا شیعوں کو اتنی بری طرح کچلا گیا کہ آج مشرقی ساحل پر شیعوں کا کوئی اثر نظر نہیں آتا ہے اور سڑا شہر کو چھوڑ کر پورا مشرقی ساحل آج بھی سنی نشین علاقہ ہے الخلیفہ خاندان کے حکومت میں آنے کے بعد ظلم و قسم کا شکار ہونے والے شیعہ مشرقی ساحل سے شمال اور مغرب کی طرف کوچ کر گئے اور اب یہ صورت حال ہے کہ بھرین کے سیاسی و اجتماعی نظام میں شیعہ سب سے نکلے درجہ پر ہیں سب سے اوپر حکومت کرنے والا الخلیفہ خاندان ہے اس کے بعد سنی قبائل پھر ایرانی شیعہ جو کہ زیادہ تر بھرین کی حکومت سے وابستہ ہیں اس کے بعد آخر میں بھرین کے مقامی شیعہ۔

Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke

The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

شیعوں کی ابتری میں سعودی عرب کا رول :

سعودی عرب ہمیشہ سے ہی لچائی ہوئی نظرلوں سے بھرین کو دیکھتا رہا ہے اور وقت فریقاً بھرین میں سر عام دخل اندازی بھی کرتا رہا ہے۔

جب بھی بھرین کے حالات ذرا بگرتے ہیں اور حکومت کو لوگتا ہے کہ اب حالات کثروں کے باہر جا رہے ہیں تو حکومت کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ سعودی عرب سے مدد کی گہار لگاتی ہے سعودی عرب بھی بغیر کسی تاخیر کے بھرین میں اپنے فوجی دستے رو انہ کر دیتا ہے سعودیوں کی بھرین میں مداخلت اتنی زیادہ ہے کہ ایک معروف

شیعہ رہنماس کے بارے میں کہتے ہیں: ”اگر سعودی عرب اخلیفہ خاندان کی پشت پناہی نہ کرتا تو یہ خاندان شیعوں کے سامنے کب کا گھٹنے لیک دیتا“۔

(The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

سعودی عرب کی بحرین میں مداخلت کوئی نہیں ہے بلکہ جب بھی بحرین نے شیعوں کو کچلانا چاہا ہے شعوی عرب نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا ہے امتحارہ سویں کی دہائی میں ہونے والے سعودی مظالم کو بحرین کے شیعہ بھی بھلانہیں سکتے ہیں جس میں شیعوں کو جانی نقصان کے ساتھ بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا اور اپنے خون پسینے کی کمائی سے بنائے گھروں کو مجبوراً دراندازوں کے حوالے کرنا پڑا تھا۔ امتحارہ سویں میں شیعوں کو جس طرح کچلا گیا تھا اس کی رواد آج بھی تاریخ کے دامن میں محفوظ ہے جس کو دیکھ کر اپنے تو کیا غیر بھی حیرت زدہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ معروف مستشرق کرامہ فولر عرب ممالک میں شیعہ اقیلت کی صورت حال کے عنوان پر اپنی تحقیقی کتاب میں یوں لکھتا ہے ”۱۸۲۰ء کی دہائی میں اخلیفہ حکومت نے سعودی عرب کے دو اسری {Dawasir} قبیلہ سے درخواست کی کہ بحرین کے مغرب میں اپنے فوجی دستوں کو روانہ کریں تاکہ وہاں بننے والے شیعوں کو باہر نکالا جاسکے، سعودی عرب کی پشت پناہی کی بنا پر شیعوں کو اپنے ہی وطن کے بڑے علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا سعودی عرب کی برہ راست مداخلت کی بنیاد پر ہی یہ مکن ہوا کہ اخلیفہ خاندان کی حکومت میں بھی شیعوں کے ۳۱۳ روڈیہاتوں میں سے آج ان کے پاس صرف ۵۰ روڈیہات ہی بچے ہیں۔

Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke)

francke

The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

اور صرف یہی نہیں دیگر علاقوں سے اہل سنت کو بحرین میں لا کر بسا گیا جنہوں نے دیکھتے دیکھتے تاجریں اور فورسز کے حاکم طبقہ پر مشتمل شہر شین آبادی کو اپنے رنگ میں رنگ لیا اور شیعوں کو دیہاتوں کی طرف کھدیریہ دیا گیا جہاں بھاری لگان اور ٹکس کی بنیاد پر وہاں کی رہتی سی ہی زمینیں بھی شیعوں کے ہاتھ سے نکلتی چلی گئیں اور اپنی زندگی گزارنے کے لئے شیعہ مجبور ہو گئے کہ سنی زمینداروں کی رعایت کی حیثیت سے نخلستانوں میں مزدوروں کی طرح کام کریں۔

Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke)



The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

”اس طرح اخیفہ خاندان نے بھرین میں شیعوں کی شافت کو تاریخ کر دیا اور بھرین کے نشیب و فراز اس بات کا سبب بنے کہ آہستہ آہستہ شیعہ کمزور ہوتے چلے گئے۔“ (Fuller,Graham,E, &

Rend rahim francke

The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

آج بھی بھرین سعودی عرب سے شدید وابستگی رکھتا ہے اور اپنی اس سیاست پر قائم ہے بھرین کی حکومت چاہتی ہے کہ سعودی عرب کے ساتھ مل کر شیعوں کی آبادی کے تناوب کو اپنے شیطانی عزم سے بدل کر اپنے حق میں کر لے۔

بھرین کے سیاسی نشیب و فراز پر ایک اجمالی نظر:

بھرین ماضی میں بھی جن نشیب و فراز کا شکار رہا ہے وہ آج کے دور میں ہر ایک کے لئے عبرت ہیں فی الحال بھرین کی موجودہ صورت حال سمجھنے کے لئے بھرین کے ماضی کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنا ضروری ہے جب ہم بھرین کی گزشتہ تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ملتا ہے کہ:

گزشتہ دور میں غیر فارس کے جنوبی علاقہ سے بصرہ کے حد فاصل تک کا علاقہ بھرین کہا جاتا تھا جو سعودی عرب کے احساء علاقے کو بھی شامل تھا، ساسانیوں کے دوران حکومت بھرین ایران کا ایک حصہ تھا پھر ۱۵۲۲ء سے پرتگالیوں کے ہاتھوں چلا گیا اور ۲۰۲۰ء میں ایران کی صفوی حکومت کے قبضہ میں آگیا۔ ۱۷۹۶ء میں اقوام متحدہ کی ناشی اور تنازع ریفرنڈم کے ذریعہ بھرین ایک خود مختار مستقل ملک میں تبدیل ہو گیا۔ ۱۸۹۹ء میں یہاں آ کر آباد ہونے والے بنتی قبیلہ سے تعلق رکھنے والے اخیفہ خاندان کی یہاں ۸۳ کے اسے حکمرانی ہے فی الحال بھرین پر شیخ محمد بن عیسیٰ آل خلیفہ کی بادشاہیت ہے محمد بن عیسیٰ آل خلیفہ ۱۹۹۹ء سے اب تک بادشاہ ہے، ۲۰۰۲ء میں حکومت بھرین کو امارت سے سلطنت میں نام تبدیل کر لیا گیا بھرین کے ماضی اور اس کے اخیفہ خاندان کے ہاتھوں آنے تک کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ قرامطیوں کے بعد عباسی خلفاء نے بھرین پر قبضہ کر لیا اور ان کے زوال کے بعد یہاں قطیف کے شیعوں نے حکومت کی ۱۵۲۱ء میں پرتگالیوں نے بھرین پر تاخت و تاز کے بعد یہ علاقہ شیعوں سے چھین

لیا اور تقریباً ۸۰ برس تک وہاں حکومت کی ۱۸۰۲ء میں شاہ عباس صفوی نے پرتگالیوں کو بحرین سے گھدیڑ باہر کیا، یوں بحرین ایرانی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا اگرچہ اس سے پہلے بھی کسی زمانے میں بحرین ایران کے قلمرو کے تحت ہی شمار ہوتا تھا۔

۱۸ اویں صدی میں عثمانی کے ایک قبیلہ نے یہاں اپنی بادشاہیت قائم کر لی اور بعد میں برطانوی حکومت کی مدد سے اس کو ایک آزاد مملکت میں تبدیل کر دیا۔

۱۸۶۹ء میں سلطنت عثمانی کے حاکم مدحت پاشا نے جزوی طور پر اسے عثمانی قلمرو کا حصہ بنادیا، بحرین کے عثمانی سلطنت کے جزوی مشغول کے تین سال بعد برطانیہ نے اخليفہ نامی خاندان کو یہاں کی حکومت سونپ دی اور {Charles begrave} نام کے اپنے ایک افسر کو اخليفہ حکمرانوں کا مشیر مقرر کر دیا جو حقیقت میں حاکم ہی تھا اور اس کے چشم وابرو کے اشاروں پر اخليفہ خاندان گھومتا تھا ایوں برطانیہ نے ۱۸۷۲ء سے لے کر ۱۹۳۲ء تک بالواسط طور پر حکومت کی ۱۸۷۴ء میں بحرین کو ایران سے الگ کر دیا گیا۔

۱۸۹۴ء میں ایران سے علیحدگی کے بعد بحرین مشروط سلطنتی نظام کے تحت اقوام متحده کی رکنیت میں آگیا تب سے لیکر آج تک وہاں اخليفہ خاندان کی حکومت ہے جو مالکی مذہب کے پیرو ہیں (غلام علی حداد عادل، داشتمامہ جہان اسلام حرف ب، ص ۱۳۱)

بحرین کی سیاست میں امریکہ و برطانیہ کا رول:

بحرین اور امریکہ کے گھرے و دیرینہ تعلقات ہیں ان روابط میں استحکام بحرین میں ۱۹۹۲ء میں تیل کی صنعت کے نکھار کے بعد پیدا ہوا ۱۹۹۸ء میں خلیج فارس میں امریکی بیڑوں کی اعلیٰ کمان کو بحرین میں امریکہ کے پانچیں بیڑے کے سپرد کر دیا گیا ۲۰۰۱ء کو متمامہ اور واشگٹن کے درمیان دوستانہ تعلقات کا نقطہ اوج کہا جا سکتا ہے، اسی سال امریکہ کے صدر نے بحرین کو اپنے اسٹرائلیجیک مجاز کا ایک ساتھی قرار دیا۔

بحرین سے امریکہ کے بے شمار مفادات وابستہ ہیں۔ امریکہ کا پانچواں بحری بیڑہ بحرین میں تو ہے ہی بحرین امریکہ کے لئے ایک بہترین بازار بھی ہے جسے وہ من چاہے انداز میں استعمال کرتا ہے، بہت سی امریکی کمپنیاں بحرین کے مختلف شعبوں میں مشغول ہیں جن سے خوب خوب اقتصادی فائدہ امریکہ کو پہنچ رہا ہے۔

جس طرح بھرین کے امریکہ سے دوستانہ تعلقات ہیں اسی طرح برطانیہ کے ساتھ بھی بھرین کے اچھے تعلقات ہیں۔ بھرین کے سرکاری دفاتر میں اب بھی برطانیہ کے بہت سے افران نظر آئیں گے جو شیر کے طور پر اب بھی حکومتی مشینری میں برطانیہ کے مفادات کو پورا کر رہے ہیں۔ قبل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ بھرین ظاہری طور پر مملکت برطانیہ کا غلام نہیں ہے لیکن اب بھی نہ کھنے والی غلامی کی زنجیروں کو بھرین میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔

اس کی ایک چھوٹی سی مثال بھرین کی قومی سیکورٹی کو نسل کا سربراہ ایان ہندرسن ہے جو ۱۹۹۶ء سے عرصہ دراز تک بھرین کی سیکورٹی کا انچارج رہا وہ ایک شاطر دماغ اور ایسا سیکورٹی اہلکار تھا جسکا مظاہروں کو کچلنے اور خالقوں کو تتر بتھرنے میں خاصا تجوہ تھا۔ یا ایک ایسا شخص تھا جس سے سی شیعہ دونوں ہی شدید طور پر اپنی برہمی کا اظہار کرتے رہے تھے ہندرسن کو شدت پسندانہ کارروائیوں کی بنا پر بھرین کا دوسرا صدام بھی کامبا جاتا تھا اگرچہ بھرین کے عوام کی شدید مخالفت کی بنا پر حکومت نے ظاہری طور پر ہندرسن کو سیکورٹی کے سربراہ کے عہدہ سے ہٹا کر اس کی جگہ ایک شہزادہ کوکمان سونپ دی لیکن کامبا جاتا ہے کہ یا ایک کاغذی کارروائی تھی جو عوام کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کی گئی تھی یا اس لئے کہ جس طرح شیعوں کو کچلنے کی سیاست ہندرسن کے دور میں بھی جاری تھی اب بھی اسی شدت کے ساتھ اس سیاست پر عمل ہو رہا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ تقریباً ۲۰۰۰ سے زیادہ شیعہ اس وقت بھی بھرین کی حکومت کی جانب سے بنائے گئے اذیت خانوں میں قید ہیں۔

Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke

The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

بھرین کی داخلی اور خارجی سیاست آج بھی برطانیہ و امریکہ کے چشم وابرو کے اشاروں پر گھومتی نظر آتی ہے جس کی ایک مثال امریکہ کے وزیر دفاع کی جانب سے بھرین کے دورہ کے بعد سعودی عرب کو بھرین پر شکر کشی کے لئے ہری جنڈی دکھانا ہے جس کے فوراً بعد ہی سعودی عرب کے فوجی بکتر بندگاڑیوں، دبایوں اور بھاری آلات جنگی کے ساتھ دندناتے ہوئے بھرین میں گھس گئے اور نہتے و بے گناہ مظاہرین پر سیدھی فائر گ کرنا شروع کر دی، جس کے بوجود دسیوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، مسجدوں اور امام بارگاہوں کو دیران کر دیا گیا اور قبرستانوں کو مسمار کر کے قبروں کے نشان تک منادے گئے۔

امریکہ و برطانیہ کے ایسا پر بھرین حکومت نے مظاہرین کے ساتھ جو سلوک اختیار کیا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ بھرین کے سیاسی نظام کا مثلث امریکہ، برطانیہ، اور سعودی عرب جیسے ممالک پر قائم ہے جن کے مفادات کے ساتھ ساتھ بھرین کی داخلی اور خارجہ سیاسی پالیسی گردش کرتی رہتی ہے۔

بھرین میں شیعوں کی موجودہ صورت حال اور ان کے مطالبات:

دنیا کے ہر ملک میں اقلیتوں کے حقوق کو ہمیشہ ایک قانونی حیثیت حاصل رہی ہے اور جہاں بھی ان حقوق پر ڈالا جاتا ہے وہاں بین الاقوامی تنظیمیں مصروف عمل ہو جاتی ہیں اور بات اقوام تحدہ تک جا پہنچی ہے۔ عالمی برادری میں اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لئے ہر حکومت اقلیتوں کو رجھانے کی کوشش کرتی ہے لیکن بھرین میں تاریخ کا یہ عجیب المیہ ہے کہ وہاں کی اکثریت کو اس کے بیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے اور جب وہ اپنے حقوق کی آواز اٹھاتے ہیں تو انہیں باغی قرار دیا جاتا ہے بھرین کی حکومت شیعوں کے مطالبات سے ہمیشہ کنارہ کش رہی اور کبھی بھی ان کے اعتراض کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوئی اور نہ ہی حکومت میں ان کے لئے کوئی جگہ رکھی گئی ہے۔

بھرین میں اکثریت کے باوجود یہ حالت ہے کہ شیعوں کی حکومتی مشینی میں کوئی بھی نمائیدگی نہیں ہے

برائے نام وزارت کارکارا صرف ایک قلم دان شیعہ کے پاس ہے۔

بھرین کی حکومت کی جانب سے اکثریت کے حقوق کو نظر انداز کر دینے کے باوجود ڈیموکریسی اور حقوق بشر کا دم بھرنے والے سامراجی جرگے کے بھرینی حکومت سے گہرے دوستانہ تعلقات ہیں جو خود بخونا نکلے کوکھلے دعووں کی قلعی کھول رہے ہیں یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حقوق بشر اور ڈیموکریسی امریکہ اور اس کے حليفوں کو صرف وہاں ناپسند ہے جہاں اس کے مفادات خطرے میں ہوں لیکن جہاں ان کے مفادات جڑے ہوں وہاں انہیں کوئی آمریت یا حقوق بشر کی پامالی نظر نہیں آتی ذیل میں ہم گراہم فولر کی کتاب The arab shia; the forgotten muslims کا ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں جس سے بھرین کے شیعوں کے مطالبات اور ان کے حقوق کی حکومت کی بھرین کی جانب سے پامالی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے گراہم فولر لکھتا ہے:

- شیعوں کا مانا ہے کہ اتنے ساتھ صنعت و حرفت اور دیگر میدانوں میں بھی بھاؤ سے کام لیا جاتا ہے۔
- انکا مطالبہ ہے کہ ۲۰۰۰ سے اوپر سیاسی قیدیوں کو آزاد کیا جائے۔

● انکام طالبہ ہے شیعوں کو اذ بیتیں دینے اور ہر اس اکام کرنے کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

”شیعوں کو اکثر غیر ملکی پلیس کے سامنے جواب دینا پڑتا ہے جو شدت پسندانہ طریقہ کارپناہی ہے یہ لوگ اکثر تو عربی میں بھی بات نہیں کرتے اور تو ہین آمیز بر تاؤ کرتے ہیں جن سے ہمیشہ ہی شیعوں کی چھٹ پٹ جھڑپیں ہوتی ہیں، یہ لوگ شیعوں کے گھروں میں دندناتے ہوئے گھس جاتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں مارتے پسٹتے ہیں۔“

Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke)

(The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

● شیعوں کا مطالبہ ہے کہ ان کے مقدمات کی ساعت کے لئے خصوصی فوجی عدالتوں کو ختم کیا جائے اس لئے کہ ان میں ملزم کو اپنے دفاع کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ جاسوئی اداروں کی جانب سے فراہم ہونے والی اطلاعات کے بوجب فرد جرم عائد کر کے فیصلہ سنایا جاتا ہے حتیٰ کسی گواہ کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی غالباً غیر بحرینی بجou کو فیصلہ سنانے کے لئے بلا یا جاتا ہے جو رسمی تائید کے لئے جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے فیصلہ کے انتظار میں پیٹھے ہوئے ملزم سے جرم کا اعتراف کر کر فیصلہ سنادیتے ہیں، اگرچہ کسے کامنے کوئی بے چارہ اپنی زبان کھول دیتا ہے اور ثارچ کی بنیاد پر کیے گئے اعتراف کو بھٹلایتا ہے تو اسے دوبارہ کال کوٹھری میں بھج دیا جاتا ہے اور اتنا ثارچ ہوتا ہے کہ وہ نہ کیے ہوئے جرم کو بقول کر لے پھر اسی اعتراف جرم کی بنیاد پر اسے سزا نادی جاتی ہے اس عدالتی کا روائی کی خاص چیز یہ ہے کہ اس کی طرف سے سنائے جانے والے فیصلوں میں نظر ثانی کی اپیل کی کوئی گنجائش نہیں

Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke ہے -

The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

● بحرین کے شیعوں کی حکومت سے ناراضگی کی ایک بڑی وجہ سرکاری یونیورسٹیوں میں شیعوں کے ساتھ بھید بھاؤ ہے۔ شیعوں کے ساتھ تعیض اتنی زیادہ ہے کہ بعض لیبرل سٹی بھی اس بات کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ بہت سے ایسے شیعہ طالب علم جو اپنے کلاس کے دس بہترین و ممتاز طالب علموں میں شمار ہوتے

ہیں یونیورسٹی کا منہ تک نہیں دیکھ پاتے جب کہ اہل سنت کمترین درجہ کے باوجو یونیورسٹی میں پہنچ جاتے ہیں بقول گراہم فولر ”حکومت کی پالیسیاں شیعہ اور سنی معاشروں میں نفرت کا زہر گول رہی ہیں اور آج یہ نفرت نیز ایک دوسرے سے بے زاری متوسطہ تعلیمی سطح پر محسوس کی جاسکتی ہے“ (Fuller,Graham,E, & Rend

rahim francke

The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

● شیعوں کا مانا ہے کہ ۱۹۹۰ء میں شیعوں کو اپنے مذہبی رسم کی ادائیگی میں ایک نسبی آزادی حاصل تھی لیکن حکومت نے جب سے شدت پسندانہ روایہ اختیار کیا ہے تب سے مذہبی مدارس، امام بارگا ہوں، کویغا رکاسا مانا ہے یا ان مقامات پر حکومت کی جانب سے چڑھائی ہو جاتی ہے یا ان پر تالاگا چڑھادیا جاتا ہے اور شیعوں کے مذہبی رسم پر حکومت کی کڑی نظر رہتی ہے ۱۹۹۲ء میں شیعوں نے برادران اہل سنت کے ساتھ مل کر بنیادی دستور العمل کے نفاذ و احیا کا مطالبہ کیا

Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke

(The arab shia;the forgeotten muslims ;chapter #6

تو اس کے جواب میں اخليفہ نے کسی بھی طرح کے مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا لیکن شیعوں کو اور بری طرح کچلنے کی سیاست اپنالی جسکے نتیجہ میں شیعوں نے بھی سڑکوں پر مظاہرے شروع کر دیئے جو سالہا سال جاری رہے اور ان میں مزید شدت آتی رہی لیکن حکومت کے کافروں پر جوں تک نہ رینگی۔

بھرین کے شیعہ مظلوم عوام کے حقوق کی پامالی پر عالمی برادری کا عمل:

بھرین کے شیعہ مظلوم عوام پر ہونے والے مظالم کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہیں لیکن یہ مغرب کی دوغلی پالیسی ہے کہ ایک طرف تو لیبیا کے مطلق العنوان حاکم کی جانب سے لیبیائی عوام پر ہونے والے مظالم کے بہانے نیٹو کی فوجیں طیاروں، لڑاؤں اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ بقول ان کے عوام کے حقوق کا تحفظ کر رہی ہیں لیکن بھرین میں انہیں نہ تو وہاں کے عوام کے حقوق کی پامالی نظر آتی ہے اور نہ اخليفہ خاندان کی مطلق العنوانیت جبکہ بھرین کے شیعوں کے حقوق کی پامالی کا اعتراف خود بارہا مغرب نے کیا ہے حتیٰ بھرین میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے پیش نظر قرارداد بھی پاس کی ہے ذیل کے چند نمونے ملاحظہ ہوں



- ب्रطانیہ کے وزیر خارجہ نے اس بات کا اعتراف کیا کہ بھرین کی حکومت کی مخالف تحریک بھرین ایک میانہ روپارٹی ہے جسکے مطالبات معتدل ہیں۔
- ۲۲ رجبولائی ۱۹۹۶ء میں انسانی حقوق کے تحفظ کے ادارہ نے بھرین میں حقوق بشر کنونشن کی مخالفت کے سلسلہ میں اپنی ۱۰۹ اصلاحیت پر مشتمل رپورٹ پیش کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا کہ بھرین میں وسیع پیمانے پر مدنی اور سیاسی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے اور بھرین کی عین صورت حال میں انسانی حقوق کے قوانین کی رعایت نہ کرنے کا بہت بڑا غلط ہے۔

(Humanrights watch ,op ..,cit,pp1,43)

بھرین میں حقوق بشر کنونشن کی مخالفت کے سلسلہ میں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the)
(muslims;chapterforgeotten
Routineabuse,Routine denial; civil Rights and political -
crisis in Bahrain

{Washington,D:c:Human Rights watch /Middle Est,1997}

- اقوام متحدہ کے ادارہ حقوق بشر کی ذیلی کمیٹی کی جانب سے ۱۹۹۶ء میں تصویب شدہ تاریخی قرارداد میں واضح الفاظ میں حکومت بھرین میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں حکومت کی مذمت کی گئی۔
- یورپ کی پارلیمنٹ نے ایک اور تاریخی قرارداد میں بھرین کی حکومت سے مطالبه کیا کہ بھرین میں سیاسی بنیادوں پر قید ہونے والے افراد کو ہاکیا جائے اور یہاں کے محکمہ عدالت میں شنوائی کے طریقہ کو بین الاقوامی معیاروں سے ہم آہنگ کیا جائے۔ اس قرارداد میں یورپ کی پارلیمنٹ نے یورپین ممالک سے مطالبه کیا کہ بھرین کو اسلامی کاتھاولیک نہ دیا جائے۔

(Al-jamri,op'cit.)

بھرین میں شیعوں کے حقوق کی پامالی کے خلاف مذکورہ بالا قراردادوں کے بعداب سوچنے کا مقام ہے

کہ ان قراردادوں کے نفاذ کی صفائت کیا ہے؟ کیا پوری دنیا کو جگ کا اکھاڑا سمجھنے والے امریکہ اور اس کے حليفوں میں اتفاقاً ختم بھی نہیں کر خودا پنی ہی قراردادوں کی دھیان اڑانے والے مطلق العنوان حاکم کو سابق سکھائیں؟ یا پھر پس پرده سب کچھ انہیں کے اشاروں پر ہورہا ہے لیکن یا اس لئے خاموش ہیں کہ ان کے مفادات انہیں سکوت پر مجبور کر رہے ہیں اور یا اس لئے چپ ہیں کہ اگر موجودہ اسلامی بیداری کو نہ دبایا گیا تو کہیں بیداری کا موافق سمندران کے تحت حکومت کو نہ بہالے جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلامی بیداری کی لہریں اسرائیل کی غاصب حکومت تک پہنچ جائیں شاید یہی وجہ ہے کہ سب کچھ دیکھ کر بھی یہ بے خبر بنے میٹھے ہیں بلکہ اپنے سامراجی حیلوں ہتھکنڈوں کے ساتھ وہابیت کو آلہ کار بنا کر اسلامی بیداری کی اٹھتی ہوئی لہروں کو طاقت کے بل پردازی کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس سے بے خبر کہ بزرعِ خود بحرین کے شیعہ مظلوم عوام کو کچلنے کے لئے ان کی کارروائیاں جتنی بھی شدت پسندانہ کیوں نہ ہوں لیکن یا انکی آواز کو ہرگز نہیں دبا سکتے کیوں کے بحرین کے ہر مظلوم شیعہ کے دل میں کربلا بی ہوئی ہے جو ہر وقت ہر حال میں باطل کو لکارنے کا حوصلہ دیتی رہے گی، باطل کی ہر تدبیر ناکام ہوگی اس کی تمام چالیں بر باد ہوں گی اس لئے کہ جہاں نظروں میں کربلا ہوتی ہے وہاں باطل اپنی طاقت پر ازاٹا تو ضرور نظر آتا ہے لیکن فتح کربلا ہی کی ہوتی ہے:

فَرَحْقٌ سُوزٍ يَهَاكَاشٌتٌ نَّبِيْنِ كَرْسَيْتِ

كَرْبَلَا تَاجَ كَوْبِرَادَاشٌتٌ نَّبِيْنِ كَرْسَيْتِ

آج نہیں تو کل آں خلیفہ کے تاج کی دھیان اڑانے والی ہیں اس لئے کہ کربلا کے نور سے متصل چاغ حقیقت میں چاغ، الہی ہے اور اسے پھونکوں سے نہیں بچایا جا سکتا ہے:
پھونکوں سے یہ چاغ بچایا نہ جائے گا۔

﴿بِرِيدُونَ أَنْ يُطْفَئُونَ نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتَمَّ نُورَهُ وَلَوْ

كَرَهُ الْكَافِرُونَ﴾

”یوگ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجہاد یہ حالانکہ خدا اس



کے علاوہ کچھ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ وہ اپنے نور کو تمام کر دے چاہے کافروں کو
کتنا ہی برا کیوں نہ لگے،” (توبہ ۳۲)

منابع و مأخذ:

قرآن کریم

۱۔ ابن بطوطہ، سفرنامہ ابن بطوطہ، ترجمہ محمد علی موحد، تهران ۱۳۶۱

۲۔ ابن اثیر اکامل فی التاریخ، بیروت ۱۹۸۵

۳۔ ابن حوقل؛ صورۃ الارض؛ بیروت لبنان؛ منشورات دارکتبہ الحیاة، ۱۹۷۹، لیدن

۴۔ ابن حزم، علی، محضرۃ انساب العرب

۵۔ ابن ہشام، سیرہ ابن ہشام

۶۔ ابوعلی مسکویہ، تجارب الامم

۷۔ بلاذری، احمد بن حیکی، فتوح البلدان، تهران نشر نقره

۸۔ محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری

۹۔ یاقوت حموی، مجمع البلدان

۱۰۔ دکتر حسین قرقاچلو، جغرافیای تاریخی کشورهای اسلامی

۱۱۔ غلام رضا گلی زوارہ، جغرافیای جهان اسلام، آشنائی با کشورهای اسلامی و قلمرو قبیلتخاہی مسلمان

۱۲۔ داشنا مہ جہان اسلام حرف رب، زیر گرانی غلام علی حداد عادل

۱۳۔ دائرة المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱، زیر گرانی کاظم موسوی بجنوردی

۱۴۔ دکتر شامي، حکیم، موسوعۃ المدن العربیہ والاسلامیہ، بیروت، دارالمفکر العربي

۱۵۔ دائرة المعارف تشیع، زیر نظر احمد صدر حاج سید جوادی

۱۶۔ محمد سعید بہن پور، اسماعیلیہ از گزشتہ تاحال

۱۷۔ مهدی فرمائیان، درسنامہ تاریخ و عقائد اسماعیلیہ



۱۸- مینا تکلیف یان، قرمطیان، بحرین و فاطمیان

۱۹- بحرین مباحث کشورها و سازمانهای بین‌المللی

Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the
forgeotten muslims.20

6-;chapt



ایک کتاب: خلاصہ دیپرہ



فلسطین خونبار تعارف اور جائزہ

سید ابو جواد زیدی

نام کتاب: فلسطین خونبار

تایف: سید حسین مہدی حسینی

مقدمہ: حسن عباس فطرت

صفحات: ۲۶۳

سال اشاعت: ستمبر ۲۰۱۰ء

قیمت: ۲۵ روپے

ناشر: مرکز تحقیقات الحیات ممبئی، ہندوستان

خلاصہ:

پیش نظر کتاب فلسطین کی مختصر تاریخ، اسکے موجودہ حالات فلسطین کے اہم تاریخی اور مذہبی مقامات، فلسطین کے رقبہ، تشکیل اسرائیل کے بعد کے حالات، اسرائیلی پیشواؤں اور سیاسی جماعتوں کے مختصر تعارف پر مشتمل ہے۔

کتاب کے ایک حصہ میں تاریخ فلسطین پر ایک اچھتی ہوئی نگاہ ڈالنے کے ساتھ یہ کوشش کی گئی ہے کہ

تکمیل اسرائیل کے پیچھے چھپی ہوئی استعماری سازشوں سے پردا اٹھا کر یہ واضح کیا جائے کہ پہلی عالمی جنگ کے بعد جب آپس میں دست و گریاں رہنے والے یورپی ممالک نے ایشیا اور افریقی ممالک کی کمپرسی کی حالت دیکھی تو ان ممالک کا بندرا بانٹ شروع کر دیا اور ان ممالک پر حکومت کے خواب نے انہیں آپس میں تحد کر دیا، چنانچہ اس کتاب میں پہلی عالمی جنگ کے بعد جمنی کو ملنے والی شکست کی بنیاد پر عثمانی سلطنت کے زوال کے بعد اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ تقسیم فلسطین کا اصل مجرم برطانیہ ہے، فلسطین کے اجمانی تعارف سے موضوع پر گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فاضل مصنف نے اسرائیل کے انجام پر اسکا اختتام کیا ہے تبصرہ کتاب کے اس پہلے حصہ میں ہم ”فلسطین خوبیار“ کا ایک اجمانی تعارف پیش کر رہے ہیں تقدیم و تبصرہ انشاء اللہ الگلے شمارہ میں پیش کیا جائے گا۔

کلیدی الفاظ:

فلسطین، بیت المقدس، کنعان، یہیل سلیمانی، برطانیہ، سلطنت عثمانی، غزہ

تمہید:

فلسطین اپنی خاص جغرافیائی جائے وقوع، حاصل خیز میں، اور یہودیوں و مسلمانوں کی مذہبی یادگاروں کی بنیاد پر تاریخ میں ہمیشہ نسب و فراز کا حامل رہا ہے جناب ابراہیم کی عراق سے سر زمین فلسطین پر ہجرت اور اس کے بعد جناب سلیمان کی یہاں پر عظیم تاریخی حکومت سے لے کر بخت النصر کی حکومت کے زوال کے پس منظر میں جا بجا اس علاقہ میں مختلف قبائل کے درمیان آپسی رک्षشی کو دیکھا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے آج بھی اس لئے فلسطین ایک مقدس جگہ کی صورت تعبدل بنا ہوا ہے کہ اس علاقہ سے مسلمانوں کا ایک اٹوٹ مذہبی رشتہ ہے اور صبح قیامت تک یہ رشتہ باقی رہنے والا ہے مسلمانوں کی دوسو سے زائد یادگاریں اسی علاقہ میں ہیں۔ جہاں یہ مقام مسلمانوں کے لئے خاص اہمیت کا حامل ہے وہیں یہودیوں کی مذہبی یادگاروں کی بنا پر ہمیشہ سے یہ علاقہ دونوں مذاہب کی آپسی کشمکش کا سبب رہا ہے۔ فلسطین کی خوبیار تاریخ اس وقت اور بھی یہاں ہو گئی جب برطانیہ نے مسلمانوں کے قلب میں اسرائیل کی صورت میں اپنا ختم کر گاڑ دیا۔

پیش نظر کتاب میں فلسطین کے اجمانی تعارف کے ساتھ اس کی مختصر تاریخ اور وہاں کے حالات اور استعماری ریشه دو اینیوں کو حسب ذیل عنوانوں کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

الف۔ مقدمہ کتاب :

کتاب کا مقدمہ ما یہ ناز قلم کار جناب حسن عباس فطرت نے تحریر فرمایا ہے اور کوشش کی ہے کہ فلسطین،



انہدام جنت الیقح اور زوال سلطنت عثمانی کو اس زاویہ نظر سے پیش کیا جائے کہ ان تمام حوادث کے ذمہ دار خود مسلمان ہیں۔

فطرت صاحب نے اپنے مخصوص صحتی انداز میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے تسلیم فلسطین کو برطانیہ کے بندراں سے تعمیر کیا ہے اور کتاب کے مختلف مدارجات کو پیش کرتے ہوئے برطانیہ ہی کو ملیہ فلسطین کا ذمہ دار قرار دیا ہے ساتھ ہی آزادی فلسطین کے نام نہاد قائد یا سر عرفات کی کارگزاریوں پر ایک اچھتی نظر ڈالتے ہوئے اپنی گفتگو ان لفاظ میں تمام کی ہے کہ ”اگر ۱۹۷۴ء سے ۲۰۰۰ء تک فلسطینیوں پر اسرائیل بعض عرب ممالک کے ظالم کی داستان رقم کی جائے تو ایک اور خیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے، مقدمہ نگار نے اس کتاب میں اس کی طرف بھی توجہ دی ہے بہرحال اس کتاب کو مصنف کا کارنامہ ضرور کہا جائے گا۔ اردو میں اتنے استناد و احتیاط کے ساتھ مرتب تحریک موضع پر کم ہی ہوگی، میری حقیر نظر میں ایسا ہی ہے امید ہے کہ مصنف کی بہت افزائی اور کتاب کی پذیرائی ہوئی تو آئندہ ایسی ہی بلکہ اس سے بہتر تصنیف سامنے آئے گی، میں اپنی طرف سے مصنف کو مبارک باد دیتا ہوں اور ان کی توفیقات و صحت وسلامتی کا دعا گو ہوں“

ب:- تالیف کتاب کا مقصد:

فلسطین کے اجمانی تعارف کو پیش کرنے سے پہلے مصنف کتاب نے ”گفتگیا“ کے عنوان کے تحت کتاب کے مقصد تالیف کو یوں بیان کیا ہے۔

”... فلسطین کی تاریخ بڑی ابھی ہوئی ہے، عثمانی حکومت، عالمی جنگ، صلیبی شکست، مغربی طاقتیں، امریکی سازشیں، اقوام متحده کی تشکیل، گویا ہر جگہ فلسطین کی جڑیں پکنچتی ہیں۔ اگر عامون جوان تاریخ فلسطین سے آشنا ہونا چاہیے تو کوئی مکمل اور مختصر کتاب مہیا نہیں ہے جسے پڑھ کر اسے فلسطین سے متعلق صحیح سمت کا پتہ چل سکے۔ فارسی و عربی میں بہت کتابیں ہیں لیکن ان میں اس قدر وسعت ہے جو ایک مبتدی کے لئے مفید نہیں ہے“

اردو میں ابھی تک ہندو پاک میں تلاش کے باوجود ایسی کتاب نہیں ملی جو نوجوان طبقہ کی ضرورت پوری کر سکے، ہو سکتا ہے لکھی گئی ہوں لیکن اب بازاروں میں نہ پائی جا رہی ہوں، میں نے اسی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے کتاب میں ایسے مطالب جمع کیئے ہیں جو عام فہم اور مختصر ہیں، ہر طرح کے الجھاؤ و پیچیدگی سے محفوظ بھی ہیں امید ہے نسل نظم و استبداد کے سوداگروں کے حالات سے قدرے واقف ہو جائے گی معبدوں سے میری دعاء ہے کہ اس عمل کو حمایت مظلوم کے زمرہ میں قرار دیتے ہوئے روز جزا شہزاد مظلومین کی روایت میں محشور فرمائے...“

ج۔ فلسطین کا اجمانی تعارف:

فلسطین کا اجمانی تعارف در حقیقت موضوع فلسطین پر سخیگی سے غور کرنے کی تمہید قرار پایا ہے اس عنوان کے تحت مصنف نے کوشش کی ہے کہ فلسطین کے تبدیلی نام، مسجد اقصیٰ، جامع مسجد اور دیگر مذہبی مقامات پر روشنی ڈالی جائے چنانچہ مذکورہ عنوانوں کے تحت اجمانی گفتگو کی ہے اور فلسطین کے مختلف شہروں کا تعارف ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

”فلسطین کا قدیم نام کنعان ہے، جغرافیائی اعتبار سے اسکو عرب ملکوں کے درمیان وہی حیثیت حاصل ہے جو جسم کے لئے قاب کی ہوا کرتی ہے“

ڈھانی ہزار سال قبل مسیح یعنی آج سے ساڑھے چار ہزار سال پہلے جزیرہ عرب کے چند قبیلے موجودہ فلسطین میں جا کر آباد ہوئے، انھیں کو نکاعنی کہتے ہیں، اسی قبیلہ کے کچھ لوگ متلوں بعد کوہ لبنان کے ساحل میں جا کر آباد ہو گئے جنہیں فیقیہ کہا جانے لگا۔

کنعانیوں نے کھیتی باری اور فیقیوں نے ملائی کو اپنا ذریعہ معاش بنا یا اپنی حفاظت کیلئے شہر کے باہر چھار دیواری بنائی اور اپنی مذہبی تسلیکین کیلئے جو دین اختیار کیا وہ تقریباً عبرانیوں کی بت پرستی سے ملتا تھا۔

ان کے بڑے بت کا نام بعل تھا، قرآن حکیم نے اس بت کا تذکرہ فرمایا ہے:

أَتَدْعُونَ بِعَلَّٰٰ وَ تَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ

تَمَّ لَوْگُ بَعْلُ كُوپَارَتَهُ هُوَا وَرَاحِنُ الْخَالِقِينَ خَدا كو چھوڑ چکے ہو۔

کنunanیوں کے مختلف قبیلے تھے اس میں سے ایک مشہور قبیلہ، یہوس تھا جو شہر قدس کے ارد گرد آباد ہوا اسی مناسبت سے آج بھی بیت المقدس کا ایک نام یہوس ہے۔

قبیلہ یہوس کی قیادت و سروری میں جو شہر اس وقت آباد ہوئے اس کے نام ”اریحا“، ”بیسان“، ”شکیم“، ”نابلس“، ”مجد“ اور ”جازر“ بیس شہر ”اریحا“ کیلئے زمین شناسوں کا خیال ہے کہ یہ تقریباً سات ہزار سال قبل تعمیر کیا گیا ہے اور دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے۔

فلسطین کیسے ہوا؟

ارض کنعان کا نام بدل کر فلسطین کیسے ہوا اس سلسلہ میں موڑھیں کا نظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی آمد سے بارہ سو سال قبل پلست نامی ایک شخص مصر سے فرار کر کے ساحل جنوب میں آباد ہو گیا پھر اس کے نام کی مناسبت سے



اصل نام بدل کر فلسطین ہو گیا، اس شخص کے بعد فلسطین نام کی قوم کا ثبوت ”فراعنہ مصر“، اسکندر مقدومی کے زمانے کے پائے جانے والے آثار سے ملتا ہے۔

مسجد اقصیٰ کب بنی؟

روئے زمین پر مسجد الحرام سب سے پہلی مسجد ہے اور دوسری مسجد مسجد اقصیٰ ہے اور دونوں کی تعمیر میں چالیس سال کا فرق ہے۔

اس کا ثبوت حضرت ختنی مرتبتؐ کے اس ارشاد سے ملتا ہے:

حضرت ابوذرؓ: یا رسول اللہ روئے زمین پر سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئی؟

سرکار مدینہؓ نے فرمایا: مسجد الحرام۔

حضرت ابوذرؓ: اس کے بعد؟

سرکار مدینہؓ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔

حضرت ابوذرؓ: دونوں میں کتنا وقفہ ہے؟

سرکار مدینہؓ: چالیس سال

جس طرح خانہ خدا کا وجود زمانہ حضرت آدم علیہ السلام میں تھا لیکن خلیل الرحمن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تجدید تعمیر کی تھی اسی طرح مسجد اقصیٰ کا وجود بھی زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے ثابت ہے بلکہ آپ ہی نے اس کی بنیاد رکھی، امتداد زمانہ سے جب اسکی عمارت منہدم ہو گئی تو حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام نے اس کی تجدید تعمیر کی۔

اس تاریخی حقیقت کے بعد فلسطین پر یہودیوں کے قبضہ کی بات کرنا سامراج کی سراسر بہث دھری ہے اور افسانہ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

یہود و نصاریٰ ان عبادات گاہوں کا دعویٰ اس وقت کر سکتے تھے جب ان کے آئین میں نماز کا تصور ہوتا۔ ان کا موجودہ نظام دین خود بخود اس کا اعلان کر رہا ہے کہ موسیٰ و عیسیٰ کی شریعت اور داؤد و سلیمان کے پیر و اصول نبوت سے مخترف ہو چکے ہیں۔

تیسرا مسجد جس کی بنیاد حضرت آدم نے رکھی وہ مسجد کوفہ ہے۔

منفصل کہتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ کوفہ پہنچا جب ہم لوگ ”کناسہ“ پر

پہنچ تو آپ نے فرمایا: اسی جگہ میرے پیچا زید کو سولی دی جائے گی پھر چند قدم چلنے کے بعد فرمایا: پیشل ہو جاؤ کیونکہ ہم مسجد کو فد کے حدود میں داخل ہو گئے جس کے حدود حضرت آدمؐ نے معین کئے ہیں۔

بیت المقدس کی تعمیر جدید

محمد شین کہتے ہیں کہ ایک بار سرز میں بیت المقدس میں طاعون کی وبا آئی جس میں کثرت سے لوگ جان بحق ہوئے، حضرت داؤ دکا زمانہ تھا انہوں نے لوگوں سے کہا: پاک و پاکیزہ ہو کر بیت المقدس کی پہاڑی پر چلو اور رو رو کر خدا نے سے رحم کی التبا کرو۔ قوم داؤ دعلیہ السلام نے ویسا ہی کیا سجدے میں اسوقت تک روتی رہی جب تک خدا نے طاعون کی بلان سے اٹھانہیں لی۔

جب تین دن عافیت سے گذر گئے تو حضرت داؤ نے دوبارہ ان لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا، اللہ نے تم لوگوں پر رحم و کرم کیا لہذا تم لوگ دوبارہ اس کا شکر یہ ادا کرو، اور بطور شکر یہ اس پہاڑی بیت المقدس کی بنیاد ڈالو۔ لوگوں نے اس تجویز کو قبول کیا اور اس طرح بیت المقدس کی تجدید تعمیر کا مام شروع ہوا، اس وقت اگرچہ حضرت داؤ دکی عمر ایک سو تائیس سال تھی لیکن اس کے باوجود اپنے کاندھوں پر پھراٹھا کر لائے اور قد آدم دیوار بنند کی۔

تعمیر کا سلسہ جاری ہی تھا کہ وحی کے ذریعہ اللہ نے خبر دی کہ اس تعمیر کی تکمیل آپ کے بیٹے سلیمان کے ہاتھوں ہو گی، ایک سو چالیس سال کی عمر میں حضرت داؤ دکی رحلت ہوئی اور حضرت سلیمان نے خدا کے گھر کو مستحکم دو دیہ زیب بنانے کیلئے دریاؤں سے جواہرات نکلوائے، پہاڑوں کو کٹا کر رنگ برنگے پھر اڑھا کر لائے، زمین کی تبوں سے لعل و جواہرا کٹھا کرائے، جنات و انسان و شیطان سب مل کر کام کرتے رہے جب عمارت مکمل ہو گئی تو بہترین مشک و عنبر سے معطر کرایا۔

روئے زمین پر اس وقت بیت المقدس سے زیادہ کوئی خوبصورت عمارت نہیں تھی، اندر ہیری رات میں جواہرات کی چمک دمک سے عمارت لو گمراحت پورا ماحول چودھویں رات کا منظر پیش کرتا تھا۔ بیت المقدس اسی شان و شوکت سے سالوں باقی رہا جنت نصرنے جب حملہ کیا تو سارے جواہرات لوٹ لئے، دیواریں منہدم کر دیں، شہر کو تاراج کر دیا۔

اہمیت فلسطین:

اس شہر سے مسلمانوں کا ایک مذہبی رشتہ ہے اور صلح قیامت تک یہ رشتہ باقی رہے گا اگرچہ چند ہائیوں



سے اسرائیل نے مسلمانوں کو فلسطین سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ جسم کی دوری ہے قلب مسلم ہمہ وقت محبت و احترام فلسطین میں دھڑک رہا ہے اور دھڑکتا رہا گا۔

مسلمانوں کی دوسو سے زائد یادگاریں شہر قدس سے وابستہ ہیں:

- روز قیامت میدانِ محشر میں پہنچنے کیلئے پروگار عالم بیت المقدس کو راستہ قرار دے گا۔

- اسی شہر کی خاک عالم بالاء میں خیر حضرت آدم علیہ السلام قرار پائی۔

- اس جگہ جو مسجد ہے اس کی حضرت آدم علیہ السلام نے بنیاد رکھی تھی۔

- اسی جگہ حضرت خلیل الرحمن حضرت ابراہیم اور ان کی ذریت میں حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت مریم علیہم السلام آسودہ لحد ہیں۔

- اسی شہر میں وہ محراب عبادت ہے جس میں حضرت مریم و زکریا علیہما السلام راز و نیاز و دعا و بندگی کرتے تھے۔

- اسی جگہ محل ولادت اور محل عروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔

- اسی جگہ وہ پھر ہے جس کو ”قبۃ الصخرۃ“ کہا جاتا ہے جہاں سے حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج فرمائی تھی۔

جس کا تذکرہ قرآن مجید فرمایا ہے:

”سَبَّحَانَ الَّذِي أَسْرَى بَعْدَهُ لِيَلَّا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى

الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكَنَا حَوْلَهُ۔“

پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اپنے عبد کو شاہب مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ کی سیر کرائی۔ اصل توریت کے نخوں کے مطابق اسی زمین پر حضرت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی سفیانی سے جنگ ہو گی، یہیں سفیانی حضرت کے ہاتھوں مارا جائیگا اور یہ پدیدیت کو شکست ہو گی۔

مساحت فلسطین

فلسطین کی پوری مساحت ستائیں ہزار چھوٹیں^{۲۷۰۲۳} کیلومیٹر مربع ہے، اس وسیع اراضی کے سات سو چار (۷۰۴) کیلومیٹر مربع پر دو

دریا موجز نہیں:

(۱) طبیریہ

(۲) بحرالمیت (نمک کا دریا ہے)

بیش از ارضی یعنی چھیس ہزار تین سویں کیلواٹ میر مریع نشکی پر مشتمل ہے۔

کل آبادی

۲۰۰۳ء کی مردم شماری کے اعتبار سے اس کی آبادی ۷۹ ملین تھی

غزہ پری میں ۱/۲ ملین ہر لیلن بر ابر دس لاکھ

مغربی کنارے میں ۲/۳ ملین ہر لیلن بر ابر دس لاکھ

مقبوضہ فلسطین میں ایک ملین ہر لیلن بر ابر دس لاکھ

دوسرے ممالک میں جو فلسطینی پائے جا رہے ہیں ان کی تعداد حسب ذیل ہے:

اردن میں چھ سے آٹھ ملین نفر۔

شام میں چار لاکھ چھتیس ہزار (۴۳۶۰۰۰) نفر

بنان میں چار لاکھ پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) نفر

مصر میں باسٹھ ہزار (۲۲۰۰۰) نفر

عربی ممالک میں پانچ لاکھ پنچانوے ہزار (۹۵۰۰۰) نفر

امریکہ میں دو لاکھ چھتیس ہزار (۲۳۶۰۰۰) نفر

دوسرے مختلف ممالک میں تین لاکھ ایک ہزار کے قریب زندگی گزار رہے ہیں۔ (۱)

اعداد و شمار سے باہر بھی کچھ افراد ایسے ہیں جو در بر دی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

یہودیوں کی تعداد

۲۰۰۵ء میں جو مردم شماری ہوئی اس کے اعتبار سے یہودیوں کی کل تعداد انہتر لاکھ اٹھاسی ہزار (۸۸۰۰۰)

۶۹ نفر پر مشتمل ہے یہ مختصری تعداد کروڑوں کی زندگی کے لئے عذاب بنی ہوئی ہے۔

اگر غیرت دینی و جذبہ انسانی عربوں میں بیدار ہوتا تو کبھی کا اسرائیل صفحہ ہستی سے مت جاتا۔



کھلپی حکومت

عربوں کی بے حصی اور امریکہ کی اسرائیل دوستی نے حالات یہاں تک پہنچادیے کہ یاسر عرفات نے ۱۹۹۵ء میں نامنہاد حکومت فلسطین کی قیادت سنگھائی۔

عرفات کے حصہ میں امریکہ نے جو شہر دے ان کے نام تھے عزہ، خان یونس، جبالیا، اخالیل، نابلس، رفح و رام اللہ۔

امریکہ کی طرف سے عرفات کو ملنے والی اس خیراتی حکومت کی کل مساحت چھہ ہزار دوسو تر سٹھن (۶۲۶۳) کلومیٹر تھی۔

جس میں اکتالیس لاکھ تیرہ ہزار (۳۱۳۰۰۰) نفر ساکن تھے، اس کھلپی حکومت کو امریکہ نے فلسطینی رقبہ کا باعثیں فیصل حصہ مرحمت فرمایا اور ابھر فیصل غاصب اسرائیل کے حوالہ کیا گیا۔

فلسطینی علاقوں کا تعارف

سلطنت عثمانی میں فلسطین تیس صوبے میں تقسیم کیا گیا تھا لیکن برطانیہ نے اپنے دور اقتدار میں چھ صوبے بنادئے تھے۔

(۱) بیت المقدس:

یہ صوبہ ملک کا پائے تخت بھی ہے اب اس کے قدیم وجدید نام کے دو حصے ہیں، قدیم بیت المقدس کے گرد ۱۵۲۴ء میں دسویں عثمانی خلیفہ نے دیوار شہر تعمیر کرائی تھی اس قدیم حصہ میں ہی مسجد اقصیٰ اور دوسرے اہم تاریخی مقامات ہیں۔ یہیں پر ایک جگہ ہے کہ جسکے لئے عیسائی کہتے ہیں کہ وہاں زمانہ قدیم میں وہ عدالت چکس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھانسی کا حکم سنایا گیا تھا اور یہیں سے وہ اپنے کاندھے پر صلیب لیکر اس مقام کی طرف بڑھتے تھے جہاں انہیں سولی دیناٹے کیا گیا تھا، یہی مشہور ہے کہ صلیب اتنی وزنی تھی کہ عدالت سے مقام تک پہنچنے میں حضرت عیسیٰ بارہ جگہ تھک کر دینے کے لئے ٹھہرے تھے۔ قرآن نے اس واقعہ کی تردید نہیں کی لیکن سولی پانے والے کوشیہ عیسیٰ علیہ السلام مقرر دیا ہے۔

جدید بیت المقدس دیوار شہر کے باہر ہے اس کا رقبہ بستا و سعیج ہے اس صوبے کے زیر انتظام تین شہر ہیں:

(۱) شہریل:



اس شہر کو اس نام سے اس لئے پکارا جاتا ہے کہ اسی جگہ حضرت ابراہیم اور ان کی زوجہ جناب سارہ کی قبریں ہیں اور یہیں حضرت اسحاق حضرت یعقوب، حضرت یوسف علیہم السلام آسودہ نہ ہیں۔

(۲) بیت الحُمَّ:

تاریخی اعتبار سے یہ شہر بھی خاصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسی جگہ حضرت عیسیٰ کی جائے ولادت ہے۔
آج وہاں ایک بنچ کا بست رکھا ہے، جسے عیسائی سجدہ کرتے ہیں۔
صنعتی اعتبار سے بیت الحُمَّ میں گلدوزی و رنگ ریزی کا کاروبار زور دوں پر ہے۔

(۳) رام اللہ:

یہ شہر خوش آب و ہوا ہے عموماً لوگ اس جگہ سیر و سیاحت کے لئے آیا کرتے ہیں۔

۲ غزہ

دوسرے صوبہ ہے یہاں حضرت ہاشم جد سرکار ختنی مرتبت گی قبر ہے اسی جگہ شہر کا بڑا ایرپورٹ بھی ہے کوڑہ گری میں یہ شہر بڑی شہرت رکھتا ہے، خود غرہ صوبے کا پایہ تخت بھی ہے، اس کے زیرِ انتظام حسب ذیل شہر ہیں:

(۱) حان یونس:

جنوب فلسطین کا آخری شہر ہے، یہاں کے کچھ خرے اپنی اطاافت و ذائقت میں بہت شہرت رکھتے ہیں۔

(۲) مجدل:

ریشم سازی اور روئی کی نمایاں کاشت کی وجہ سے جانا جاتا ہے، ویران عرصلان شہر بھی اسی جگہ ہے۔

(۳) بئر السبع:

زرعی علاقوں پر مشتمل ہے، اس کی مساحت ۱۲۵ کیلومیٹر مربع ہے اس میں بہت ہی زرخیز حصے پائے جاتے ہیں اور پینے کے پانی کا ڈیم بھی بنایا گیا ہے، اگر کہا جائے تو بیجانہ ہو گا کہ نصف مساحت فلسطین صرف اسی بئر السبع پر محیط ہے۔

۳۔ رام اللہ

اس صوبے کا مرکز شہر ”یافا“ ہے صنعت و تجارت والا شہر ہے، یہاں مختلف چل، بنگتے، مالے کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔



اس صوبے کے ہی زرگنیں مشہور شہر تل ابیب ہے یہاں صرف یہودی ساکن ہیں، اور یہ شہر شدید جنگ کا
سماں پیش کرتا رہتا ہے۔

۲۔ سامراہ

اس صوبے کا مرکز ناپس ہے، صابن سازی میں اسے خاصی شہرت ہے، شہر نین، طلکرم، قلقیلیہ، اور
عنبتا، اسی صوبے کے اندر واقع ہیں۔
اس صوبے کے دو شہر پر یہودیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔

۵۔ الجلیل

ناصرہ اس صوبے کا پایہ تخت ہے، اسی شہر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رہائش تھی، یہاں کے دیر بہت
مشہور ہیں۔

”شہر“ عکا، اسی صوبے کا تاریخی شہر ہے جس کے گرد مضبوط چہار دیواری اور بڑے بڑے برج ہیں، مسجد ”
جامع الجزا“ بھی اسی جگہ ہے جس کی شہرت دور دور تک ہے۔
اس وقت یہ شہر بہائیوں کا مرکز ہے کیونکہ قبر مرزا علی باب اسی جگہ ہے۔

۶۔ حیفا

اس صوبے کا پایہ تخت خود اسی جگہ ہے، یہ بہت بڑی بندرگاہ ہے، عراق کی تیل پانپ لائن یہیں تک آئی
ہے جہاں تیل کی صفائی ہوتی ہے اور اسی جگہ سے دنیا میں مختلف جگہ بھیجا جاتا ہے۔

د: سرزمین فلسطین پر خس قدم:

”سرزمین فلسطین پر خس قدم“ کے ذیل میں مصنف نے یہودیوں کے اس دعوے کی حقیقت کو واضح کیا
ہے جس میں وہ لوگ فلسطین پر اپنا حق جانتے آئے ہیں تاریخی شواہد و فرائیں کی روشنی میں مصنف نے کوشش کی ہے
کہ مختصر الفاظ میں یہ واضح کیا جائے کہ اس سرزمین سے یہودیوں کا کتنا رابط ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”بیسویں صدی کے حادث میں سب سے بڑا دل کو دہلا دینے والا سانحہ سرزمین فلسطین پر یہودیوں کی
آمد ہے“

سب جانتے ہیں کہ یہودیوں کا فلسطین سے دور دور کا کوئی ربط نہیں لیکن ”جھوٹ کو اتنا دہراو کہ وہ ج

ہو جائے، بالکل اسی طرح فلسطین پر یہودی مملکت کا افسانہ بھی سامراج کی من گھڑت ہے، لیکن اس کو ذرا رائع ابلاغ نے اس قدر عالم کیا کہ اب سب سمجھنے لگے ہیں کہ حقیقتاً فلسطین کبھی یہودیوں کا آبائی وطن تھا۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ یہودی مسلمان نہیں ہیں لہذا پھر کیوں کر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ حضرت یعقوب کے پیروکار ہیں اور ان کی نسل سے ہیں اور جہاں تک یہودی مملکت کے نام کا تعلق ہے تو یہ محض رائے عامہ کو گمراہ کرنا ہے۔

کیوں کہ جس سرزمین پر انہوں اپنی مملکت قائم کی ہے وہ مسلمانوں سے چھین گئی ہے اور جب یہ ان کی نہیں ہے تو اسے اپنا کہنا فراڈ فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

قرآن نے حضرت ابراہیم کیلئے فرمایا:

ما کان ابراہیم یهودیاً وَ لَا نصرانیاً وَ لَكُنْ حنیفًا مُسْلِمًا وَ مَا کانَ مِنْ
الْمُشْرِكِينَ ان اولیٰ النّاس بابراہیم للذین اتبعوه و هذَا النّبی و الَّذِينَ
آمَنُوا وَ اللّهُ وَلِيَ الْمُؤْمِنِينَ .(۲)

ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی وہ حق پرست مسلمان اور باطل سے کنارہ کش تھے اور مشرکین میں سے ہرگز نہیں تھے یقیناً ابراہیم سے قریب تر ان کے پیرو ہیں اور پھر یہ پیغمبر اور صاحبان ایمان ہیں اور اللہ صاحبان ایمان کا سر پرست ہے۔

پوری دنیا میں اب اسرائیل میں جتنے یہودی ہیں سرے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہیں ہیں کیوں کہ تاریخی طور سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ان کی بنیاد مختلف انسانوں کی نسل اور ان میں بانوے (۹۲) فیصد وہ لوگ ہیں جو مشرقی یورپ میں رہائش پذیر تھے۔

انہوں نے ۲۰ءے میں اپنے آپ کو یہودی کہلانا شروع کر دیا اور خود ان کی عہد قدیم old testament کے مطابق ان کے آباء و اجداد سرزمین فلسطین پر کبھی آئے ہی نہ تھے۔

موجودہ دور کے یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ ان کا ربط پرانے بنی اسرائیل سے ہے کیوں کہ پہلی اور دوسری صدی عیسیوی میں رو میوں نے بنی اسرائیل کی نسل کشی کی مہم میں انہیں عیسیٰ و نابود کر دیا تھا اور ان میں جو باقی تھے تھے انہوں نے نصرانی مذہب اختیار کر لیا تھا، یا وہ نیک چاکر سوریا، مصر اور شمالی افریقہ وغیرہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔

اسلام کے آنے کے بعد ان کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا تھا اور عربوں میں گھل مل گئے تھے اور ان



میں سے جو یورپ چلے گئے تھے وہ بھی وہاں رہنے والی مختلف انسل قوموں کی بودو باش اختیار کر چکے تھے۔
فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ بالکل وہی صورت رکھتا ہے جو موجودہ امریکہ میں گوروں کا ہے۔

گوروں نے وہاں کے قدیم ریڈ انڈینز (Red Indians) کی انسل کشی کر کے انہیں ان کے آبائی طن امریکہ سے آوارہ کر دیا اور اپنی طمع پسند طبیعت سے آج اس طرح وہاں قابض ہیں کہ دنیا بھول ہی گئی کہ امریکہ میں گوروں کا وجود بھی غصبی زمین پر ہے۔

۵: تحریک اسرائیل کے پیشواؤں:

کتاب کے اس حصہ میں ان افراد اور جماعتوں کا ایک مختصر جائزہ لیا گیا ہے جنہیں تحریک اسرائیل کا پیشواؤں قرار دیا جاسکتا ہے چنانچہ ان افراد و جماعت کا تذکرہ مصنف نے ان الفاظ میں کیا ہے:
”فلسطین پر استعمار کی نظر اچانک نہیں پڑی بلکہ قلب مملکت اسلامی ہونے کی وجہ سے سینکڑوں سال قبل سے استعمار اپنی پیغمبر صلیبی بنگلوں کا بدله لینے کیلئے طرح طرح کی سازش اور ترکیبیں بنارہاتھا، بھی منہ کی کھائی تو کبھی دوچار ہبے کامیاب ہوئے، بیسویں صدی کے آغاز سے چند یہودی ”طن یہود“ کی اپنی دیرینہ آزوں عملی چامد پہنانے کیلئے سامنے آئے، حالات نے بھی ساتھ دیا برطانیہ نے دست دوستی بڑھایا، ”اسلام و شمنی“ کی مشترک فکر کے ساتھ یہودی و عیسائی ہر طرح کے مکروہ فریب سے آراستہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے، ان الفاظ کا سہارا لیکر مصنف نے تحریک اسرائیل کے پیشواؤں کے نام اس طرح شمار کیے ہیں۔

ہربرٹ (Herbert)

لپا یہودی تھا، برطانیہ نے اسے مقبوضہ فلسطین پر اپنی سپاہ کا افسر اعلیٰ ”Commissioner“ بنا کر بھیجا تھا۔

یہی وہ شخص ہے جس نے برطانیہ پر دباؤ ڈالا تھا کہ اس (برطانیہ) کی نگرانی میں فلسطین کے اندر یہودی حکومت قائم کی جائے اور دنیا کے مختلف ملکوں میں پر اگنڈہ تیس چالیس لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں بودو باش دی جائے۔

اسی نے کہا تھا کہ یہودی مملکت کے وجود میں آجائے کے بعد مصر و نہر سو نزکے قریب برطانیہ کے مفاد کی حفاظت ہو سکے گی۔

اسی نے اس خصیہ مسودے کو آشکار کیا تھا جسے وزیر خارجہ برطانیہ بالفور (Balfour) نے تھیہ کیا تھا جس

میں فلسطین میں یہودیوں کے بسائے جانے کا منصوبہ طے پایا تھا۔

ہر برٹ نے اپنی ریاست کے زمانے میں مقبوضہ فلسطین کے سیاسی مکملی اور اقتصادی حالات پر کنٹرول کرنے کیلئے ہر شعبہ میں اپنے سے زیادہ سخت یہودیوں کو ذمہ داری سونپی تاکہ مہاجر یہودیوں کو مقبوضہ فلسطین میں احساں غریب الٹنی نہ ہو سکے۔

ہر برٹ نے عربی زبان ہٹا کر عبری کو ملک کی رسمی زبان قرار دیا، عربوں کی زمینوں پر اسی شخص نے مختلف بہانوں سے قبضہ کیا۔ پہلے انھیں بطور قرض زراعت کے ساز و سامان دیئے اور پھر سود رسود بنا کر ان کی زمینوں اور مکانوں کو ان سے چھین لیا۔

• ہر برٹ نے مترسال کیلئے بھلی کی پیداوار کا ٹھیکہ ایک یہودی کو دیا جس نے اس بہانے دریائے گونج نہر اردن اور چھوٹی بڑی نہروں کے پانی پر اپنا قبضہ جمایا اور ان آلبی ذخائر کے ارد، گرد، گھر، دکانیں، اور مکانات یہودیوں کیلئے بنائے، فلسطینیوں کو ان جگہوں سے بے دخل کر دیا، اسی پر اتفاق نہیں کی بلکہ پورے ملک میں بھلی کی پیداوار کا حق دوسروں سے چھین لیا۔

• اس بد بخت نے عربوں کی جس قدرتی تلفی کی ہے قلم اس کے ذکر سے گریہ کنائی ہے، اس شقی نے اپنے زمانے میں آٹھ ہزار عربوں کو ان کی پچاس ہزار ہیکلز میں سے بے دخل کر کے یہودی نشین پستی بسانی۔

جزل الین بی (Allenby)

آزادی خواہ عربوں کی حمایت میں امریکہ، انگلینڈ، اٹلی اور فرانس نے اپنی اپنی جوف وجہی تھی جزل الین بی اس کا سربراہ تھا اس نے اپنی حکمت عملی سے عثمانی اقتدار والے شہروں پر قبضہ کیا۔

۱۹۱۷ء کو یہ شخص فاتحانہ طور پر بیت المقدس میں داخل ہوا اور فخر یہ کہا ”میں آخری صلیبی ہوں“، اس جملہ کا مفہوم یہ تھا کہ بیت المقدس پر قبضہ کیلئے یورپی مسیحیوں نے ۱۹۱۶ء میں صلیبی جنگوں کے سلسلے کا آغاز کیا تھا اس کا اختتام اب ہوا ہے۔

اس جزل نے عثمانی اقتدار والے شہروں پر قبضہ کے بعد برطانیہ کو ایک خط بھیجا جس میں انقلابی عربوں کی خدمات کو سراہا ہے، خط کا مضمون اس طرح ہے:

۱۹۱۸ء: ۲۸ جنوری

”آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ عثمانی حکومت سے جو جنگ لڑی جا رہی تھی وہ ہم نے جیت لی اس کا میاں کا سہرا عربوں



پر ہے انہوں نے جی جان سے ہماری مدد کی“

جزل ایمن بی کے اس اعتراض حمایت کے بعد بھی استعمار نے آزادی خواہ عربوں کو آزادی کے بجائے اس وقت سے یہودیوں کی اسارت و اذیت کی آماجگاہ بنادیا۔

فلسطین پر فتح کے بعد جزل ایمن بی نے اعلان کیا کہ فلسطین فوج کے کنٹرول میں ہے اس کا نظم و نت فلسطین خواہ عربوں کے بجائے انگلستان کی فوج انجام دیا کرے گی۔

مکمل تھا کہ اس اعلان سے عربوں میں بے چینی و بے اطمینانی پیدا ہو لہدا فوراً انگلینڈ و فرانس نے عوام کے ذہنوں کے شک و شبہ کو بر طرف کرنے کیلئے سربراہ فوج کی طرف سے یہ بیانیہ نشر کیا۔

انگلستان و فرانس کی مشرق و سطحی میں دخل اندازی صرف اس لئے تھی کہ عرب کی مجبور و پیش قوم کو تکوں کی غلامی سے رہا کرائیں تاکہ وہ آزادانہ اپنی حکومت تشکیل دے سکیں۔ انگلستان و فرانس جیسی عادل حکومت ان کی مدد سے تقطعاً دریغ نہیں کرے گی۔ آنے والے دنوں میں بھی انگلستان و فرانس کی عادل حکومت اسی طرح کی آزادی دلاتی رہے گی۔ اس اعلان نے عربوں کے ذہنوں سے بچے کھچے شبہ کو بھی نکال دیا۔

ڈاکٹر وائز میں

ماچسٹر یونیورسٹی میں کیمیٹ Chemist کا پروفیسر تھا عقیدے کے اعتبار سے کٹر یہودی تھا، اپنی علمی صلاحیت کی وجہ سے انگلینڈ میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اس یہودی حکومت کے قیام کے لئے امریکہ فرانس اور انگلینڈ کے سربراہوں سے بار بار ملاقاتیں کیں، اور یہودی مملکت کے لئے راستے ہموار کئے۔

پہلی جنگ عظیم میں اس شخص نے انگریزوں سے کہا تھا کہ اگر وہ جرمنی پر فتح حاصل کرنے کے بعد سر ز میں فلسطین پر یہودیوں کا قومی وطن قائم کر دیں تو اس جنگ میں یہودیوں کے سارے خزانے ان کے قدموں میں ڈال دئے جائیں گے۔

آخر کارروہ ۱۹۴۸ء میں انگریزوں سے وعدہ لینے میں کامیاب ہو گیا، لہذا انگریزوں نے وعدہ کر لیا کہ اگر وہ جرمنی پر فتح حاصل کر لیتے ہیں تو فلسطین کو ایک آزاد یہودی ملٹن بنادیں گے، لہذا جب کامیابی مل گئی تو انگریزوں نے اپنے وعدے کو پورا کرنے کے لئے وہ جال بچایا جس میں آج تک فلسطین الجھا ہوا ہے۔ اسرائیل کی عنصی حکومت کا یہ شخص پہلا صدر تھا۔ (۱)

آتش و آہن کی بارش

عربوں نے جس وقت انگلستان کی درپرده یہود نوازی کو بھانپا تو ان میں یہودیوں کے خلاف بغاوت و غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی، ہر عربی ملک نے فلسطین بچاؤ تحریک میں حصہ لیا اور یہودیوں کا باہکاث کیا، اس باہکاث نے سماں فیصلہ یہودیوں کو بے روزگار بنادیا، اس موقع پر ڈاکٹر وانز مین نے یہودیوں کو پیغام دیا کہ تم لوگ اس وقت تاریخ کے نہایت سخت ترین دور سے گزر رہے ہو، صبر و ضبط کا مظاہرہ کرو۔

اس اعلان کے فوراً بعد شرپسند یہودیوں نے برطانیہ سے اپنی جان و مال کی حفاظت کیلئے اسلحہ کا مطالبہ کیا، یوڑھے برطانیہ نے پائچہ ہزار قبضے توپ و راکٹیں اور بم وغیرہ فلسطین کے غاصب یہودیوں کو روشنہ کئے جسے پانے کے بعد انہوں نے گھنی آبادیوں، سبزی مثیلوں میں عربوں پر حملہ کئے، انڈوں کی ٹرے اور سبزیوں کی ٹوکروں میں بم رکھے جس کے پھٹنے کے بعد پہلی بار چوتھے (۲۷) فلسطینی جاں بحق اور ایک سوتیس (۱۳۰) زخمی ہوئے، اس دن سے آج تک بے گناہ عورتوں بچوں بیماروں، مزدوروں اور طالب علموں کو یہودی خاک و دخون میں آلووہ کر رہے ہیں۔

۳۔ بالفور (Balfour)

یہودی ملک کے قیام کیلئے سب سے پہلے اس شخص نے یونگز اکا انتخاب کیا تھا، لیکن یہودیوں نے اس تجویز کو رد کر دیا۔

بالفور پاک یہودی تھا اور یہودی مملکت کو فلسطین میں فوری قائم کرنے کیلئے تحریری مسودہ بھی اسی نے تیار کیا تھا جس کی عبارت کامفہوم تھا:

”جیسا کہ دنیا کی چار بڑی حکومتیں اپنے کو یہودیوں کا طرفدار بتاتی ہیں، ان پر واضح ہونا چاہئے کہ ہمیں فلسطینیوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے، ہم خواہ حق پر ہوں یا باطل پر، ہمیں اپنے مفاد مقدم رکھنا پڑیں گے ان بڑی حکومتوں کو ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کا خیال رکھنا چاہئے، ہم سات لاکھ یہودی فلسطین کے باشندوں پر ہر حال میں مقدم ہیں۔“



ڈاکٹر ہرٹزل (Dr Theodore Hertzl)

ایک عام سامقالہ نویس تھا رفتہ اسی مقالہ نویسی سے لوگوں میں پہچانا جانے لگا، کچھ دنوں بعد یہ س کے اخبار کا خبر نگار بنایا گیا لیکن اس کو شہرت تمام اس وقت حاصل ہوئی جب فرانس کے اسلحہ خانے کے دریفوس نامی یہودی افسر پر الزام تھا کہ اس نے فرانس کے خفیہ اسرار جاپان کو منتقل کر دیے ہیں، اس خبر کے عام ہوتے ہی فرانسیسیوں میں یہودیوں کے خلاف غم و غصہ بھڑک اٹھا اور انہیں غدار و خائن کے لفظ سے پکارا جانے لگا، جہاں کہیں یہودی ہوتے ان کو فرانسیسی حقارت، نفرت، اور ذلت کی نظر سے دیکھتے۔

ملکی پیمانے پر اس حقارت کے باوجود یہودی خاموش نہیں بیٹھے بلکہ دس سال تک اس کو شش میں رہے کہ کسی صورت سے مقدمے کی دوبارہ اپیل کا موقع مل جائے، آخر کار اس سلسلے میں یہودیوں کو کامیابی ملی اور اسناد جاسوئی کو پھر سے کھنگلا گیا اور آخراً مجرم کو بے خطاب ثابت کرادیا۔

اس پورے واقعہ کا پیروی یہی اخباری نمائندہ ڈاکٹر ہرٹزل تھا اس نے اپنے ایک یہودی بھائی کو نہیں بچایا تھا بلکہ یہودی برادری کو جس حقارت و نفرت سے فرانس میں دیکھا جا رہا تھا اس سے آزاد کرایا تھا۔

اس مقدمہ کی کامیابی نے ہرٹزل کو یہودیوں کا قائد ورہبر بنادیا۔

اسی ہرٹزل نے ٹرکی کے خلیفہ سلطان عبد الحمید سے کہا تھا کہ اگر وہ سر زمین فلسطین پر یہودی مملکت کے قیام کی اجازت دے دیں تو یہودی ترکی کے تمام قرضوں کو ادا کرنے کیلئے تیار ہیں، لیکن سلطان نے یہ کہتے ہوئے اس کے مطالبہ کو ٹھکرایا کہ جس سر زمین کو ہمارے آباء و اجداد نے خون دیکر حاصل کیا ہے اس کو چند رہموں کے بدال نہیں بچا جا سکتا ہے۔

ہرٹزل نے اپنی کتاب ”مملکت یہود“ میں یہودیوں کو پیغام دیا:

یہود یو! تم لوگ دنیا میں پرانگندہ ہو اسی لئے ان ممالک کی اذیت و ذات برداشت

کر رہے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے ملک کی اذیتوں کو برداشت نہیں کر سکتا ہے تو اسے

کسی ایسی جگہ بھرت کر کے پہنچا جائے جہاں وہ مستقل اپنا ایک ملک بناسکے۔

اس شخص نے یہودیوں کے درمیان باہمی رابطہ مضبوط کرنے کے لئے ایک تنظیم بنائی، تاکہ یہودیوں کی اقتصادی، سیاسی، سماجی اطلاع رکھی جاسکے۔

ہرٹزل نے اپنی دوڑھوپ سے یہودی مملکت کے قیام کی راہیں ہموار کیں اور مشکلیں بطرف کرنے



کیلئے سالانہ کا نفرنس کا انتظام بھی کیا تھا جس میں دنیا بھر کے اعلیٰ یہودی شریک ہوتے اور تجربہ کائنات کے منصوبے بناتے تھے۔

کا نفرنس کی جو بنیاد ہر ہڑول نے رکھی تھی آج تک یہودیوں میں جاری ہے (۱)

مصر

فلسطین تک پہنچنے کیلئے عثمانی حکومت اور اسکے سرحدی ملکوں کو کمزور کئے بغیر پہنچنا، ناممکن تھا لہذا عثمانی حکومت کے زیر اثر ملکوں میں استعمار نے علاقوں کے اعتبار سے شورش کو ہوادینا شروع کیا۔ عربیوں کو یہ کہہ کرو غلایا کہ تم عرب ہو اور توکوں نے تم کو اپنا غلام و حکوم بنا رکھا ہے، ہم تمھیں آزادی و خود مختاری دلانا چاہتے ہیں، اس حسین نصرہ اور عثمانی حکومت کے نکماپن نے سونے پر سہاگے کا کام کیا، آزادی و خود مختاری کی لہر تیز ہوتی گئی اور استعمار اس درمیان انہیں انقلابیوں کے نقش سے اپنے مہرے تلاش کرنے لگا تاکہ عثمانی حکومت کے بکھر جانے کے بعد وہ اپنے ہم خیال حکمرانوں کو عوام پر مسلط کر سکے، اس میں اسے کامیابی بھی ہوئی آج تک استعماری ایجنت مسلم عوام پر حکومت کر رہے ہیں۔

اگر یہ استعماری ایجنت نہ ہوتے تو فلسطین پر اسرائیلی مظالم کے خلاف کبھی تو اٹھ کھڑے ہوتے، بہر حال مصر سامراجی ایجندے کا ایک حصہ تھا، چونکہ مصر میں محمد علی پاشا کی موت کے بعد اس کے بیٹے عباس پاشا کی پالیسیاں مصری عوام کے لئے اطمینان بخش نہیں تھیں تھیں لہذا عوام میں حکومت مخالف رجحان زور پکڑ رہا تھا، اس وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانس و برطانیہ یہاں بھی اسلام و شہنشی سے لیں میدان میں اتر پڑے اور اپنی آغوش کے لیے محمد نجیب کے ذریعہ حکومت کا تختہ پلٹ دیا "اس کو دتا" Coup d'etat کا پورا نقشہ امریکہ کے وزیر خارجہ ڈاکٹر لسن نے تیار کیا تھا، اس "کو دتا" کے پس پر وہ ڈاکٹر کا چار مقصد تھا:

۱۔ اسرائیل کی توسعہ

۲۔ مسلم ممالک میں اختلاف و انتشار کو ہوادینا تاکہ وہ کسی ثابت رخ سے کوئی تحریک نہ چلا سکیں۔

۳۔ کمیونٹ نظام کو کمزور کرنا۔

۴۔ استعماری غلبہ کو استحکام دلانا۔

"محمد نجیب" استعماری مہرہ تو تھا لیکن پورے طور سے سامراجی مقاصد کے لئے منید نہ ہوا کہ اس کو دودھ کی کمی کی طرح نکال پھیکا اور اس کی جگہ عبد الناصر کو لائے جس نے فرانس و برطانیہ کے منصوبوں کو حرف بہ



حروف علمی جامہ پہنادیا۔

۱۔ جمال عبد الناصر کے زمانے میں اسرائیل نے فلسطین پر حملہ کیا، بظاہر جنگ کا نام دیا گیا لیکن حقیقت میں مقصد اسرائیل کے مقبوضہ علاقے کے قبضے کو وسعت دلوانا تھا وہ اسرائیل کو حاصل ہو گئی، سینا جولان اور ساحل عربی پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا، اس فرضی شکست کے بعد نادان مسلمان اپنے کونزورسیو کرتے ہوئے اسرائیل کے سامنے خاموش ہو گئے۔

۲۔ سامراج کے ایماء پر جمال عبد الناصر نے ہر اسلامی تحریک کو ”عربی نیشنلزم“ کا لبادہ اٹھا کر بے دردناہ انداز سے کچل دیا، قید خانہ ”المنشیہ“ میں دولاٹ مسلمانوں کو قید کیا ان کے پیشواؤں کو قتل کرایا، لہذا جب جمال عبد الناصر اور اسرائیل کی جیلوں کا مقابل کیا گیا تو جمال عبد الناصر کی ایذ اس نیا اسرائیل سے زیادہ تھیں، بس فرق یہ تھا کہ اسرائیل مسلمانوں کو دشمن سمجھتے ہوئے قید کئے ہوئے تھا اور جمال عبد الناصر اسرائیل کی خوشنودی میں مسلمانوں کو ایذا کیں پہنچا رہا تھا۔

۳۔ جمال عبد الناصر نے کمیونٹ کو مصر میں پروان چڑھایا تاکہ مسلمان روس کو دشمن خدا تصور کرتے ہوئے اس سے دور ہو کر امریکہ کی چھتر چھایہ میں چلے جائیں، ناصر کی اس روشن کو ”تبليغات سیاہ“ کے نام سے شہرت ملی چونکہ اس میں بعض کمیوززم کا پہلو نہیں تھا بلکہ حت امریکہ کی چال تھی۔

۴۔ جمال عبد الناصر کے آنے کے بعد مصر سامراج کے چنگل میں آ گیا بلکہ جمال عبد الناصر کے بعد جب سریر اقتدار ”انور“ سادات کو ملا تو مصر، امریکہ و اسرائیل کے کثروں میں پورے طور سے آ چکا تھا۔

عثمانی حکومت بکھرگئی

سامراج نے بکمل طور سے سمجھ لیا تھا کہ وسیع عثمانی حکومت کی موجودگی ان کے خواب اسرائیل کو شرمندہ تعبیر ہونے نہیں دے گی، لہذا وجود اسرائیل سے چار دہائی قبل استعمار نے عثمانی حکومت کی شکست و ریخت کے منصوبے بنائے، اطراف و جوانب کی حکومتوں کو بھی متاثر کرنے کی کوشش کی۔

سامراج کا پہلا حرہ یہ تھا کہ عربوں کو ترکوں کے خلاف ورغا یا جائے اور ان میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ ترکوں نے تم کو اپنا حکوم و غلام بنالیا ہے، ”تم خود مختاری کیلئے اٹھو ہماری مدود ہمارے ساتھ ہے۔“

عثمانی حکومت کے زیر اثر جو ممالک تھے وہ کبھی حکمرانوں کے بودے پن سے نگ آچکے تھے لہذا سامراج کی شہ پر اٹھ کرڑے ہوئے جس کی وجہ سے علیحدگی پسندوں کی تحریک روز بروز آگے بڑھنے لگی۔

عثمانی حکومت نے اسے دبانے کی کوشش کی، علیحدگی پسندوں کو گرفتار کیا جانے لگا، قائدانہ ذہن رکھنے والے افراد سلاخوں کے پیچھے پہنچائے گئے، کچھ کو جب تپٹ پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ لہذا..... ۲۶ مئی ۱۹۱۵ء کو اکیس علیحدگی پسنددار پر چڑھا دیے گئے۔

۲۱ مئی ۱۹۱۵ء کو گیارہ فنڈر کو پھانسی دی گئی، چند دنوں بعد شام میں سات اور یروت میں چودہ آدمیوں کو ابدی نیند سلا دیا گیا لیکن تحریک علیحدگی سامراج کی براہ راست دخل اندازی کی وجہ سے زور پکڑتی جا رہی تھی اس کا پہلا اثر ۱۰ ارب جون ۱۹۱۶ء کو سامنے آیا جب عربوں نے مکہ مکرمہ سے ترک افواج کو نکال بھی گایا۔
اظاہر علیحدگی پسندوں کی رہبری گورنر مکہ شریف حسین کے ہاتھوں میں تھی لیکن درحقیقت برطانوی جزل ایمن بی تھا جو اس تحریک کے نشیب و فرار کو کثیر و کثیر کر رہا تھا۔

مکہ مکرمہ کی آزادی کے بعد رفتہ رفتہ طائف، جدہ بھی علیحدگی پسندوں کے ہاتھ آگئے۔

سامراج عثمانی حکومت کی ایمن سے ایمن تھا کہ اس کی رسکشی میں مصروف ہی تھا کہ پہلی عالمی جنگ رونما ہوئی۔ (۱)

پہلی عالمی جنگ

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک ایک طرف امریکہ انگلینڈ فرانس روس، اٹلی اور جاپان تھے، تو دوسری طرف سلطنت عثمانی، جمنی، آسٹریا، بلغارستان خون کی ہوئی کھیلتے رہے، ایک کروڑ آدمی مارے گئے اور دو کروڑ زخمیوں کی آہوں اور کراہوں سے دنیا کی فضائیں اٹھیں۔

جانی نقصان کے ساتھ ساتھ ناقابل بیان مالی نقصان سے بھی براہ راست اور بالواسطہ ساری دنیا متاثر ہوئی، اس جنگ نے وسیع سلطنت عثمانی کو کٹڑوں میں تقسیم کر دیا، نتیجہ میں ترکی، شام، اردن، لبنان، عراق، سعودیہ اور فلسطین کو خود مختاری مل گئی۔

سامراج جدتوں سے جس عثمانی اقتدار سے مرعوب تھا آخر کار وہ رعب دل سے جاتا رہا۔

پیغامِ مکہ

سامراج کی سازشوں سے چھوٹی چھوٹی مشرق و سطی کی حکومتیں وجود میں آگئیں تو اس وقت کے صدر امریکہ و یلسن نے اپنے پرفریب بیان میں اس طرح کہا:
جنگ (پہلی جنگ عظیم) کے خاتمه کے بعد آزاد ہونے والے ممالک کو اپنے اعتبار سے حکومت بنانے کا



حق ہے اور جیسے چاہیں اپنی تاریخ رقم کریں۔

صدر امریکہ کے بیان کے بعد برطانیہ نے اعلان کیا:

”مشرق و سلطی میں ہماری اور فرانس کی دخل اندازی کا مقصد صرف کمزور و پیکس عربوں کو ترکوں کی قید و غلامی سے رہائی دلانا تھا جو ہم نے دلادی۔“

یا ایسے شاطر انہ پیغام تھے جنہوں نے عربوں کو بالکل مطمئن کر دیا اور اس وقت میں استعمار نے فلسطین کے لئے جونفیر قششی کی تھی اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے جی جان سے لگ گئے۔

اقوام متحده کا قیام

جنگ جہانی اول کے بعد اقوام متحده کا قیام عمل میں آیا، اس ادارہ کا مقصد تو یہ تھا کہ دوبارہ دنیا میں دولت آپس میں اختلاف کی وجہ سے آمادہ جنگ نہ ہوں، اور اگر اختلاف ہو بھی جائے تو اقوام متحده ان دونوں میں صلح و آشتی کرائے گا۔

اس ادارہ کے مرکزی اراکین امریکہ، فرانس، برطانیہ، روس اور چین تھے ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اقوام متحده نے ”ویٹو پاور“ بھی زیادہ تر یورپیں ممالک کے ہاتھوں میں دے دیا، چین کے علاوہ باقی چار ملک مسلم ملکوں کے خلاف ہر طرح کی سازش میں بالواسطہ یا بلا واسطہ شامل رہے۔

سرگزشت فلسطین - ۱۲۶

اقوام متحده نے دانستہ طور پر ”ویٹو پاور“ کسی مسلم ملک کو نہیں دیا یہی وجہ ہے کہ یہ ممالک جب چاہتے ہیں اقوام متحده میں بیٹھ کر مسلم ملکوں کے خلاف کارروائیاں کرتے رہتے ہیں اور انہیں روکنے کو نہ والا کوئی نہیں ہے۔

اقوام متحده بلاشبہ یہود و نصاریٰ کے مفادات کا محافظ ادارہ ہے۔ (۱)

تاریخ شاہد ہے کہ اقوام متحده نے اپنی بالادستی کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیشہ ملکوں اور ملتوں کو لڑایا، آج اقوام متحده امریکہ کی چشم وابرو پر چل رہا ہے اور اسرائیل اسے اپنی سفارت سمجھتا ہے جس کا ذکر مشہور اسرائیلی ”زنگویل“ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

• یہ اقوام متحده اسرائیل کی سفارت ہے۔

• ”تا جوم“ نامی یہودی ۱۹۲۲ء میں ایک کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

اقوام متحده ایک یہودی گلر ہے جو چیس سال کی تلاش و کوشش کے بعد وجود میں آئی ہے۔

اس نام نہاد اوارہ سے ابھی تک استعمار و اسرائیل کے علاوہ کسی مسلمان ملک یا تحریک و تنظیم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے، جب کبھی اسرائیل کے ظلم و جور و بربریت کے خلاف اقوام متحده کی سلامتی کو نسل میں قرارداد پاس ہوئی تو امریکہ نے اس کو دیکھ دیا۔

۱۹۷۲ء سے ۱۹۹۰ء تک کے عرصہ میں اسرائیل کے غلاف ۱۹۶ قراردادیں ترتیب پائیں لیکن امریکہ نے سبھی کو دیکھ کر ذریعہ کا عدم قرار دے دیا،“
(جاری ہے.....).

